سلسلۂ آصفیہ

موازنۂ انیس و دبیر

یعنی

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو، اور میر انیس و دبیر کا موازنہ

مؤلفہ

شبلی نعمانی

مطبع مفید عام آگرہ میں منشی محمد قادر علیخان صوفی کی اہتمام سے چھپا

سنہ ۱۹۰۷ء

(جلال اکبر آبادی نوشت)

فہرست مضامین

شمع ہا بردہ ام از صدق بہ خاک شُہدا	تا دل و دیدۂ خون نابہ فشانم دادند

فلسفہ اور شاعری برابر درجہ کی چیزین ہین، لیکن قوم کی بدمذاقی سے جس قسم کی شاعری نے ملک مین قبول عام حاصل کرلیا ہے، اس نے لوگون کو یقین دلادیا ہے کہ اُردو شاعری مین زلف وخال وخط، یا جھوٹی خوشامد اور مدّاحی کے سوا اور کچھ نہین ہے، میر تقی کی غزلیت، درد کا تصوف، غالب کا فلسفہ شاعری کی جان ہین، لیکن ان بیش بہا خزانون مین سے بھی، عام لوگون کی نگاہ صرف خزف ریزون پر پڑتی ہے میر انیس کا کلام، شاعری کے تمام اصناف کا بہتر سے بہتر نمونہ ہے، لیکن اُن کی قدر دانی کا طُغرا ے امتیاز صرف اسقدر ہے کہ "کلام فصیح ہوتا ہے، اور بَین اچھا لکھتے ہین" بدمذاقی کی نوبت یہانتک پہُنچی کہ وہ، اور مرزا دبیر حریف مقابل قرار دے گئے، اور مدت ہا ے دراز کی غور وفکر، کدوکاوش، بحث وتکرار کے بعد بھی فیصلہ نہ ہوسکا کہ ترجیح کا مسند نشین کسکو کیا جائے،

اِس بنا پر مدت سے میرا ارادہ تھا کہ کسی ممتاز شاعر کے کلام پر تقریظ و تنقید لکھی جائے، جس سے اندازہ

ہوسکے کہ اُردو شاعری، باوجود کم مایگی زبان، کیا پایہ رکھتی ہے، اس غرض کے لئے **میرانیس** سے زیادہ کوئی شخص انتخاب کے لئے موزون نہین ہوسکتا تھا کیونکہ اُن کے کلام مین شاعری کے جس قدر اصناف پائے جاتے ہین، اورکسی کے کلام مین نہین پائے جاتے، شکر ہے کہ آج اُس ارادہ کے پورے ہونے کی نوبت آئی، اور یہ کتاب، ناظرین کی خدمت مین پیشکش ہے، اس کتاب مین میرانیس کا موازنہ بھی مرزا دبیر سے کیا گیا ہے اور اس مناسبت سے اسکا نام **موازنہ** ہے۔

شاعری کیا چیز ہے؟ یہ ایک نہایت مفصل اور دقیق بحث ہے۔ ارسطو نے اس پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جسکا ترجمہ عربی زبان مین ابن رشد نے کیا اور اسکا بڑا حصہ چھپ کر شایع بھی ہو چکا ہے۔ ابن رشیق قیروانی اور ابن خلدون نے بھی اسپر بحث کی ہے۔ انگریزی زبان مین نہایت اعلیٰ درجہ کی کتابین، اس مسئلہ پر لکھی گئی ہین جن مین سے بعض میری نظر سے بھی گزری ہین، گو مین اُن سے اچھی طرح مستفید نہین ہوسکا، شعر العجم مین، مین اِس مضمون کو انشاء اللہ نہایت تفصیل سے لکھون گا، یہان صرف اسقدر کہنا کافی ہے کہ کہ شاعری کے دو جز ہین **مادّہ وصورت**۔ یعنی کیا کہنا چاہیئے اور کیونکر کہنا چاہیئے؟ انسان کے دل مین کسی چیز کے دیکھنے، سننے۔ یا کسی حالت، یا واقعہ کے پیش آنے سے، جوش، و مسرت۔ عشق و محبت، درد و رنج، فخر و ناز۔ حیرت و استعجاب۔ طیش و غضب، وغیرہ وغیرہ کی جو حالت پیدا ہوتی ہے اسکو **جذبات** سے تعبیر کرتے ہین، ان جذبات کا ادا کرنا شاعری کا **اصلی ھیولی** ہے اِنکے سوا عالمِ قدرت کے مناظر مثلاً گرمی و سردی، صبح و شام، بہار و خزان، باغ و بہار۔ وحشت و صحرا، کوہ و بیابان، کی تصویر کھینچنا، یا عام واقعات اور حالات کا بیان کرنا بھی اِسی مین داخل ہے،

لیکن یہ شرط ہے کہ جو کچھ کہا جائے اس انداز سے کہا جائے کہ جو اثر شاعر کے دل مین ہے وہی سننے والون پر بھی چھا جائے، یہ شاعری کا دوسرا جز یعنی اسکی **صورت** ہے، اور انھی دونون جزون کے مجموعہ کا نام شاعری ہے۔ باقی، خیال بندی، مضمون آفرینی، دقت پسندی، مبالغہ، صنایع و بدایع، شاعری کی حقیقت مین

داخل نہین، اگرچہ بعض جگہ یہ چیزین، نقش و نگار اور زیب و زینت کا کام دیتی ہین۔

میر انیس کی شاعری کو اسی معیار سے جانچنا چاہیئے جسکا مختصراً بیان ہوا، جس شخص کو یہ معیار تسلیم نہ ہو اسکے سامنے میر انیس کی نسبت، کمال شاعری کا دعویٰ نہین کیا جا سکتا،

میر انیس اور تمام اور مرثیہ گویون کے کلام مین جن لوگون کا ذکر اکثر آتا ہے، اور جو مرثیہ کے ہیرو ہین، اُن کا نام، اور اُن کی خصوصیات ذیل مین اس غرض سے لکھی جاتی ہین کہ واقعہ، اور روایت کے سمجھنے مین مدد ملے اور محاسن شعری، اور اسالیب بلاغت کے نکات سمجھ مین آئین،

حضرت عباسؑ — حضرت امام حسین علیہ السلام کے بھائی ہین، اور گو حقیقی بھائی نہین لیکن حقیقی بھائیون سے زیادہ مخلص اور جان نثار ہین، اس خصوصیت کو ہر جگہ دکھایا ہے۔ اس کے ساتھ ان کی شجاعت و بہادری اور جوانانہ جوش کو ہر موقع پر نمایان کیا ہے۔

حضرت زینبؑ — حضرت امام حسین علیہ السلام کی بہن، جو سب سے زیادہ امام علیہ السلام سے محبت رکھتی تہین، انکے دو صاحبزادے تھے، عون و محمد، دونون کو انہون نے امام پر نثار کر دیا،

عونؑ و محمدؑ — حضرت زینب کے صاحبزادے۔

حضرت صغریٰ — امام حسین علیہ السلام کی چھوٹی صاحبزادی، جن کو امام علیہ السلام، مدینہ مین چھوڑ آئے ان کی جدائی اور رخصت کو، تمام مرثیہ گویون نے بڑے درد اور اثر کے ساتھ لکھا ہے

حضرت سکینہؑ — امام علیہ السلام کی سب سے چھوٹی صاحبزادی جو قید خانہ کی تکلیفون سے انتقال کر گئین (حسب خیال مرثیہ گویان اُردو)

حضرت علی اکبر — امام علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے، ان کو حضرت زینبؑ نے پالا تھا،

اور اپنے بیٹون سے زیادہ انکو عزیز رکھتی تھین، اس بنا پر وہ حضرت زینب بڑی
کو اپنا مالک و مختار سمجھتے تھے، اور ان سے زیادہ اُنکا ادب کرتے تھے،

علی اصغر — امام علیہ السلام کے شش ماہہ صاحبزادے جنکو دشمنون نے امام علیہ السلام
کی گود مین شہید کیا۔

حضرت سجّاد — امام زین العابدین، جو بیماری کی وجہ سے شریک جنگ نہ ہو سکے تھے اور دشمن
ان کو بیڑیان پہنا کر شام تک پیادہ پا لے گئے تھے،

حضرت شہربانو — امام علیہ السلام کی حرم محترم جو نوشیروان کی پوتی تھین،

حُر — یزید کے رسالہ کا سپہ سالار تھا، لیکن خدا نے ہدایت کی، اور امام علیہ السلام
کی فوج مین آکر شامل ہو گیا،

مرثیہ گوئی کی اجمالی تاریخ

عرب مین جو فارسی اور اُردو شاعری کا سرچشمہ ہے، شاعری کی ابتدا مرثیہ سے ہوئی، اور یہی ہونا چاہیئے تھا، عرب مین شاعری کی ابتدا بالکل فطرت کے اصول پر ہوئی، یعنی جو جذبات دلون مین پیدا ہوتے تھے وہی اشعار مین ادا کر دیے جاتے تھے، جذبات مین، درد و غم کا جذبہ، اور جذبات سے قوی تر ہے، اور جس جوش سے یہ ظاہر ہوتا ہے اور جذبات ظاہر نہین ہو سکتے، فرض کرو، ایک شخص کے گھر مین بہت تمناؤن کے بعد بیٹا پیدا ہوا، تو اُس کو بہت کچھ خوشی ہوگی لیکن وہ اس خوشی کو کسی مجمع عام مین، اشعار یا خطبہ کے ذریعہ سے ظاہر نہین کریگا، اور کرے بھی تو کلام مین کوئی غیر معمولی تاثیر نہوگی، لیکن اگر یہی لڑکا مرجائے تو اسکی کیا حالت ہوگی؟ وہ سرتاپا جوش بن جائیگا، اُسکی آہ و زاری لوگون کو تڑپا دیگی، اور اگر وہ شاعر ہے، تو اُسکے مرثیے دلون پر نشتر کا کام دین گے۔

بہر حال عرب مین چونکہ شاعری کی ابتدا اظہار جذبات سے ہوئی تھی، اس لئے سب سے پہلے شاعری کی ابتدا مرثیہ سے ہوئی، جو سب سے قوی تر جذبہ کا اثر ہے۔

قصائد پر اثر

مرثیے عین اُس حالت مین کہے جاتے تھے، جبکہ شاعر کا دل درد و غم سے لبریز ہوتا تھا، اس کا شاعری پر ایک خاص اثر یہ ہوا کہ قصائد کی ابتدا جو عام طور تشبیب اور غزل سے کی جاتی تھی، مرثیہ کے قصائد مین یہ طرز متروک ہو گیا، کیونکہ رنج و غم کی حالت مین عشق و محبت کے خیالات کا کیا موقع تھا، عرب مین اسکی مخالف صرف ایک مثال موجود ہے، یعنی درید بن الصمہ ایک شاعر نے اپنے بھائی کا مرثیہ جو لکھا اس کی ابتدا غزل سے کی تھی، جس کا مطلع یہ تھا۔

أعاتبُ أدنى ما خلقتُ وكلّ موعد	لعاقبةٍ ...	آسرت جديدُ الحبلِ من أم معبد

لیکن اسکی وجہ ابن رشیق نے کتاب العمدہ مین یہ لکھی ہے کہ یہ مرثیہ، واقعہ کے پورے ایک برس کے بعد لکھا گیا تھا۔

اگرچہ جاہلیت ہی کے زمانہ مین مرثیہ گوئی کو بہت ترقی ہو چکی تھی، اور بہت سے شعرا نے بڑے بڑے پُر اثر مرثیے لکھے تھے لیکن دو شخص اس زمانہ مین بہت نامور ہوئے، خنسا اور متمم بن نویرہ۔ خنسا ایک عورت تھی جس کو اپنے بھائی صخر سے بے انتہا محبت تھی۔ صخر ایک لڑائی مین مارا گیا، خنسا پر اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ اسکے حواس جاتے رہے، اس نے صخر کی پھٹی پُرانی جوتیون کا ہار بنا کر گلے مین ڈالا اور دیوانہ وار پھرنے لگی، اسی حالت مین صخر کے مرثیے کہنے شروع کئے، ان مرثیون کو پڑھتی تھی، اور نوحہ کرتی تھی، ایک دفعہ اسی حالت مین حج کو گئی، یہ حضرت عمر فاروق کا زمانہ تھا، وہ حرم کا طواف کرتی، اور سینہ پر دو ہتڑ مارتی جاتی تھی، حضرت عمر نے دیکھا تو ڈانٹا، اس نے اپنی داستان بیان کی، حضرت عمر نے کہا ہان! لیکن ماتم کے اس طریقے کو اسلام نے مٹا دیا، وہ اور بیتاب ہو گئی، اور اُس وقت بے اختیار اُس کی زبان سے چند شعر نکلے، جن کا مطلع یہ ہے۔

وصبرا ان اطقت ولم تطيقي		هريقي من دموعك واستفيقي

(اپنے نفس سے مخاطب ہوکر) آنسو بہا اور اس سے تسلی حاصل کر، اور صبر کر اگر تجھ سے کیا جائے لیکن تو کر نہین سکنے کی،

متمم بن نویرہ بھی اسی زمانہ مین تھا اور وہ بھی اپنے بھائی کا شیفتہ اور عاشق تھا، ایک لڑائی مین خالد بن الولید نے اس کے بھائی کو مار ڈالا، اس پر متمم کی یہ حالت ہوئی کہ گھر بار چھوڑ کر نکلا، اور قبائل عرب مین پھرنا شروع کیا، جہان پہونچتا تھا تمام زن و مرد اس کے گرد جمع ہو جاتے تھے، وہ دردانگیز لہجہ مین مرثیہ پڑھتا اور ہر طرف سے گریہ وزاری کی آواز بلند ہوتی، اس کی یہ حالت دیکھ کر لوگون نے سمجھایا، کہ تم جلد ہلاک ہو جاؤ گے، اور تمھارے خاندان کی کوئی یادگار باقی نہ رہے گی، اس لئے تم شادی کر لو کہ اولاد کے ذریعہ سے خاندان کا نام رہجائے،،

لوگون کے اصرار سے مجبور ہوکر اُسنے شادی کی، لیکن بیوی کی طرف التفات نہ کرسکا، آخر طلاق دینی پڑی، اسی حالت مین حضرت عمرؓ کے پاس آیا، وہ اُس وقت مسجد نبوی مین تشریف رکھتے تھے، متمم نے مرثیہ کے اشعار پڑھنے شروع کئے، حضرت عمرؓ اگرچہ نہایت مضبوط دل کے آدمی تھے، لیکن ضبط نہ کرسکے، بے اختیار آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے، متمم مرثیہ پڑھ چکا تو حضرت عمرؓ نے کہا، الی ما بلغ بک الحال، یعنی تیرے غم کی حالت کس حد تک پہونچی ہے؟ اس نے کہا امیرالمومنین! بچپن مین مجھکو ایک عارضہ ہوگیا تھا، جسکی وجہ سے میری بائین آنکھ کی رطوبت جاتی رہی تھی، مین کبھی روتا تھا تو اُس آنکھ سے آنسو نہین نکلتے تھے، بھائی کے مرنے کے بعد جو اس آنکھ سے آنسو جاری ہوئے تو اب تک نہین تھمے۔

حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایش کی کہ اُن کے بھائی زید کا مرثیہ لکھے، اُسنے فرمایش پوری کی، لیکن جب دوسرے دن جاکر حضرت عمرؓ کو سنایا، تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اسمین تو وہ درد نہین ہے، اس نے کہا، امیرالمومنین! زید آپ کے بھائی تھے میرے بھائی نہ تھے،

اس زمانہ تک مرثیہ صرف وہ لوگ کہتے تھے جن پر کوئی غیر معمولی حالت طاری ہوتی تھی، اس کے بعد جب شاعری اصلی حالت سے بدل کر کسب معاش کا ذریعہ بنی تو مرثیہ گوئی کو خود بخود زوال ہوا کیونکہ مدحیہ قصائد کی طرح اس سے کچھ صلہ نہین مل سکتا تھا، تاہم چونکہ عرب مین ابھی تک قدیم اوصاف کچھ کچھ باقی تھے اس لئے بعض مرثیے اس زمانہ کے بھی ایسے ملتے ہین جن مین اثر اور جوش پایا جاتا ہے۔

اسی زمانہ مین کربلا کا قیامت انگیز واقعہ پیش آیا۔ یہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ اگر عرب کے اصلی جذبات موجود ہوتے تو اس زور کے مرثیے لکھے جاتے کہ تمام دنیا مین آگ لگ جاتی۔ لیکن اُدھر تو عرب کے پُرزور جذبات مین انحطاط آچکا تھا، اِدھر بنو امیہ کی ظالمانہ سطوت اور جباری نے تمام شعرا کی زبانین بند کردی تھین، فرزدق بنو امیہ کے پایۂ تخت کا شاعر تھا، لیکن جب اسنے ایک موقع پر فوری جوش سے حضرت امام زین العابدینؑ کی مدح مین فی البدیہہ چند شعر کہے تو عبدالملک بن مروان نے اسکو جیل خانہ بھیجدیا،

بنو امیہ کے بعد دولت عباسیہ کا دور آیا، اس عہد مین شاعری کو بہت ترقی ہوئی لیکن اُنھی اصناف کو ترقی ہوئی جن کو صلہ اور انعام سے تعلق تھا، اسلئے مرثیہ گوئی اب بھی اُسی حالت مین رہی۔

البتہ معن اور جعفر برمکی کی فیاضیون نے ایک عالم کو ممنون احسان بنا رکھا تھا، اس سلئے اُنکے مرنے پر جو مرثیے لکھے گئے، اُن مین سے اکثر پُر اثر اور درد انگیز تھے۔[۵]

ایرانی مرثیے

فارسی شاعری کی بنیاد تکلف، آورد، اور مداحی پر قائم ہوئی تھی، اس لئے شاعری کے وہ انواع جنکو جذبات سے لازمی تعلق تھا دفعتہً پستی کی حالت مین آ گئے، تاہم چونکہ آغاز مین ہر چیز مین فطرت کا اثر پایا جاتا ہے، اس لئے فردوسی اور فرخی وغیرہ کی شاعری مین جا بجا جذبات کا اظہار بہت خوبی کے ساتھ نظر آتا ہے۔

فردوسی نے سہراب کا مرثیہ جو اس کی مان کی زبان سے لکھا ہے، اُس کے اشعار سے اس کا اندازہ ہو سکے گا۔

بمادر خبر شد کہ سہراب گرد	ز تیغ پدر خستہ گشت و بمرد
خروشید و جوشید و جامہ درید	بزاری بران کودک نارسید
بزد چنگ و بدرید پیراہنش	درخشان شد آن لعل زیبا تنش
برآورد بانگ و غریو و خروش	زمان تا زمان زو ہمیرفت ہوش
فرو برد ناخن دو دیدہ بکند	برآورد بالا در آتش فگند
مر آن زلف چون تاب دادہ کمند	بہ انگشت پیچید و از بن بکند
روان گشت از روی او جوی خون	زمان تا زمان اندر آمد نگون
ہمہ خاک تیرہ بسر بر فگند	بدندان ز بازوی خود گوشت کند

۵ عرب کی مرثیہ گوئی کا مضمون ایک نہایت وسیع مضمون ہے لیکن ہمکو اقتضا ے مقام سے نہایت اختصار کرنا پڑا، کتاب العمدہ ابن رشیق نے باب المراثی مین اسپر مفصل بحث کی ہے۔

بسر بر فگند آتش و بر فروخت ❊ همه موے مشکین بآتش بسوخت

همی گفت کاے جان مادر کنون ❊ کجائی سرشته بخاک و بخون ؟

دو چشمم بره بود گفتم مگر ❊ ز سهراب و رستم بیابم خبر

گمانم چنان بود گفتم کنون ❊ بگشتی بگرد جهان اندرون

پدر را همی جستی و یافتے ❊ کنون آمدن نیز بشتافتی

چه دانستم اے پور کآید خبر ❊ که رستم بخنجر دریدت جگر

دریغش نیامد ازان روے تو ❊ وزان بر ز بالاے و بازوے تو

بپرورده بودم تنش را بناز ❊ برخشنده روز و شبان دراز

کنون آن بخون اندرون غرقه گشت ❊ کفن بر تن پاک او خرقه گشت

کنون من کرا گیرم اندر کنار ❊ که خواهد بدن مر مرا غمگسار

کرا گویم این درد و تیمار خویش ❊ کرا خوانم اکنون بجاے تو پیش

پدر جستی اے گرد لشکر پناه ❊ بجاے پدر گورت آمد براه

از امید نامید گشتی تو زار ❊ بخفتی بخاک اندرون زار و خوار

ازان پیش کو دشنه را بر کشید ❊ جگرگاه سیمین تو بر درید

چرا آن نشانے که مادرت داد ❊ ندادی بدو بر نکردیش یاد

نشان داده بد از پدر مادرت ❊ ز بهر چه نامد همے باورت

کنون مادرت ماند بے تو اسیر ❊ پر از درد و تیمار و رنج و زحیر

چرا نامدم با تو اندر سفر ❊ که گشتی بگردان گیتی سمر

مرا رستم از دور بشناختے ❊ ترا با من اے پور بنواختے

بینداختی تیغ آن سرفراز   نکردی جگرگاہت اے پور باز
ہمی گفت ومی خست ومیکند موے   ہمی زد کف دست برخوبروے
ہمی گفت مادرت بیچارہ گشت   بہ خنجر جگرگاہ تو پارہ گشت

اسی زمانہ کے قریب سلطان محمود کی وفات پر فرخی نے مرثیہ لکھا جو نہایت موثر اور دردانگیز ہے ؎

شہر غزنین نہ ہمان است کہ من دیدم پار   چہ فتاد است؟ کہ امسال دگرگون شد کار
کوہہا بینم، پر شورش و سرتاسر کوے   ہمہ پر جوشن و جوشن در وپر خیل و سوار
مگر امسال دگر باز نیامد ز غزا   و شتمنے روے نہاد است درین شہر و دیار
آہ و دردا کہ بیکبارہ تہی بینم ازو   کاخ محمودی و آن خانۂ پر نقش و نگار
میر می خوردہ مگر دی، و نخفتہ است امروز   دیر تر خاست، مگر رنج رسیدش زخمار
خیز شاہا! کہ رسولانِ شہان آمدہ اند   ہدیہا دارند آوردہ فراوان و نثار
کہ تواند؟ کہ برانگیزد ازین خواب ترا   خفتنی خفتی، کز خواب نگردی بیدار
خفتنِ بسیار، اے خسروا خوے تو نبود   ہیچ کس خفتہ ندیدہ است ترا زین کردار
یک دمک، بارے درخانہ بیایست نشست   تا بدیدندے روے تو عزیزان و تبار
بہ حصار از فزع و بیم تو رفتند شہان   تو شہا از فزع و بیم کہ رفتی بکنار؟
شعرا را بتو بازار برافروختہ بود   رفتی و با تو بیکبارہ برفت آن بازار

اس دور کے بعد مرثیئے بہت کم لکھے گئے اور جو لکھے گئے وہ صرف رسمی مرثیئے تھے، جن سے شاعری کے تمام اقسام پر قادر ہونے کا اظہار مقصود تھا، البتہ شیخ سعدی اور امیر خسرو کے دو مرثیئے، بہت مشہور ہیں، اور چونکہ دل سے نکلے ہیں، حسرت خیز اور دردانگیز ہیں، لیکن چونکہ اس زمانہ کی عیش و طرب کی مجلسیں غزل کے ترانون سے گونج رہی تھیں اسلئے ان کا اثر عام نہیں ہوا، جب صفویہ اور تیموریہ کا دور آیا تو شاعری نے ایک

دوسرا قالب اختیار کیا، اور سنائی، نظیری، عرفی کی زور آوریون نے پرانی بنیادین ہلا کر نئی عمارتین قائم کین، اس زمانہ مین محتشم کاشی نے عام دستور کے موافق شاہ طہماسپ صفوی کی مدح مین ایک قصیدہ لکھا طہماسپ کو خاندانِ رسالت سے عقیدہ نیازمندی تھی، اس بنا پر اسنے کہا کہ مین اِس بات کو ہرگز پسند نہین کرتا کہ میری مدح مین قصائد لکھے جائین، شعرا کو ائمہ اہل بیت کی شان مین طبع آزمائی کرنی چاہیے، جسکا اصلی صلہ خدا کے دربار سے ملیگا اور دنیوی تمتعات دربارِ شاہی سے حاصل ہونگے، محتشم نے اِس خواہش کے موافق آٹھ دس بندون کا ایک مرثیہ لکھا جو درد و غم کی مجسم تصویر ہے، اور جس کا جواب آج تک نہو سکا اس مرثیہ کے چند بند یہ ہین،

مرثیہ محتشم کاشی

چون خون ز حلق تشنہ او بر زمین رسید ‖ جوش از زمین بہ ذروۂ عرش برین رسید
نخلِ بلند او چو خسان بر زمین زدند ‖ طوفان بہ آسمان ز غبار زمین رسید
باد آن غبار چون بمزار نبی رساند ‖ گرد از مدینہ بر فلک ہفتمین رسید
کرد این خیال وہم غلط کار - کان غبار ‖ تا دامن جلال جہان آفرین رسید

ہست از ملال گرچہ بری ذات ذو الجلال
او در دل است و ہیچ دلے نیست بے ملال

ترسم جزاے قاتل او چون رقم زنند ‖ یکبارہ بر جریدۂ رحمت قلم زنند
ترسم کزین گناہ شفیعان روز حشر ‖ دارند شرم کز گنہ خلق دم زنند
دست عتاب حق، بدر آید ز آستین ‖ چون اہل بیت، دست براہل ستم زنند
آہ از دمے کہ باکفن خون چکان ز خاک ‖ آل علی چو شعلۂ آتش علم زنند
فریاد ازان زمان کہ جوانانِ اہل بیت ‖ گلگون قدم بہ عرصۂ محشر قدم زنند

از صاحب حرم چه توقع کنند باز　　آن ناکسان که تیغ بصید حرم زنند

بس بر سنان کنند سرے را که جبرئیل
شوید غبار گیسویش از آب سلسبیل

بر حربگاه چون ره آن کاروان فتاد[۱]　　شور نشور واهمه را در گمان فتاد
هم بانگ نوحه، غلغله در شش جهت فگند　　هم گریه بر ملائک هفت آسمان فتاد
چندان که بر تن شهدا چشم کار کرد　　بر زخم هاے کاری تیغ و سنان فتاد
ناگاه چشم دختر زهرا دران میان　　بر پیکر شریف امام زمان فتاد
بے اختیار نعره هذا الحسین ؑ ازو　　سر زد چنانکه آتش ازو در جهان فتاد

پس بازبان پُر گله آن بضعة البتول
رو در مدینه کرد که یا ایها الرسول

این کشته فتاده به هامون حسین تست　　وین صید دست و پا زده در خون حسین تست
این غرقهٔ محیط شهادت، که روے دشت　　از موج خون او شده گلگون حسین تست
این خشک لب فتاده ممنوع از فرات　　کز خون او زمین شده جیحون حسین تست
این شاه کم سپاه که با خیل اشک و آه　　خرگاه ازین جهان زده بیرون حسین تست
این قالب طپان که چنین مانده بر زمین　　شاه شهید ناشده مدفون حسین تست

پس روبسوے در بقیع به زهرا خطاب کرد
وحش زمین و مرغ هوا را کباب کرد

کاے مونس شکسته دلان حال ما ببین　　ما را غریب و بیکس و بے آشنا ببین

[۱] ایک بند اس سے پہلے کا چھوڑ دیا گیا ہے، جس میں یہ بیان ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد مخالفین اہل حرم کو بے عماری کے اونٹوں پر سوار کر کے شہدا کی لاشوں کے سامنے سے لیگئے ۔

تنہاے کشتگان ہمہ درخاک وخون نگر	سرہاے سروران ہمہ بر نیزہا ببین
آن سر کہ بود بر سر دوش نبیؐ مدام	یک نیزہ اش ز دوش مخالف جدا ببین
وان تن کہ بود پرورشش در کنار تو	غلطان بہ خاک معرکۂ کربلا ببین
در خلد بر حجاب دو کون آستین فشان	واندر جہان مصیبت ما بر ملا ببین
نے نے درا چو ابر خروشان بکربلا	طغیان سیل فتنہ وموج بلا ببین

یا بضعة البتول ز ابن زیاد داد * *
کو خاک اہل بیت رسالت بباد داد

محتشم کے مرثیہ کو اگرچہ حد سے بڑھکر حسن قبول حاصل ہوا، اور دربار شاہی سے صلہ اور انعام بھی ملا لیکن تمام ملک مین تصیدہ اور مدح کا رنگ اس قدر چھایا ہوا تھا، کہ عام شعرا پر اس کا چندان اثر نہین پڑا، طالب آملی غزالی - میلی سیلم - کلیم وغیرہ شعراے متاخرین کے کلام مین اور سب اصناف سخن پائے جاتے ہین - لیکن مرثیہ کا بہت کم پتہ چلتا ہے - حاجی محمد جان قدسی نے اپنے بیٹے کا جو نوجوان مرگیا تھا، نہایت پر درد مرثیہ لکھا، لیکن نوباوہ رسالت کے غم مین دو شعر بھی نہ لکھے، ظہوری نے البتہ بہت سے مرثیئے لکھے لیکن وہ اپنا دلی جوش نہ تھا، بلکہ ابراہیم عادل شاہ کی خوشامد تھی، چنانچہ اکثر مرثیون کے خاتمہ مین ابراہیم عادل شاہ کا نام اس طرح آتا ہے جس طرح قصائد مین تشبیب کے بعد گریز -

ایک بند کے خاتمہ کا شعر ہے ؎

سرکن ز روے صدق ظہوری رہ دعا	از گفتگو، دعاے شہنشاہ مدعا است

خود کہتا ہے کہ مرثیہ سے صرف بادشاہ کی دعا مقصود ہے -

ایک اور مرثیہ کا خاتمہ ہے ؎

ایام از ان بہ کام حسینؑ و حسن نبود	کان روز شہریار سریر دکن نبود

ایک اور موقع پر فرماتے ہین ؎

روزے کہ سرورِ شہدا بے سپاہ بود	ہنگام کارزار براہیم شاہ بود

"اس خوشامد کا کیا ٹھکانا ہے کہ حسین علیہ السلام کی ناکامیابی کی یہ وجہ تھی کہ اس زمانہ مین بادشاہ دکن موجود نہ تھا۔

محتشم کے بعد مقبل نے مرثیہ گوئی کی طرف خاص توجہ کی، اسنے مرثیہ ہی کو شاعری کا موضوع قرار دیا، نہایت کثرت سے مرثیے لکھے، اور بڑا کام یہ کیا کہ کربلا کے تمام واقعات، ابتدائے سفر سے لیکر اہل حرم کے قید ہونے، اور رہائی پاکر مدینہ مین آنے تک، سادہ طریقہ پر لیکن تفصیل کے ساتھ، ان مرثیون مین ادا کردیے، اُس کے مرثیون کو مرثیہ کی بہ نسبت تاریخ کہنا زیادہ موزون ہے، اس غرض کے لئے اس نے ترکیب بند وغیرہ چھوڑکر مثنوی کا طریقہ اختیار کیا، اور مثنوی مین بھی قدیم معمولی بحرین اختیار نہین کین، بلکہ قصائد کی بحر انتخاب کی، تاکہ ہر قسم کے مطالب بھی تفصیل کے ساتھ بیان ہوسکین، اور سوز خوانی کے کام بھی آئین، کیونکہ مثنوی کی مروجہ بحرون مین سوز خوانی کے اُتار چڑھاؤ کی کھپت نہین ہوسکتی تھی۔

مقبل کے مرثیون مین اگرچہ وہ زور اور بندش کی چستی نہین ہے، جو اس دور کا خاصہ ہے، لیکن درد اور تاثیر سے خالی نہین، نمونہ کے لئے ہم صرف چند شعر لکھتے ہین ؎

مخدرات پہ عباس در سخن بودند	برائے رفتن او در گریستن بودند
کہ از درونِ سراپردہ با فغان و خروش	سکینہ آمد و یک مشک خالی بر دوش
دوان بخدمت عمِ بزرگوار آورد	چنان کہ اہل حرم را بزار زار آورد
بگریہ گفت کہ اے عمِ خوش قرینۂ من	رسید جان بلب از تشنگی ز سینۂ من
چہ واقع است کہ رحمے بخلق دوران نیست	چہ شد کہ جرعہ آبے درین بیابان نیست
چو دید حضرت عباس بے قراریِ او	گسیخت بند دلش از فغان و زاریِ او

مقبل کے بعد ایران مین مرثیہ گویون کا ایک خاص گروہ پیدا ہوگیا، اور مرثیہ کے اور بہت سے اقسام پیدا ہو گئے،، مثلاً نوحہ، پیش خوانی وغیرہ،،

ہندوستان مین مرثیہ گوئی کی ابتدا

ہندوستان مین شاعری کی ابتدا ولی سے ہوئی، ولی نے اگرچہ کربلا کے حالات مین ایک خاص مثنوی لکھی لیکن اسکے کلام مین مرثیہ کا پتہ نہین لگتا، یہ معلوم نہین کہ مرثیہ کی ابتدا کس نے کی، لیکن اسقدر یقینی ہے کہ سودا اور میر سے پہلے مرثیہ کا رواج ہو چکا تھا، سودا نے اپنے شہر آشوب مین میان مسکین مرثیہ گو کا ذکر کیا ہے

اسقاطِ حمل ہو تو کہین مرثیہ ایسا	پھر کوئی نہ پوچھے میان مسکین کہان ہے

میر تقی صاحب کے دیوان مین اگرچہ کوئی مرثیہ نہین، لیکن مرثیہ انھون نے بھی کہا ہے، اُنکے ایک مرثیہ کا رد مرزا سودا نے لکھا ہے، جسکے چند شعر یہ ہین،

دلون پر محبون کے حالت عجب ہے	مصیبت ہے، ماتم ہے غم ہے تعب ہے
غرض کیا کہون کس روش کا غضب ہے	حسین علیؑ کی شہادت کی شب ہے
کوئی دل نہین جس کو ماتم نہو گا	وہ دل دیر ہے جس مین یہ غم نہو گا
یہ دن کچھ قیامت سے بھی کم نہو گا	قیامت مین یہ کچھ نہو گا جواب ہے
بجا ہے کہ لوہو کے دریا بہائے	یہ کشتی فلک کی لہو مین ڈبائے
شہ تشنہ لب کا کسے غم سنائے	یہ کس منہ سے کہیئے کہ وہ تشنہ لب ہے

اسوقت تک مرثیے عموماً چومصرع ہوتے تھے، غالباً سب سے پہلے سودا نے مسدس لکھا جو اُن کے دیوان مین موجود ہے، اُردو مین مرثیہ کی وسعت اور ترقی کا یہ پہلا قدم تھا، کیونکہ چومصرع مین اول سے آخر تک ایک خاص قافیہ کی پابندی کی وجہ سے ہر قسم کے مطالب نہین ادا کیے جا سکتے تھے، میر انیس کے اس مصرع سے ع پانچوین پشت ہے شبیرؑ کی مداحی مین، ثابت ہوتا ہے کہ میر ضاحک حسن

سے نے جو میر انیس کے پردادا اور سودا کے معاصر تھے، اور میر حسن اُنکے بیٹے نے بھی مرثیہ لکھا ہے، لیکن ضاحک کا کلام تو سرے سے مفقود ہے میر حسن کا دیوان مدت ہوئی مین نے دیکھا تھا، یاد نہین آتا کہ اس مین مرثیہ بھی ہے یا نہین۔

یہ امر تعجب سے خالی نہین کہ میر تقی، اور مرزا سودا جیسے قادر الکلام نے بھی مرثیہ کو چندان ترقی نہین دی، اور میر ضمیر تک یہ فن گویا ابتدائی ہی حالت مین رہا، چنانچہ سودا کے مسدس کا ایک بند ہم نقل کرتے ہین، جس سے اس زمانہ کی مرثیہ گوئی کا اندازہ ہوگا، ~~

کس سے اے چرخ کہون جا کے تری بیدادی
ہاتھ سے کون نہین آج تیرے فریادی
جو ہے دنیا مین سو کہتا ہے مجھے ایذا دی
یان تلک پہونچی ہے ملعون تیری بیدادی
کون فرزند علی پر یہ ستم کرتا ہے
کیون مکافات سے اسکے تو نہین ڈرتا ہے

خویش و فرزند و عزیز اسکے تھے جتنے پیارے
اہل بیت اُسکے جو باقی رہین سو ہین آوارے
دشنہ و تیغ سے، تھین ظالمون کے سب مارے
قید مین کوفیون کے جاتے ہین وہ بیچارے
نہ اُنھین چین ہے دن کو نہ اُنھین رات آرام
اس مصیبت مین چلے جاتے ہین کربل سے شام

شاید یہ خیال ہو کہ اسوقت تک شعرا مرثیہ کو محض ایک مذہبی فرض سمجھتے تھے اور اس وجہ سے شاعرانہ طبّاعی اور زور آزمائی سے اجتناب کرتے تھے ان کا مقصد صرف رونا رُلانا ہوتا تھا جس کو شاعری سے تعلق نہین، لیکن یہ خیال صحیح نہین، مرزا سودا، میر تقی کے مرثیہ کی رد کی تمہید مین لکھتے ہین،

"لیکن مشکل ترینِ دقائق، طریقہ مرثیہ کا معلوم کیا، کہ مضمونِ واحد کو ہزار رنگ مین ربط معنی دیا، اس کام مین مختتم سا کسو نے عز قبول نہین پایا، پس لازم ہے کہ مرتبہ در نظر رکھہ کر مرثیہ کہے نہ کہ برائے گریہ عوام اپنے تئین ماخوذ کرے

اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ مرزا مرثیہ کو مشکل ترین فنون سمجھتے تھے، اور اس کا مقصد محض گریۂ عوام نہین قرار دیتے تھے،

غرض اس زمانہ مین جو کچھ ترقی ہوئی وہ صرف اسقدر تھی کہ مرثیے چومصرع سے مسدس ہو گئے، سب سے پہلے جس شخص نے مرثیہ کو موجودہ طرز کا خاصت پہنایا، وہ میر ضمیر، مرزا دبیر کے اُستاد ہین، میر ضمیر کے مرثیے چھپ کر شائع ہو چکے ہین، انہون نے مرثیہ مین جو جدتین پیدا کین حسب ذیل ہین -

میر ضمیر

۱، رزمیہ لکھا،

۲، سراپا ایجاد کیا،

۳، گھوڑے - تلوار اور اسلحۂ جنگ کے الگ الگ اوصاف لکھے، اور یہی مضامین آج موجودہ مرثیون کے مہمات موضوع ہین -

۴، واقعہ نگاری کی بنیاد ڈالی، چنانچہ ایک ایک جزئی واقعہ کو تفصیل کے ساتھ لکھا -

۵، سب سے بڑھکر یہ کہ کلام مین زور، اور بندش مین چستی اور صفائی پیدا کی، غلط الفاظ جو مرثیون کے لیے گویا جائز مان لیے گئے تھے اکثر ترک کر دیے - اُن کے عمدہ کلام کا اگر انتخاب کیا جائے، تو میر انیس کا کلام معلوم ہوگا اب سے پہلے مرثیہ سوز کے لہجے مین پڑھے جاتے تھے، اب تحت لفظ کا بھی رواج ہوا اور غالباً پہلا شخص جسنے ممبر پر بیٹھکر تحت لفظ پڑھا میر ضمیر صاحب تھے نئی تشبیہات - لطیف استعارے - مبالغہ - واقعہ نگاری - مناظر قدرت کی تصویر - غرض میر انیس اور مرزا دبیر کے کلام کے جس قدر محاسن ہین، ضمیر کے ہان سب پائے جاتے ہین - یہ ضرور ہے کہ میر ضمیر کے ہان ان کا رنگ ہلکا تھا، ان دونون صاحبون نے شوخ کر دیا - میر ضمیر کے ہر نمونہ کے چند اشعار ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین -

روزمرہ اور صفا

جا کے میدان مین کس طرح یہ محبوب لڑے
یہ تو کہئے کہ غلام آپ کے کچھ خوب لڑے

ایضاً

چاہتا تھا کہ کرون ضبط یہ چُپ رہتا تھا
پوچھو اکبر سے مین ہر بات پہ کیا کہتا تھا

چیر کر فوج کو اس پار سے اُس پار گئے
مین نے خود دیکھا کہ دریا پہ کئی بار گئے

واقعہ نگاری

پانی تو پی نہین حیدر کے نواسے آئے
بولے عباس کہ پیاسے سگئے پیاسے آئے

قریب جاتے ہی ہندہ نے اٹھا تھا ہات
کہا سلام علیک اے ضعیفۂ نیک صفات

وہان سے لائے اٹھا کر تو پھر کہی یہ بات
سمجھ مین کچھ نہین آتے ہین آپکے حالات

وہ روشنی مین بغور اُنکے مُنہ کو تکتی تھی
اگرچہ قصد تھا ۔ پر کچھ وہ نہ کہہ سکتی تھی

کہا یہ ہندہ نے کچھ مین نے تم کو پہچانا
کہین ہے شہر مدینہ مین ظاہرا دیکھا

محلہ ہے وہان مشہور آل ہاشم کا
ہمیشہ آمد و شد تھی غرض مری اُس جا

ضرور دیکھا ہے آل عقیل و جعفر مین
و یا جناب رسالتمآب کے گھر مین

سو اس کلام سے مطلب ہے یہ خدا ہے گواہ
جناب فاطمہ کے گھر مین سب تھین کچھ راہ

خصوص زینب و کلثوم سے بھی ہوا آگاہ
ہین دونون بی بیان شہزادیان مری واللہ

وہ سب تو ایک طرف پر امام اچھے ہین
کہو حسین علیہ السلام اچھے ہین

تشبیہ

پنہان زرہ مین ہوتی تھی اس طرح سے سنان
بجلی چمک کے ہوتی ہے جون ابر مین نہان

اس نیزۂ سیاہ سے تھا سب کو بیم جان
تھا اژدہا سے موسئ عمران کی وہ زبان

نیزہ کی یہی تشبیہ ہے جسکو میر انیس صاحب نے زیادہ لطیف، اور صاف کر دیا ہے چنانچہ کہتے ہین ع گویا زبان نکالی ہو اژدہا چلا، میر انیس نے ہی دو نیزون کے باہم ٹکرانیکا مضمون پیدا کیا اور اس لطف کو دوبالا کر دیا ع دو سانپ گتھ گئے تھے زبانین نکال کے،

حسن تعلیل

تھا دیدۂ حیران، ہر اک زخم بدن مین
انگشت تاسف تھی زبان سبکے دہن مین
میر ضمیر

مبالغہ

گھوڑا وہ تیز رو ہے کہ ناگاہ ایک بار
اتنا کہا تھا وہم نے ہان چل تو ایک بار

دونون نے ہم عنانی و سرعت کی اختیار ۔ آخر کہان وہ اور کہان وہم ہرزہ کار
کچھ کچھ تو ساتھہ ساتھہ وہ مقدور بھر گیا
پھر یہ خبر نہین کہ کہان تھا کدھر گیا

اسی زمانہ مین میر خلیق صاحب نے مرثیہ کے فن کو بہت ترقی دی، میر انیس صاحب اُن کے بیٹے جا بجا اپنے مرثیون مین اُنکی فصاحت اور روزمرّہ کا ذکر کرتے ہین ایک بند مین اپنے روزمرّہ پر ناز کرتے ہین، اور کہتے ہین ؏ حقا کہ یہ خلیق کی ہے سر بسر زبان، میر خلیق کے ایک سلام کا مطلع و مقطع مشہور ہے ؎

مجرائی طبع کُند ہے لطف بیان گیا ۔ دندان گئے کہ جوہر تیغ زبان گیا
گذری بہار عمر، خلیق اب کہین گے سب ۔ باغ جہان سے بلبل ہندوستان گیا

ان اشعار سے قیاس ہوتا ہے کہ میر خلیق نے میر ضمیر سے کچھ کم اس فن پر احسان نہین کیا ہوگا، لیکن افسوس ہے کہ اُن کا کلام نہین ملتا، میر نواب صاحب نامی ایک بزرگ نے جو میر خلیق کے بہ یک واسطہ شاگرد تھے، سنہ ۱۲۹۷ھ مین بمقام گلبرگہ، حیدرآباد دکن، ایک مجموعہ چھاپا تھا جس مین میر خلیق ۔ مونس ۔ اور انیس کے چند مرثیے جمع کیے تھے، اس مین میر خلیق کے متعدد مرثیے ہین ۔ لیکن اکثر وہ ہین، جو آج میر انیس کے نام سے مشہور ہین اور جو میر انیس کے چھپے ہوے مرثیون مین شامل ہین، بعض ایسے ہین جو مطبوعہ مرثیون مین شامل نہین، لیکن زبان، اور طرز ادا سے قیاس ہوتا ہے، کہ میر انیس ہی کے نتایج فکر ہین، اور اگر وہ واقعی میر خلیق کا کلام ہے، تو بیٹے کو باپ پر ترجیح کی کوئی وجہ نہین ۔

چند نمونے ملاحظہ ہون ؎

مرتا ہے باپ، اے علی اکبر ابھی نہ جا ۔ دل مانتا نہین مرے دلبر ابھی نہ جا
اے لال اسوے نیزہ و خنجر ابھی نہ جا ۔ ہے ہے بجا شبیہ پیمبر ابھی نہ جا
مضطر ہون چین آے پہ آتا نہین مجھے

روتے ہین منہ ترا نظر آتا نہین مجھے

ماتھے کو چومتے تھے کبھی، اور دہن کبھی	تکتے تھے سوے زلفِ شکن در شکن کبھی
روتے تھے لیکے بوسۂ سیبِ ذقن کبھی	یوسف کا اپنے سونگھتے تھے پیرہن کبھی

ملتے تھے خشک ہونٹھ لب گلعذار سے
سینہ پہ رکھتے تھے کبھی منہ اپنا پیار سے

نوجوان کا ہجوم

پیاسے پہ مثل ابر اُمنڈ آئے دل کے دل	شعلے صفت چمکنے لگے برچھیون کے پھل
چلون مین تیر رکھکے بڑھے روم و رے کے یل	تیغین اُبلی ہوئین جو میین، ہٹ گئی اجل

دن کو سیاہیِ شبِ ظلمات ہو گئی
کھولے نشان شامیون نے، رات ہو گئی

تلوار

موجین زرہ، حباب ہین سر اسکے سامنے	شق ہین بہادرون کے جگر اسکے سامنے
رکھتی ہے کیا بساط سپر اس کے سامنے	تنکے ہین جبرئیل کے پر اس کے سامنے

مارین کمر کا ہاتھ اگر پاؤن گاڑ کے
دو ٹکڑے آسیا کی طرح ہون پہاڑ کے

فوج کی بدحواسی

حیران تھے کب حسام سے کاٹھی جدا ہوئی	ترکش مین ڈھونڈتے تھے کہ تلوار کیا ہوئی

میر انیس

میر انیس تقریباً ۱۲۱۸ھ مین پیدا ہوئے، انہون نے مرثیہ کو جو ترقی دی، اسکی تفصیل آگے آئیگی یہان جو باتین کہنے کے قابل ہین، یہ ہین۔

۱، میر انیس کا خاندان دِلی کا خاندان تھا، اگرچہ اُنکے پردادا میر ضاحک، دِلّی سے چلے آئے تھے، اور فیض آباد مین سکونت اختیار کر لی تھی، تاہم دہلی کی جو خصوصیات تھین وہ اخیر تک اس خاندان مین قائم رہین، میر انیس اکثر موقعون پر نازسے کے لہجہ مین کہتے تھے، صاحبو! ارباب لکھنؤ اس طرح نہین بولتے، یہ میرے گھر کی زبان ہے"

اسی بناپر جا بجا جگہ کو "جا گہہ" لکھا ہے، اور یہ صرف تحریری زبان نہیں، وہ یون ہی بولتے بھی تھے،
مین نے اپنے معزز دوستون سے، جو میر صاحب کی صحبتون مین، اکثر شریک رہا کیے ہین، سُنا ہے کہ جب
کبھی اُن کی مجلس مین لوگ صفِ نعال مین اگر بیٹھ جاتے تھے، تو فرماتے تھے اصاحبو! جاگہہ ادہر ہے،،
افعال کو فاعل کی مطابقت سے جمع لکھنا بھی دہلی ہی کا اثر ہے مثلاً ع جلدی مین گوجوانون نے چہ مین بچایان
۲، میر صاحب نے شاعری میراث مین پائی تھی، اُنکے مرثیہ کے جو خاص جوہر ہین وہ میراث ہی کی
یادگار ہین، اُن کے دادا میر حسن گو غزل بھی کہتے تھے لیکن جس چیز نے اُن کو عالم شہرت کا تاجدار بنایا، وہ
اُن کی مثنوی بدرِ منیر ہے" اس مثنوی کا خاص وصف، واقعات، اور کیفیات کا سین دکھانا ہے - وہ جس
واقعہ یا حالت کو لکھتے ہین اسکا سمان باندہ دیتے ہین -

میر انیس کے مرثیون مین واقعات، اور کیفیات کی تصویر کھینچ دینے کی جو خصوصیت ہے، دادا کی میراث
ہے - البتہ یہ فرق ہے، کہ میر حسن، واقعہ نگاری کی وسعت مین ابتذال، اور عامیانہ بول چال کی پروا نہین کرتے
میر انیس نے واقعہ نگاری اور مُصوّری کے ساتھ، بندش کی چستی، اور خواص کی طرزِ گفتگو کی خصوصیت بھی قائم رکھی
اور یہ قادر الکلامی کی انتہا ہے -

۳، میر حسن صاحب غزل گوئی مین اگرچہ سودا اور میر درد کے شاگرد تھے، لیکن سودا کا پرتو اُن پر نہین
پڑا صرف میر درد کا رنگ ہے، یعنی روزمرہ، صفائی، گھلاوٹ، اور درد، یہی باتین میر انیس صاحب کے ہان
بھی ہین، جو لوگ کہتے ہین، کہ میر انیس صرف بین لکھنا جانتے ہین، اس جھوٹ مین سچ بھی ہے، یعنی بین
رزم سے بہتر لکھتے ہین، یہ وہی خصوصیت ہے جو دادا سے ترکہ مین ملی ہے -

۴، میر انیس کی شاعری کے متعلق یہ مسئلہ نہایت مہتم بالشان مسئلہ ہے کہ مرزا دبیر کی رقابت، اور مقابلہ
نے اُن کے کلام پر کیا اثر پیدا کیے، اگر یہ پتہ لگ سکتا، کہ دونون حریفون مین سے، اول کس نے میدان شاعری
مین قدم رکھا اور خاص خاص مرثیے، بلکہ خاص خاص بند جو دونون کے ہان قریب المعنی پائے جاتے ہین،

اول کس نے کہے، تو شاعری کی تاریخ کے بہت سے دقیق نکتے حل ہو جاتے، لیکن افسوس ہے کہ باوجود بہت سی جدوجہد کے اس بارہ مین مجھکو کچھ کامیابی نہین ہوئی -

دونون حریفون کے مرثیون کو دیکھو، تو صاف نظر آتا ہے، کہ ایک نے دوسرے کے کلام کو سامنے رکھکر لکھا ہے، لیکن زمانہ کے تقدیم و تاخیر کے نہ معلوم ہونے سے یہ نہین متعین ہوتا کہ ایجاد کا فخر کس کو ہے، اور کس نے کس سے کیا اثر لیا ہے، میر انیس جابجا فخریہ شعرون مین اس بات کا اشارہ کرتے ہین کہ اُن کے حریف اُنکے کلام سے فائدہ اُٹھاتے ہین، مثلاً، ؎

لگا رہا ہون مضامین نو کے پھر انبار	خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینون کو
نواسنجیون نے تری اے انیس	ہر اک زاغ کو خوش بیان کر دیا
ملتی نہین دزد ان معانی سے نجات	سچ ہے کہ مگس سے کب شکر بچتی ہے

ان چوٹون کو مرزا دبیر صاحب برابر کا جواب نہین دیتے، یعنی یہ نہین کہتے کہ مین نہین، میرا حریف سرقہ کرتا ہے بلکہ صرف تبرّی کرتے ہین کہ مین اس جرم کا مرتکب نہین، چنانچہ فرماتے ہین ؎

شکر خدا کہ سرقہ کی حد سے بعید ہون	ہر مرثیہ مین موجد طرز جدید ہون
ہے استفادہ مجھکو احادیث دبیر سے	یعنی بری ہون سرقہ مضمون غیر سے

اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے، میر انیس، میرزا صاحب کے مقابلہ کا قصد نہین کرتے تھے، اور اُنکے مرثیون کا جواب لکھنا نہین چاہتے تھے ورنہ میرزا صاحب ضرور اسکا اشارہ کرتے۔ اسکے ساتھ جب بعض مرثیون سے صاف ثابت ہے، کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلہ پر لکھے گئے ہین، تو خواہ مخواہ ماننا پڑتا ہے کہ مقابلہ، اور ہم طرحی و مسابقت کی کوشش، میرزا صاحب ہی کی طرف سے ہوتی تھی، میر انیس نے اسی کی طرف ایک موقع پر اشارہ کیا ہے - چنانچہ کہتے ہین ؎

بھلا تردّد بیجا سے اس مین کیا حاصل	اُٹھا چکے ہین زمین سند ار جمند مینون کو

جن مرثیون یا اشعار یا مضامین مین تقابل یا توارد ہے انکی تفصیل آگے آئیگی، اور وہان اس تمہیدی بحث کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

۵، میر انیس کا جو کلام موجود ہے ۵ جلدون مین شائع ہوا ہے، لیکن میر صاحب کے متوسلین کا خاص دعویٰ ہے، کہ ان مرثیون مین بہت کچھ تحریف، اور خلط ہوا ہے۔ مولوی عبد الغفور نساخ نے ایک رسالہ مرزا دبیر، اور میر انیس کے اغلاط کے متعلق لکھا تھا اس کا جواب میرزا محمد رضا متخلص بہ معجز، شاگرد ناسخ نے لکھا جس کا نام تطہیر الاوساخ ہے، اور جو ۱۲۹۶ھ مین مشعلہ طور کان پور مین چھپا تھا، اس کے دیباچہ مین میرزا رضا صاحب لکھتے ہین۔

"ثانیاً یہ بات بھی کالنار علی العلم ہے کہ اکثر تلامذہ میر صاحب و مرزا دبیر صاحب نے بہ لحاظ اپنے پڑھنے کے اکثر تصرفات بہ تغیر و تبدل الفاظ و مصرعہ و بند کے کیے ہین، بہ نظر اختصار کسی مرثیہ کے کچھ بند نکال ڈالے اور کہین درمیان مرثیہ مین کوئی مطلع یا بند ایجاد کر کے الحاق کیا تاکہ وہین سے پڑھنا شروع کرین کہین بغرض بکا و ابکا، مضامین مبکیہ موزون کر کے شامل مرثیہ کیے، کہین الفاظ مین موافق اپنے فہم و سلیقہ کے کمی و بیشی کی، یا مشتاقین نے جو مرثیہ جدید زبان سے ان صاحبون کی مجلس مین سنا خفیہ تحریر کیا، اور جو الفاظ یا مصرع بہ سبب عجلت تحریر یا عدم سماعت کے رہ گئے، اُس کی تکمیل بطور خود کی، اس باعث سے کہ نقل مرثیہ جدید و بو تصنیف کا دستیاب ہونا شاعرین سے غیر ممکن تھا، پس جو کچھ کہ مرثیہ اُن کے تلامذہ کے پاس ہین، اُن مین اکثر کا اصل نہین ہین، تغیر و تبدل و اضافہ و نقصان اُن مین بہت ہے، اور انہین مرثیون کی نقل وہ مرثیے ہین، جو مطبوع ہوئے ہین پس مراثی مطبوعہ من قبیل بنار الفاسد علی الفاسد ہین"

اس بنا پر میرزا رضا صاحب نے میر نفیس صاحب سے جو میر انیس کے فرزند رشید تھے مطبوعہ مرثیون کی تصحیح کی جس کا نتیجہ حسب ذیل ہے۔

یہ مرثیہ ۶ "اے تیغ زبان جوہر تقریر دکھا دے" اس مصرعہ تک، "ملنے لگے آنکھین قدم سرور دین پر"،

میر صاحب کا کلام ہے، باقی ۴۵ سے لیکر ۵۵ تک، اور مقطع کے دو اول مصرعے سب الحاق ہین۔

یہ مرثیہ ع دشتِ وغا مین نور خدا کا ظہور ہے، ستر بند تک یعنی اس ٹیپ تک مصرع

چھاتی کے پار نیزہ کی نوکین نکل گیئن، میر صاحب کا کلام ہے، باقی الحاق ہے، یہ شعر

”بیٹون گلے سے مین پدر ناتوان کے		سینہ سے تو سرک تو میرے بابا جان کے“

الحاق ہے۔

میرزا رضا صاحب نے اور بہت سے اعتراضات کے جواب مین جو خاص خاص الفاظ یا ترا کیب

اُن الفاظ اور تراکیب سے انکار کیا ہے، اور کہا ہے کہ اصل مرثیہ مین یون نہین، یون ہے چونکہ اس

الفاظ نہایت کثرت سے تھے، اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہین۔ ناظرین چاہین تو اصل رسالہ کو ملا

ہم کو اس سے انکار نہین کہ مطبوعہ مرثیے نہایت غلط چھپے ہین، لیکن میرزا رضا صاحب نے

غضب کیا ہے کہ جہان کوئی لفظ محاورۂ حال کے خلاف نظر آیا، اس کے وجود سے انکار کر دیا، حالانکہ

صحیح نہین۔ میر انیس نے بہتر برس کی عمر پائی، اُنکی ابتدا مشق مین، قدیم محاورے اور غلط الفاظ نہایت کثر

متداول تھے، اور شعرا بے تکلف ان کو استعمال کرتے تھے، شیخ ناسخ نے البتہ اس قسم کے تمام الفاظ

کر دیا تھا، لیکن جو لوگ اپنے تئین، دلی کی طرف منسوب کرتے تھے، وہ ان الفاظ اور محاورات کو وطن

سمجھتے تھے، چنانچہ غالب و ذوق جو خاتم الشعرا ہین ان کے ہان وہ الفاظ بے تکلف ملتے ہین جنہ

مدتون سے چھوڑ چکے تھے مثلاً میرزا غالب فرماتے ہین۔

ع ستمکش مصلحت سے ہون کہ خوبان تجھپہ عاشق ہین۔

حالانکہ اس قسم کی جمع، ایک مدت سے متروک ہے، اس قسم کے الفاظ میر انیس کے ہان بھی ہین،

ہین، لیکن وہ ابتدائی مشق کے ہین، ورنہ شیخ ناسخ کے اثر، یا خود مذاق کے بدلنے سے جس قدر زمانہ

میر صاحب، قدیم مخصوص الفاظ اور تراکیب چھوڑتے گئے۔

میر انیس کی شاعری کی خصوصیات

اب ہم تفصیل کے ساتھ میر صاحب کی شاعری کی خصوصیات بیان کرتے ہین -

فصاحت

فصاحت۔ علماے ادب نے فصاحت کی یہ تعریف کی ہے کہ لفظ مین جو حروف آئین، اُن مین تنافر نہو، الفاظ نامانوس نہون، قواعد صرفی کے خلاف نہو،،

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ درحقیقت ایک قسم کی آواز ہے، اور چونکہ آوازین بعض شیرین، دلاویز اور لطیف ہوتی ہین مثلاً طوطے وبلبل کی آواز اور بعض مکروہ وناگوار مثلاً کوے اور گدھے کی آواز، اس بنا پر الفاظ بھی دو قسم کے ہوتے ہین بعض شستہ سُبک، شیرین اور بعض ثقیل بھدے، ناگوار، پہلی قسم کے الفاظ کو فصیح کہتے ہین، اور دوسرے کو غیر فصیح، بعض الفاظ ایسے ہوتے ہین کہ فی نفسہ ثقیل اور مکروہ نہین ہوتے لیکن تحریر وتقریر مین اُن کا استعمال نہین ہوا ہے یا بہت کم ہوا ہے، اس قسم کے الفاظ بھی جب ابتداءً استعمال کیے جاتے ہین تو کانون کو ناگوار معلوم ہوتے ہین، اُن کو فن بلاغت کی اصطلاح مین **غریب** کہتے ہین، اور اس قسم کے الفاظ بھی فصاحت مین خلل انداز خیال کیے جاتے ہین۔

میر انیس کے کمال شاعری کا بڑا جوہر یہ ہے کہ باوجود اسکے کہ انھون نے اُردو شعرا مین سے سب سے زیادہ الفاظ استعمال کیے اور سیکڑون مختلف واقعات، بیان کرنے کی وجہ سے، ہر قسم اور ہر درجہ کے الفاظ اُنکو استعمال کرنے پڑے، تاہم ان کے تمام کلام مین غیر فصیح الفاظ نہایت کم پاے جاتے ہین۔ اکثر جگہ عربی فارسی کے الفاظ جو اُردو زبان مین کم مستعمل ہین، ضرورت سے لانے پڑے ہین لیکن اس قسم کے الفاظ جہان آے ہین، فارسی ترکیبون کے ساتھ آے ہین جس سے ان کی غرابت کم ہوگئی ہے، ورنہ اگر اُردو کی خاص ترکیب مین اُن الفاظ کا استعمال کیا جاتا تو بالکل خلاف فصاحت ہوتا۔ مثلاً انگشتری، خاتم، رُخ، بادہ، ثنا، حسن، اور اس

قسم کے سیکڑون ہزارون الفاظ ہین، جو بجاے خود فصیح ہین لیکن ٹھیٹ اُردو مین ان کا استعمال نہین ہوتا۔ میر ضمیر
ایک موقع پر کہتے ہین ع ذرّیت رسول کی خاطر جلائی نار نار کا لفظ اس موقع پر نہایت نامانوس اور بیگانہ ہے،
لیکن یہی لفظ جب فارسی ترکیبون کے ساتھ اُردو مین مستعمل ہوتا ہے، مثلاً نار دوزخ، نار جہنم، تو وہ غرابت نہین رہتی۔
فصاحت کے مدارج مین اختلاف ہے، بعض الفاظ فصیح ہین، بعض فصیح تر بعض اُس سے بھی فصیح تر،
میر انیس صاحب کے کلام کا بڑا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہر موقع پر فصیح سے فصیح الفاظ ڈہونڈہ کر لاتے ہین۔ میرزا دبیر
اور میر انیس کے ہم مضمون اشعار لو، اگر میرزا صاحب کے ہان غریب اور ثقیل الفاظ ہونگے تو اُنکے مقابلہ مین میر صاحب
کے ہان فصیح الفاظ ہونگے اور اگر میرزا صاحب کے ہان فصیح الفاظ ہونگے تو میر صاحب کے ہان فصیح تر ہونگے
میرزا دبیر کی تخصیص نہین، تمام مرثیہ گویون کے مقابلہ مین میر انیس کے کلام کا یہی حال ہے
ہم مثال کے طور پر دو چار شعر نقل کرتے ہین۔ جن سے فصاحت اور فصاحت کے اختلاف مراتب کا اندازہ ہو سکے گا

میرزا دبیر	ع	کس نے نہ دی انگوٹھی رکوع و سجود مین
میر انیس	ع	سائل کو کس نے دی ہے انگوٹھی نماز مین
میرزا دبیر	ع	آنکھون مین پھرے اور نہ مردم کو خبر ہو
میر انیس	ع	آنکھون مین یون پھرے کہ مژہ کو خبر نہو
میرزا دبیر	ع	رویا مین بھی حسین کو رویا ہی کرتے ہین
میر انیس	ع	حسرت ہے کہ خواب مین بھی رویا کیجیے
میرزا دبیر	ع	جیسے مکان سے زلزلہ مین صاحب مکان
میر انیس	ع	جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے

ابتذال — **فصاحت** کے متعلق ایک بڑا دھوکا یہ ہوتا ہے کہ چونکہ فصاحت کے یہ معنی ہین کہ لفظ سادہ، آسان،
کثیر الاستعمال ہو، اسلئے لوگ مبتذل اور سوقی الفاظ کو بھی فصیح سمجھ لیتے ہین، حالانکہ ان دونون مین سفید و سیاہ کا فرق

ہے، میرزا دبیر صاحب جہان واقعہ نگاری اور معاملہ بندی مین میر انیس کی تقلید کرتے ہین، اکثر اُن کے کلام مین مبتذل الفاظ آجاتے ہین۔

مثلاً جہان حضرت شہربانو نے حضرت عباس کی لاش پر نوحہ کیا ہے، شہربانو کی زبان سے فرماتے ہین ع ہے ہے ہے میرے دیور میرے دیور میرے دیور، ایک اور جگہہ فرماتے ہین ع ناڑہ تو انکی سالگرہ کا نکال لا،

ابتذال کی صاف اور بین مثال، نظیر اکبر آبادی کا کلام ہے اگر یہ عیب نہوتا تو سادگی اور صفائی مین نظیر کا کلام میر انیس یا میر تقی سے ٹکر کھاتا۔

ابتذال کے معنی عام طور پر یہ سمجھے جاتے ہین کہ جو الفاظ عام لوگ استعمال کرتے ہین وہ مبتذل ہین۔ لیکن یہ صحیح نہین، سیکڑون الفاظ عوام کے مخصوص الفاظ ہین لیکن سب مین ابتذال نہین پایا جاتا، ابتذال کا معیار مذاقِ صحیح کے سوا اور کوئی چیز نہین، مذاق صحیح خود بتا دیتا ہے کہ یہ لفظ مبتذل، پست اور سوقیانہ ہے۔

میر صاحب کو اگرچہ واقعہ نگاری کی وجہ سے نہایت چھوٹی چھوٹی چیزون اور ہر قسم کی جزئی جزئی واقعات اور حالات کو بیان کرنا پڑتا ہے، لیکن یہ اُنکی انتہا درجہ کی قادر الکلامی ہے کہ پھر بھی اُن کی شاعری کے دامن پر، ابتذال کا دھبتہ نہین آنے پاتا۔

کلام کی فصاحت یہ بحث مفرد الفاظ سے، متعلق تھی، لیکن کلام کی فصاحت مین صرف لفظ کا فصیح ہونا کافی نہین، بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ جن الفاظ کے ساتھہ وہ ترکیب مین آئے اُن کی ساخت ہیئت، نشست سبکی اور گرانی کے ساتھہ اُس کو خاص تناسب اور توازن ہو، ورنہ فصاحت قائم نہ رہیگی۔ قرآن مجید مین ہے، ما کذاب الفواد ما رای۔ فواد اور قلب دو ہم معنی الفاظ ہین، اور دونون فصیح ہین، لیکن اگر اس آیت مین فواد کے بجائے قلب کا لفظ آئے تو خود بھی لفظ غیر فصیح ہوجائیگا، جس کی وجہ یہ ہے کہ گو قلب کا لفظ بجائے خود فصیح ہے لیکن ماقبل اور مابعد کے جو الفاظ ہین اُنکی آواز کا تناسب، قلب کے لفظ کے ساتھہ نہین ہے۔

میر انیس کا مصرعہ ہے ع فرمایا آدمی ہے کہ صحرا کا جانور، صحرا اور جنگل ہم معنی ہین اور دونون فصیح ہین،

میر انیس نے جابجا ان دونون لفظون کو استعمال کیا ہے اور ہم معنی ہونے کی حیثیت سے کیا ہے لیکن اگر اس مصرعہ مین صحرا کے بجاے جنگل کا لفظ استعمال کیا جاے تو یہی لفظ غیر فصیح ہو جاے گا میر صاحب کا ایک شعر ہے ؎

طائر ہوا مین مست، ہرن سبزہ زار مین
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار مین

یہان جنگل کے بجاے صحرا لاؤ تو مصرعہ کا مصرعہ پھس پھسا ہو جاتا ہے۔

شبنم اور اوس ہم معنی ہین اور برابر درجہ کے فصیح ہین۔ لیکن میر صاحب کے اس شعر مین ؎

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیون سے دامن صحرا بھرا ہوا

اگر اوس کے بجاے شبنم کا لفظ لایا جاوے تو فصاحت خاک مین مل جائیگی لیکن یہی اوس کا لفظ جو اس موقع پر اس قدر فصیح ہے اس مصرعہ مین ع شبنم نے بھر دئے تھے کٹورے گلاب کے۔

شبنم کے بجاے لاؤ تو فصاحت بالکل ہوا ہو جائیگی۔

اس مین نکتہ یہ ہے کہ ہر لفظ چونکہ ایک قسم کا سُر ہے اسلئے یہ ضرور ہے کہ جن الفاظ کے سلسلہ مین وہ ترکیب دیا جاے، اُن آوازون سے اسکو خاص تناسب بھی ہو ورنہ گویا دو مخالف سُرون کو ترکیب دینا ہوگا۔ نغمہ اور راگ مفرد آوازون یا سُرون کا نام ہے، ہر سُر بجاے خود دلکش اور دلاویز ہے لیکن اگر دو مخالف سُرون کو باہم ترکیب دیدیا جاے تو دونون مکروہ ہو جائینگے

راگ کے دلکش اور موثر ہونیکا گُر یہی ہے کہ جن سُرون سے اسکی ترکیب ہوئی ہین نہایت تناسب اور توازن ہو۔

الفاظ بھی چونکہ ایک قسم کی صوت اور سُر ہین اس لئے اُن کی لطافت، شیرینی اور روانی اسی وقت تک قائم رہتی ہے جب گرد و پیش کے الفاظ بھی جن سے گھرے ہین اُنکے مناسب ہون۔

میرزا دبیر صاحب کا مشہور مصرعہ ہے، ع زیر قدم والدہ فردوس برین ہے۔ اس مین جتنے الفاظ ہین یعنی زیر۔ قدم۔ والدہ۔ فردوس۔ برین۔ سب بجاے خود فصیح ہین، لیکن اُنکے باہم ترکیب دینے سے جو مصرعہ

پیدا ہوا ہے وہ اس قدر بھدا اور گران ہے کہ زبان اسکا تحمل نہین کرسکتی، شاید تم کو خیال ہو کہ مصرعہ کی ترکیب چونکہ فارسی ہو گئی ہے، اس لیئے ثقل پیدا ہو گیا ہے لیکن یہ صحیح نہین، سیکڑون شعرون مین اس قسم کی فارسی ترکیبین ہین، لیکن یہ ثقل نہین پایا جاتا - مثلاً میر انیس صاحب کہتے ہین ؎

مین ہون سروار شباب چمنِ خلد برین	مین ہون خالق کی قسم دوشِ محمد کا مکین

پہلے مصرعہ مین فارسی ترکیب کے علاوہ توالیِ اضافات بھی موجود ہے، لیکن یہ بھدا پن اور ثقل نہین ہے -

جب کسی مصرعہ یا شعر کے تمام الفاظ مین ایک خاص قسم کا تناسب، توازن اور توافق پایا جاتا ہے، اس کے ساتھ وہ تمام الفاظ بجاے خود بھی فصیح ہوتے ہین تو وہ پورا مصرعہ یا شعر فصیح کہا جاتا ہے، اور یہی چیز ہے جسکو بندش کی صفائی، نشست کی خوبی، ترکیب کی دلآویزی، برجستگی، سلاست اور روانی سے تعبیر کرتے ہین - یہی چیز ہے جسکی نسبت خواجہ حافظ فرماتے ہین ؎

آن راکہ خوانی اُستاد گر بنگری بتحقیق	صنعت گر است اما شعر روان ندارد

الفاظ کے توازن و تناسب سے کلام مین جو فرق پیدا ہو جاتا ہے وہ ایک خاص مثال مین آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہے - میر انیس حضرت علی اکبر کے اذان دینے کی تعریف ایک موقع پر اس طرح کرتے ہین ع

تھا بلبلِ حق گو کہ چہکتا تھا چمن مین

اسی مضمون کو میر صاحب دوسرے موقع پر اسطرح ادا کرتے ہین ع

بلبل چہک رہا تھا ریاض رسول مین

وہی مضمون ہے وہی الفاظ ہین، لیکن ترکیب کی ساخت نے دونون شعرون مین کس قدر فرق پیدا کر دیا ہے -

میر انیس کا تمام کلام اس خوبی سے معمور ہے اور اُن کا ہر شعر اس وصف کا مصداق ہے، نمونے کے طور

پر ہم چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین ؎

تعریف مین چشمہ کو سمندر سے ملا دون | قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملا دون
ذرے کی چمک مہر منور سے ملا دون | کانٹون کو نزاکت مین گل تر سے ملا دون

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھون
اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھون

برہم ہوئے یہ سنتے ہی عباس خوش خصال | ولہ | غازی کو شیر حق کی طرح آ گیا جلال
قبضہ پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا علی کا لال | اب یان سے ہمکو کوئی ہٹا دے یہ کیا مجال

حملہ کرین چڑھا کے اگر آستین کو
ہم آسمان سمیت، اُلٹ دین زمین کو

تھا فوج قاہرہ مین طلاطم کہ الحذر | تھین موج کی طرح سب اُدھر کی صفین اِدھر
چکر مین تھی سپاہ کہ گردش مین تھا بھنور | پانی مین تھے نہنگ اُبھرتے نہ تھے مگر

فوجین فقط نہ بھاگ گئی تھین منہ موڑ موڑ کے
دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارے کو چھوڑ کے

چھایا تھا سب پہ رعب علمدار نوجوان | تسلیم کو جھکے ہوئے تھے فوج کے نشان
گوشہ امان کا ڈھونڈتی تھی ہر اک کمان | ترکش بھی تھے [illegible]

تیرون کا بیگمان تھا ارادہ گریز کا
منہ کُند ہو گیا تھا ہر اک تیغ تیز کا

آگے چل کر کہتے ہین ؎

تب شمر نے کہا کہ نہ صاحب سے کیا حصول | نیت اُنھین تو صلح ہمین بھی، نہین قبول

غازی پکارا او نجس و مرتد و جہول
بھجو نہ منہ سے نام جگر گوشۂ رسولؐ

سمجھا ہے کیا امام عراق و حجاز کو
گدی سے کھینچ لونگا زبان دراز کو

تو کیا ہے اور کیا ہے تیرا وہ امیر شام
کرتے ہین بادشاہ کبین بیعت غلام

تو بھی نمک حرام ہے وہ بھی نمک حرام
او بے ادب یزید کجا! اور کجا امام!!

دوزخ سے دور رہتے ہین ساکن بہشت کے
کعبہ کبھی جھکا نہین آگے کنشت کے

ماتم ادہر تھا جشن مین تھے اہل شر ادھر
بجتے تھے شادیانۂ فتح و ظفر ادہر

ولہ

انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عمر ادھر
روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت ادہر ادہر

غل تھا کہ بس حسینؑ بہت روے بھائی کو
کوئی جوان ہو اور تو بھیجو لڑائی کو

باقی نہین کوئی تو وغا کو خود آئیے
حیدرؑ کی ذوالفقار کے جوہر دکھائیے

زخم سنان و خنجر و شمشیر کھائیے
گرمی بڑی ہے آج لہو مین نہائیے

آمادہ ہم تو ویسے بھی سرگرم ستیز ہین
تیغین بھی ہین انی ہولی خنجر بھی تیز ہین

صابر بڑے ہین آپ تو یا شاہ انس و جان
اک بھائی کے فراق مین یہ نالہ و فغان

رونے سے جی اٹھین گے نہ عباسؑ نوجوان
حضرت پکارتے ہین کسے بھائی کہان

ملتا ہے کب جہان مین بھلا جو گذر گیا
اب فکر اپنی کیجیے وہ شیر مر گیا

اکبر نے کی غضب کی نظر سوئے فوجِ شام — کانپے یہ غیظ سے کہ اُگلنے لگی حسام
کی عرض بات جوڑ کے اے قبلۂ انام — سُنتے ہین آپ لشکرِ اعدا کے یہ کلام

خون اب تو جوش کہاتا ہے ہنگام جنگ ہے،
مولا بس اب تو حوصلۂ صبر تنگ ہے

برچھا اِدہر شقی نے لیا دیکہہ بھال کے — ولہ — اکبر اُدہر سنبہل گئے بھالا سنبھال کے
روکے کسے جواب کے دے کہ ہر جبر سے — ولہ — بجلی کے ساتہہ ساتہہ کہان تک سپر پھرے
سب نشۂ غرورِ جوانی اُتر گیا — ولہ — تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُتر گیا

کلام کی اصلی ترتیب کا قائم رہنا۔ ترکیب الفاظ کے لحاظ سے شعر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ کلام کے اجزا کی جو اصلی ترتیب ہے وہ بحال خود قائم رہے، مثلاً فاعل، مفعول، مبتدا، خبر، متعلقات فعل، جس ترتیب سے کے ساتہہ ہر وقت بول چال مین آتے ہین یہی ترتیب شعر مین بھی قائم رہے۔ اگرچہ اس مین شبہہ نہین کہ شعر مین اس ترتیب کا بعینہٖ قائم رہنا قریب قریب ناممکن ہے صرف ایک آدہ شعر یا بہت سے بہت شعر دو شعر مین اتفاقیہ یہ بات پیدا ہوجاتی ہے مثلاً سعدی کے یہ اشعار ؎

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم +
جمالِ ہمنشین در من اثر کرد — وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

لیکن چونکہ نظم کا درحقیقت سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ اگر اسکو، نثر کرنا چاہین تو نہ ہوسکے اور یہ اُسی وقت ہوسکتا ہے جب شعر مین الفاظ کی وہی ترتیب باقی رہے جو نثر مین معمولاً ہوا کرتی ہے، اس بنا پر شاعر کو کوشش کرنی چاہیئے کہ اگر اصلی ترتیب پوری پوری قائم نہین رہ سکتی تو بہرحال اُس کے قریب قریب پہونچ جائے جس قدر اس کا لحاظ رکھا جائیگا، اُسی قدر شعر زیادہ صاف، برجستہ، روان، اور ڈہلا ہوا ہوگا اور اُردو مین جہانتک

ہم کو معلوم ہے یہ صفت میر انیس صاحب سے زیادہ کسی کلام مین نہین پائی جاتی، نمونہ کے طور پر ہم چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین۔

صُغریٰ حضرت امام علیہ السلام سے کہتی ہین، ؎

قربان گئی، اب تو بہت کم ہے نقاہت — تپ کی بھی ہے شدت مین کمی روز سے خفت
بستر سے مین خود اُٹھکے ٹہلتی بھی ہون حضرت — پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت

حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہے
اب تو میرے مُنہ کا بھی مزہ تلخ نہین ہے

ولہ

صغریٰ نے کہا آپکی باتون کے مین قربان — تم جان بچا لو کہ، مین لونڈی ہون ہو پی جان
بیٹی ہو علیؑ کی، مری مشکل کرو آسان — جیتی رہی صغریٰ تو نہ بھولے گی یہ احسان

کچھہ بات بجز گریہ و زاری نہین کرتین
امّاں تو سفارش بھی ہماری نہین کرتین

حضرت زینب، حضرت عباسؑ سے فرماتی ہین ؎

تم سے بڑی امید ہے زہرا کی جائی کو — بھیّا، تمھین سے لیگی بہن اپنے بھائی کو

حضرت امام علیہ السلام، یزیدیون سے مخاطب ہوکر فرماتے ہین ؎

مجھکو لڑنا نہین منظور یہ کیا کرتے ہو — تیر جوڑے ہین جو تمنے تو خطا کرتے ہو
کیون نبی زادہ پہ غربت مین جفا کرتے ہو — دیکھو اچھا نہین یہ ظلم بُرا کرتے ہو

شمع ایمان ہون اگر سر میرا کٹ جائیگا
یہ مرقع ابھی اک دم مین اُلٹ جائے گا

خولی امام علیہ السلام کی فوج کی حالت، ابن سعد سے بیان کرتا ہے ؎

یہ سب غلط سنا تھا کہ ہے لشکر کثیر
ہین ان مین سات آٹھ تو لڑکے کئی صغیر
کچھ نوجوان ہین طفل ہین کچھ اور کچھ ہین پیر
پس جائینگے وہ ٹاپون سے ہنگام دار و گیر
کیا چھوٹے چھوٹے ہاتھون کی طاقت دکھائینگے
ان سے تو تیغچے بھی سنبھالے نجائین گے

کیا جانے دل مین سوچے تھے کیا شاہ کربلا
لشکر تو یہ قلیل اور اس فوج سے وغا
مقتل مین کھینچ کر انھین لے آئی سب قضا
عمرین ہین چھوٹی چھوٹی بھلا وہ لڑین گے کیا
کچھ آزمودہ کار نہین کچھ سن نہین
ان کے ابھی تو گھر سے نکلنے کے دن نہین

اس قسم کے اور ہزارون اشعار ہین آگے مختلف موقعون پر جو اشعار نقل کئے جائینگے اُن مین اور دوسری خوبیون کے ساتھ یہ خصوصیت بھی اکثر نظر آئیگی -

روزمرّہ

روزمرّہ اور محاورہ جو الفاظ اور جو خاص ترکیبین اہل زبان کے بول چال مین زیادہ مستعمل اور متداول ہوتے ہین، اُن کو روزمرّہ کہتے ہین، روزمرّہ اگرچہ ایک جداگانہ وصف سمجھا جاتا ہے، لیکن درحقیقت وہ فصاحت ہی کا ایک فرد خاص ہے - یہ ظاہر ہے کہ عام بول چال مین وہی الفاظ زبان پر آئین کے جو سادہ صاف اور سہل الادا ہون، اور اگر اُن مین کچھ ثقل اور گرانی بھی ہو تو رات دن کی بول چال اور کثرت استعمال سے وہ منجھکر صاف ہو جاتے ہین - ابو العلا معرّی جو ایک ملحد شاعر تھا اُسنے قرآن مجید کا جواب لکھا تھا - لوگون نے اس سے کہا کہ گو یہ کلام بلیغ ہے لیکن اس مین قرآن مجید کی سی روانی اور صفائی نہین پائی جاتی، اُس ملعون نے کہا ہان ابھی تو نہین، لیکن جب دو چار برس نمازون مین منجھکر صاف ہو جائیگا تو روانی آجائیگی -

غرض روزمرّہ کے لئے فصیح ہونا لازم ہے - میر انیس کے کلام مین نہایت کثرت سے روزمرّہ اور محاورہ کا استعمال پایا جاتا ہے، اور اس پر اُن کو ناز بھی تھا چنانچہ فرماتے ہین ؎

مرغان خوش الحان چمن بولین کیا
مرجاتے ہین سُنکے روزمرّہ میرا

چونکہ میرانیس کا کوئی کلام روزمرّہ سے خالی نہین ہوتا، اس لیے ہم نمونہ کے طور پر صرف دو چار مثالین نقل کرتے ہین ؎

حشر تک خلق مین یہ ذکر غم انگیز رہا — تو تو بچپن کے غلامون سے بھی کچھ تیز رہا
تعریف کرین ڈر کے تو خورسند نہونا — اعدا سے کسی بات مین تم بند نہ ہونا
زینب نے کہا جسمین رضا شہ عالی — مالک ہین وہی مین تو ہون اک چاہنے والی

صدقے گئے فرزند پھوپی سوگ نشین ہے
سمجھین تو میرا حق ہے نہ سمجھین تو نہین ہے

زندہ نہ محمد ہے نہ اب عون ہے بیٹا — تم بھی جو نہ پوچھو تو میرا کون ہے بیٹا
خادم جدا نہ تھا شہ گردون سریر سے — ولہ — کس جرم پر حضور خفا ہین حقیر سے
کس کی مجال ہے جو کہے گا یہ کیا کیا؟ — ولہ — بی بی نے دی غلام کو رخصت بجا کیا
کہتے تھے راہ مین نہ کہ وا راپنا چل گیا — ولہ — افسوس ہے کہ ہات سے دریا نکل گیا

مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ کا استعمال حسن کلام کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ استعمال کیے جائین۔

لفظ چونکہ آواز کی ایک قسم ہے اور آواز کے مختلف اقسام ہین مہیب - پر رعب - سخت، نرم، شیرین، لطیف، اسی طرح الفاظ بھی صوت اور وزن کے لحاظ سے مختلف طرح کے ہوتے ہین بعض نرم، شیرین اور لطیف ہوتے ہین بعض سے جلالت اور شان ٹپکتی ہے، بعض سے درد اور غمگینی ظاہر ہوتی ہے اسی بنا پر غزل مین سادہ، شیرین، سہل اور لطیف الفاظ استعمال کیے جاتے ہین، قصیدہ مین زور اور شاندار الفاظ کا استعمال

پسندیدہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح رزم، بزم، مدح و ذم، فخر، دعا، وعظ و پند، ہر ایک کے لئے جدا جدا الفاظ ہیں،
شعرا میں سے جو اس نکتہ سے آشنا ہیں وہ ان مراتب کا لحاظ رکھتے ہیں اور یہ اُنکے کلام کی تاثیر کا بڑا راز ہے
لیکن جو اس فرق مراتب سے واقف نہیں یا ہیں لیکن ایک خاص رنگ اُن پر اسقدر چڑھ گیا ہے کہ ہر قسم کے
مضامین میں ایک ہی قسم کے الفاظ اُن کی زبان سے ادا ہوتے ہیں، اُن کا کلام بجز ایک خاص رنگ کے
بالکل بے اثر ہوتا ہے۔ یہی نکتہ ہے کہ سعدی سے رزم، اور فردوسی سے بزم نہیں بن سکتی۔

میر انیس صاحب نے رزم، بزم، فخر، ہجو، نوحہ، سب کچھ لکھا ہے لیکن جہاں جس قسم کا موقع ہوتا ہے
اُسی قسم کے الفاظ اُنکے قلم سے نکلتے ہیں رزمیہ فخر لکھتے ہیں تو فرماتے ہیں ؎

طاقت اگر دکھاؤں رسالت مآب کی	رکھ دوں زمین پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

جلال اور غیظ کو اِن الفاظ میں ادا کرتے ہیں ؎

کم تھا نہ ہمہمہ اسدِ کردگار سے	نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے
کیا جانے کس نے روک دیا ہے دلیر کو	سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو
تھا یہ بپھرا ہوا عباس سا شیر جوان	سینہ سپر پہ رکھے دیتا تھا نیزہ کی سنان
لرزہ تھا رعب حق سے ہر اک نابکار کو	روکے تھا ایک شیر جری دس ہزار کو

دیکھو! ان اشعار میں جو الفاظ آئے ہیں، جس طرح، اُنکے مفہوم میں غیظ و غضب ہے اُسی طرح، الفاظ کی صوت
و لہجہ سے بھی، ہیبت اور غیظ و غضب کا اظہار ہوتا ہے۔

بحروں کا انتخاب اور حسن قافیہ و ردیف

شعر کی دلاویزی اور دلفریبی کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ ہر مضمون کی مناسب بحریں اختیار کی جائیں،
فردوسی کی اسی غلطی نے اسکے یوسف زلیخا کو مقبول عام ہونے سے محروم رکھا،

شاہ نامہ کی بحر رزم کے لئے مخصوص ہے، فردوسی نے عشقیہ واقعات بھی اسی بحر میں ادا کرنے چاہے
اور اسوجہ سے ناکام رہا۔ میر انیس سے پہلے، مرثیے، اکثر بڑی بڑی بحروں میں لکھے جاتے تھے، مثلاً ع

جب مشک بھر کر نہر سے عباس غازی گھر چلے،

ع آپ تو جیتے رہے، بابا کا سر کٹوا دیا،

یا نہایت چھوٹی بحروں مین

ع یہ کس منھ سے کہئے کہ وہ تشنہ لب ہے،

میر صاحب نے تین چار بحرین خاص کرلین جن مین چند خصوصیتین پائی جاتی تھین،

۱- رزم و بزم، دونون کے لئے موزون تھین، مثلاً یہ بحر، حشر برپا تھا کہ تیغ حرزِ بیجا چلی -

۲- فقرون کی ترکیب اُن مین خواہ مخواہ چست ہوجاتی ہے مثلاً یہ بحر،

ع قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملا دون،

۳- کانون کو خوش معلوم ہوتی ہین -

قدیم مرثیون مین ردیف کا بہت کم التزام ہوتا تھا قافیے ہی قافیے ہوتے تھے، میر صاحب نے ردیف کا گویا التزام کرلیا - آج کل جو لوگ انگریزی شاعری کی کورانہ تقلید کرتے ہین وہ تو سرے سے قافیہ ہی کو بیکار کہتے ہین ردیف کا کیا ذکر ہے، شاید انگریزی زبان کی ساخت اسی قسم کی ہو جیسا کہ عربی مین ردیف نہایت بدنما معلوم ہوتی ہے، لیکن فارسی اور اُردو مین تو ردیف تال اور سُم کا کام دیتی ہے، جس طرح راگ مین تال نہو تو بدمزا ہے، یہی حالت، اُردو شعر کی ہے البتہ ردیف کے التزام کے لئے بہت بڑا قادر الکلام ہونا ضروری ہے، ورنہ ردیف کے التزام کے ساتھ آمد اور بے ساختگی قایم نہین رہتی، لیکن اگر یہ خوبی ہات سے نہ جانے پائے تو ردیف سے شعر چمک جاتا ہے، ان دونون شعرون پر غور کرو،

ساقیا عید ہے، لا بادہ سے مینا بھر کے		کہ مے آشام پیاسے ہین مہینہ بھر کے	
چاہنا خلق کو صہبا و صنم سے محروم	ولہ	ایسی نیت پہ بہشت آپ کو واعظ معلوم	

دونون شعر اپنی اپنی حیثیت سے لاجواب ہین، لیکن پہلے شعر کو ردیف نے کسقدر چمکا دیا ہے بعض

جگہ ردیف کی تکرار نہایت لطف پیدا کر دیتی ہے، میر صاحب کے ہان اسکی مثالین بھی کثرت سے ملتی ہین حسن قافیہ و ردیف، و تکرار کی یکجائی چند مثالین ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین ۔

کہین صفین صاف تھین کی صفائی نہ گئی	ولہ	سیکڑون خون کئے اور کہین آنچ نہ گئی
شیطان عمر سعد کی گردن پہ چڑھا ہے	ولہ	بھاگو پسر شیر خدا رن پہ چڑھا ہے
رکتا نہ تھا علیؑ ولی کے پسر کا ہات	ولہ	دو ہوگئے گرا جسے مارا اکبر کا ہات
ہلچل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھیرا پسر کے ساتھ	ولہ	اُس معرکہ مین چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ
ڈھالون سے پھول لیکئی پھولون سے زر لیا	ولہ	اپنا خراج تیغ نے ان سب سے بھر لیا
سب تھک گئے مگر نہ تھکے تیغ زن کے ہاتھ	ولہ	وہ معرکہ ہوا اسی گلبدن کے ہاتھ
ظالم شکار بن گیا گیہان خدیو کا	ولہ	کافر وہ تھا تو ہاتھ بھی مارا جنیو کا
ماتم ادہر تھا جشن مین تھے اہل شر اُدھر انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عمر اُدھر	ولہ	بجتے تھے شادیانہ فتح و ظفر اُدہر روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت ادہر اُدہر
پڑ پا سکتے تھے خوب پیمبر مرے جو ہر کھولے تھے ید اللہ نے اکثر مرے جو ہر	ولہ	مخفی نہین جبریل امین پہ مرے جو ہر کرار نے دیکھے ہین مکرر مرے جو ہر
کیا کیا چمک دکھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے پانی وہ خود پیئے ہوئے تھی گھاٹ گھاٹ کے	ولہ	تشنہ تھی کیا تنون سے زمین پاٹ پاٹ کے دم اودہ بڑہ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
بڑھ بڑھ کے تھے ہر ایک سے بڑے بول بول کے حملہ کیا جو تیغ دو دم تول تول کے	ولہ	پہلے انہین کو مار لیا رول رول کے ہتیا سب نے پھینکدئے کھول کھول کے
شہ کے غضب سے مانگتی تھی ہر کمان امان دیتے نہ تھے کسیکو امام زمان امان	ولہ	مضطر زمین تھی، مانگتا تھا آسمان امان ہر صف مین تھا یہ شور کہ مولا، امان امان

تلوار کی زبان سے

تنسیق الصفات جب کسی موقع پر چند الفاظ ایک وزن یا ایک قسم کے پے در پے آتے ہین تو ایک خاص لطف پیدا ہوتا ہے، میر صاحب کے کلام مین اسکی مثالین کثرت سے ملتی ہین ؎

دوزخ کی زبانون سے بھی آنچ اُسکی بُری تھی
برچھی تھی کٹاری تھی سروہی تھی چھُری تھی

ولہ

موجود بھی ہر غول مین اور سب سے جدا بھی
دم خم بھی لگاوٹ بھی صفائی بھی ادا بھی
اک گھاٹ پہ تھی آگ بھی پانی بھی ہوا بھی
امرت بھی ہلاہل بھی مسیحا بھی قضا بھی

ولہ

کوفہ مین یہی معرکہ دن بھر نظر آیا
شمر آیا ۔ سنان آیا ۔ حُر آیا ۔ عمر آیا

ولہ

سمٹا جما اُڑا ۔ اِدھر آیا ۔ اُدھر گیا
چمکا ۔ پھرا ۔ سنبھال دکھایا ۔ ٹھہر گیا

ولہ

چلتی تھی عجب رنگ سے شمشیر قضا رنگ
ہر بات مین دکھلاتی تھی اعدا کو نیا رنگ
جم خم کا جدا رنگ تھا، کس بل کا جدا رنگ
لب سرخ ۔ دہن صاف ، بدن گول ہرا رنگ

بلاغت

انیس و دبیر کے موازنہ مین یہ فقرہ ضرب المثل ہوگیا ہے کہ میر صاحب مین **فصاحت** زیادہ ہے اور مرزا صاحب مین **بلاغت**، لیکن یہ فقرہ جس قدر زیادہ مشہور ہے اُسی قدر بلکہ اُس سے زیادہ غلط اور بے معنی ہے، بلاغت کی جو تعریف تمام کتابون مین مذکور ہے اور جس سے کسی کو کسی قسم کا اختلاف نہین، اُسکی رو سے، بلاغت کی پہلی شرط یہ ہے کہ کلام فصیح ہو، اسلیئے فصاحت و بلاغت کو باہم حریف قرار دینا اجتماع النقیضین ہے، اگر مرزا صاحب مین بلاغت زیادہ ہے تو اسکے یہ معنی ہین کہ فصاحت بھی زیادہ ہے کیونکہ کلام اُس وقت تک بلیغ نہین ہوسکتا جب تک اسکے تمام الفاظ، مفردات و مرکبات فصیح نہون، اگر فصاحت مین کسی قسم کی کمی ہوگی تو بلاغت مین بھی کمی ہوگی، اسلیئے کسی کلام کی نسبت یہ کہنا کہ اسمین بلاغت زیادہ ہے اور فصاحت کم، گویا یہ کہنا ہے کہ فصاحت زیادہ بھی ہے اور کم بھی،

بلاغت کی تعریف علماے معانی نے یہ کی ہے کہ کلام اقتضاے حال کے موافق ہو، اور فصیح ہو، مقتضاے حال کے موافق ہونا، ایسا جامع لفظ ہے جس مین بلاغت کے تمام انواع و اسالیب آجاتے ہین، لیکن افسوس ہے کہ کتب معانی شلاً مطول، ایضاح، وغیرہ مین بلاغت کی جو تشریح کی ہے اور اسکے جس قدر انواع و اقسام قرار دیے ہین، وہ نہایت جزئی اور معمولی باتین ہین، ان تصریحات کی روسے بلاغت اس کا نام ہے، کہ مبتدا اور خبر کہان مقدم لاے جائین اور کہان موخر؟ کہان معرفہ ہون کہان نکرہ؟ کہان مذکور ہون، کہان محذوف؟ اسناد کہان حقیقی ہو، کہان مجازی؟ جملہ کہان خبریہ ہو، کہان انشائیہ؟ دو فقرون مین کہان وصل ہو کہان فصل؟ کلام مین کس موقع پر اطناب کیا جاے کس موقع پر اختصار؟ - گویا **بلاغت** کا صرف اسقدر فرض ہے کہ جب تم کسی مطلب کو کسی خاص جملہ مین ادا کرنا چاہو تو وہ یہ بتادے کہ جملہ کے اجزا کیا ہونے چاہئین اور اُن اجزا کی ترکیب کیا ہونی چاہیے، لیکن اگر عام طور پر یہ پوچھا جاے کہ کس قسم کے مضامین کو کیونکر ادا کرنا چاہیے مثلاً مدح - ذم - فخر - ہجا - تہنیت - تعریض - شوق - محبت، ان مضامین سے ہر ایک کے ادا کرنے کے کیا کیا خاص پیراے ہین؟ ہر مضمون کا خاکہ کیونکر قائم کرنا چاہیے؟ کس قسم کے خیالات کس خاص مضمون کے ساتھ تعلق رکھتے ہین؟ تو موجودہ فن بلاغت اس کے متعلق کچھ رہبری نہین کرسکتا، حالانکہ بلاغت کا اصلی تعلق مضامین ہی سے ہے نہ الفاظ سے مثلاً یہ امر کہ ایک واعظ کو کسی بات کے ثابت کرنے کے لئے کس قسم کے مقدمات سے کام لینا چاہیے؟ اور اسی بات کو اگر ایک حکیم ثابت کرنا چاہے تو اسکے استدلال کا کیا طرز ہوگا؟ اس مین الفاظ کی حیثیت سے بحث نہین ہوتی بلکہ صرف نوعیتِ استدلال کا لحاظ ہوتا ہے، یعنی اگر ایک حکیم کے استدلال مین، واعظانہ مقدمات پاے جائین تو کہا جائیگا کہ خلافِ بلاغت ہے، کیونکہ بلاغت کے معنی مقتضاے حال کے موافق کلام کرنا ہی اور ظاہر ہے کہ ایک حکیم کو واعظانہ مقدمات سے استدلال کرنا اسکے رتبہ کے خلاف ہے -

اس سے ظاہر ہوا کہ بلاغت کو الفاظ سے چندان تعلق نہین، محض مضامین کو بھی بلیغ یا غیر بلیغ کہا جاسکتا ہے، بلاغتِ الفاظ درحقیقت بلاغت کا ابتدائی درجہ ہے، اصلی اور اعلیٰ درجہ کی بلاغت، معانی کی بلاغت ہے -

میر انیس صاحب کے کلام مین بلاغت الفاظ بھی اگرچہ انتہا درجہ کی ہے لیکن یہ اُنکے کمال کا اصلی معیار نہین، اُنکے کمال کا اصلی جوہر معانی کی بلاغت مین کھُلتا ہے -

کربلا کے واقعات، جو میر انیس اور تمام مرثیہ گویون کا موضوع شاعری ہے، جہان تک تاریخ و روایت سے ثابت ہین نہایت مختصر ہین، لیکن مرثیہ گویون نے اُن مین نہایت وسعت پیدا کی ہے - بعض جگہہ محض ایک اجمالی واقعہ مذکور تھا، اُسکو اسقدر وسعت دی کہ واقعہ کے تمام جزئیات بیان کر دئے - بعض جگہ روایت مین اُس واقعہ کا نام و نشان بھی نہ تھا لیکن اس لحاظ سے کہ وقت اور حالت کے اقتضا سے اُس واقعہ کا پیش آنا ضرور تھا، واقعہ کو فرض کر لیا ہے، اور پھر اُسکو اسطرح پھیلا کر لکھا ہے کہ گویا پورا واقعہ بعینہٖ روایتون مین مذکور تھا مثلاً یہ واقعہ کہ جب حضرت عباس کو علم ملا تو عون و محمد کو رنج ہوا کہ یہ ہمارا حق تھا، وہ اپنی مان حضرت زینب کے پاس شکایت لیکر گئے، اُنھون نے سمجھایا کہ امام علیہ السلام نے جو کچھ کیا بجا کیا" یہ واقعہ نہایت تفصیل سے تمام جزئیات کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، حالانکہ کتب تاریخ مین سرے سے اسکا ذکر نہین، یا مثلاً حضرت علی اکبر کی تیاری جنگ کے وقت، حضرت زینبؑ کا آزردہ ہونا اور جانے سے روکنا، یا مثلاً حضرت شہر بانو کا حضرت علی اکبر سے اس بات پر ناراض ہونا کہ امام علیہ السلام کو تنہا چھوڑ کر کیون چلے آئے، ان تمام واقعات کا تاریخ مین پتہ نہین، اس قسم کے واقعات کے بیان کرنے مین، بلاغت کا پہلا فرض یہ ہے کہ جو واقعہ فرض کیا جائے وہ ایسا ہو کہ وقت اور حالت کے لحاظ سے، اُس کا واقعہ ہونا یقینی ہونے کے برابر ہو، اسکے ساتھ واقعہ کے جزئیات اور کیفیات جو بیان کئے جائین وہ بالکل مقتضائے حال کے موافق ہون، اور اس طرح بیان کئے جائین کہ واقعہ کی حالت آنکھون مین پھر جائے،

اس نکتہ کی حقیقت، ایک مثال سے زیادہ تر واضح ہوگی، مرزا دبیر صاحب نے ایک مرثیہ مین یہ واقعہ باندھا ہے کہ جب حضرت علی اکبر جوان ہوئے تو جابجا اُنکے حسن و جمال کا شہرہ ہوا یہان تک کہ بادشاہان وقت نے اپنے اپنے ملک سے مصوّر بھیجے کہ اُن کی تصویر کھینچکر لائین، حلب کا بادشاہ سب سے

زیادہ مشتاق ہوا اور جب تصویر اُس کے پاس پہونچی تو اُسنے فوراً اپنی بیٹی سے حضرت علی اکبر کی نسبت ٹھہرائی، اور حضرت امام حسینؑ کے پاس پیغام بھیجا، امام ممدوح نے اپنی بے اطمینانی کی حالت بیان کی اور اخیر مین لکھا ؎

اکبر کا بیاہ خالقِ اکبر کے ہات ہے ۔ بابا کے ہات ہے نہ یہ مادر کے ہات ہے

لیکن بادشاہ حلب نے باوجود اسکے نسبت ٹھہرا ہی دی، اور شادی کے تمام سامان مہیا کرنے شروع کر دیئے ادہر کربلا کا واقعہ پیش آیا - جب بادشاہ کو خبر ہونچی تو وہ مع اپنے خاندان کے کربلا پہونچا، بادشاہ کی لڑکی نے جو حضرت علی اکبر سے منسوب تھی اس طرح نوحہ کیا ؎

آئی ہون گھر سے بال پریشان کئے ہوئے
دولہ اُٹھو، کھڑی ہے دلہن سر لئے ہوئے

دولھا! تمھاری بیوطنی پر نثار مین
دولھا! تمھاری خستہ تنی پر نثار مین

دولھا! تمھاری بے کفنی پر نثار مین
دولھا! تمھاری کم سخنی پر نثار مین

مُردے کا ذکر کرتے ہین اب شور وشین سے
سہرے سے بیان تمھارے کرون کیا مین بین سے

خُو بوسے مطلع نہین مین سوختہ جگر
نہ چوڑیان پہننے نہ پائی، مین نوحہ گر

سہتے ہین اپنے گھر سے نرالی تھا گھر
جو آج ٹھنڈی کرتی مین صاحب کی لاش پر

حسرت ہی عقد کی رہی لونڈی کے باپ کو
سہرے سے بندھا نہ مہر جو بخشون مین آپ کو

دولھا! مین ننگے سر ہون مجھے تم ردا اڑھاؤ
دولھا! مجھے بھی فاطمہؑ کے پاس لیتے جاؤ

دولھا! کہان مین ڈھونڈون ٹھکانا مجھے بتاؤ
دولھا! برابر اپنے میری قبر بھی بناؤ

	دولھا مقامِ شرم ہے در در نہ پھرنے دو پردہ دلھن کا رکھہ لو کھلے سر نہ پھرنے دو	

مرزا صاحب نے اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ فرضی عروس کی زبانی ایک بڑا نوحہ الگ لکھہ کر مرثیہ کے ساتھہ بطور ضمیمہ کے شامل کیا ہے جسکا مطلع یہ ہے، ؎

کس عادل و منصف کی مین دون رو کے دوہائی	ہے ہے میرے نوشاہ
سنتی ہے دلھن شکل رنڈاپے نے دکھائی	ہے ہے میرے نوشاہ

یہ تمام قصہ، بالکل بلاغت اور مقتضائے حال کے خلاف ہے، تمام باتون سے قطع نظر کرکے، ایک کنواری لڑکی کا بین اور نوحہ کرنا جو خود کہتی ہے کہ مین آپ کے عقد مین نہین آئی، اور پھر دولھا دولھا پکارتی جاتی ہے کسقدر بیمعنی اور لغو ہے،

میر انیس نے سیکڑون ہزارون مرثیے لکھے ہین، اور ہر مرثیہ بجاے خود ایک قصہ یا حکایت ہے، لیکن کوئی واقعہ ایسا نہین لکھا جو اقتضائے حال کے خلاف ہو، عون و محمد کی روایت کا سرے سے کہین پتہ نہ تھا، لیکن جب میر انیس نے اس کو مرثیہ مین لکھا تو تمام لوگون کو اس کی واقعیت کا دھوکا ہوا یہان تک کہ اب وہ بطور ایک واقعہ مسلمہ کے تمام مرثیہ گویون کے ہان مختلف پیرایون مین بیان کیا جاتا ہے، اسی طرح میر انیس نے جس قدر واقعات لکھے ہین باوجود رقت انگیز اور موثر ہونیکے، واقعیت کے قالب مین اسقدر ڈھلے ہوئے ہین کہ کہین سے اُن پر حرف گیری نہین ہوسکتی۔

مرثیون مین جو مضامین، قدر مشترک کے طور پر ہین وہ یہ ہین، آمادگی سفر۔ راہ کی تکلیفات اور صعوبتین، قیام گاہ کا انتظام، دشمنون کی روک ٹوک، معرکہ کی طیاریان، رزم آرائی، رجز۔ حریفون کا قتال و جدال، دشمنون کی فتح، اہل حرم کی بیکسی اور بیچارگی، شام کا سفر۔ قید خانہ، دربار کی حاضری۔

ان مین سے ہر عنوان کے ادا کرنے کے لئے بلاغت کے خاص خاص طریقے ہین، مثلاً

سفر کی طیاری کے بیان کرنے مین بلاغت کا یہ اقتضا ہے کہ سفر کے وقت، جو جو واقعات، اور حالات پیش آتے ہین، ان کی تصویر کھینچی جائے، سفر کی آمادگی، سواریون کی تقسیم، زادسفر کا انتظام، محملون اور کجاؤن کی طیاری، مستورات کے پردہ کا انتظام، دوست اور احباب کے وداعی جذبات، بھائی بہنون اور عزیزون کی گریہ وزاری، دلدہی اور صبر کے کلمات، یہ تمام باتین تفصیل سے بیان کی جائین اور اس طرح کی جائین کہ آنکھون کے سامنے بعینہ سفر کا نقشہ پھر جائے میرانیس نے جہان جہان سفر کا بیان کیا، ان نکتون کو ملحوظ رکھا ہے

دو حریفون کی باہمی معرکہ آرائی کو اسطرح بیان کرنا چاہیے کہ پہلے دونون کے سراپا ڈیل ڈول، اور اسلحہ جنگ سینے کا نقشہ دکھایا جائے، پھر بتایا جائے کہ دونون نے فن جنگ کے کیا کیا ہنر دکھائے، حریف نے حریف پر کیونکر حملہ کیا، کسطرح وار بچایا، تلوار کے کیا کیا ہات دکھائے، بند کیونکر باندھے، وغیرہ وغیرہ میرانیس کے ہان یہ تمام باتین پائی جاتی ہین، بخلاف اسکے مرزا دبیر صاحب آسمان و زمین کے قلابے ملا دیتے ہین لیکن یہ پتہ نہین لگتا کہ دونون حریفون مین سے کسی نے دوسرے پر وار بھی کیا تھا یا نہین،

غرض ہر واقعہ، اور ہر معاملہ کے بیان کرنے مین بلاغت کا یہ اقتضا ہے کہ اسکی تمام خصوصیات اسطرح دکھائی جائین کہ دلون پر وہی اثر طاری ہو جو خود واقعہ کے پیش آنے سے پڑتا، میرانیس کے کلام مین عموماً یہ وصف پایا جاتا ہے ہم نے اس موقع پر مثالین، اسلئے قلم انداز کین کہ آگے چلکر واقعہ نگاری، اور اظہار جذبات وغیرہ کے عنوانون مین جو مثالین آئینگی وہی بلاغت کے لئے بھی کافی ہونگی،

بلاغت کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ واقعات کے بیان مین جس درجہ و رتبہ، اور جس سن و سال کے لوگون کا ذکر آئے اُسی قسم کے طرز خیال، اور طریق ادا کو ملحوظ رکھا جائے، بوڑھے، بچے، جوان، مرد، عورت، کنواری، بیوہ، آقا، غلام، نوکر چاکر، غرض جسکی زبان سے جو خیال ظاہر کیا جائے اُسکی زبان اور طرز خیال کی تمام خصوصیتون کو قائم رکھا جائے، میرانیس نے تمام مرثیون مین یہ نکتہ ملحوظ رکھا ہے، مثلاً حضرت امام حسینؑ کے سفر کے وقت، محلہ کی بی بیان حضرت زینبؑ کو سفر سے روکتی ہین ؎

ہمسایون کی ہمدردی اور اظہار افسوس کا کیا طریقہ ہے

سب کہتے ہین زینبؑ سے کہ اے شاہ کی شیدا — کس طرح کے خط آئے یکایک یہ ہوا کیا؟
پانی کی کمی، گرمی کے دن، خوف کا رستہ — وہ دھوپ پہاڑون کی، وہ لون اور وہ صحرا
کیا سوچ کے اس فصل مین شبیرؑ چلے ہین
بچون پہ کرو رحم، کہ نازون کے پلے ہین

ہے ہے، چھ مہینہ کے بھی بچہ کا سفر ہے — کچھ تم کو پہاڑون کی بھی گرمی کی خبر ہے؟
غربت مین جوانون کے تلف ہونیکا ڈر ہے — رحم اس پہ ہے لازم، کہ یہ بچہ گُل تر ہے
اصغر کو جدائی کہہ ہو، قلق مان کو سوا ہو
گرمی کے سبب دودھ جو گھٹ جاے تو کیا ہو؟

ایک اور موقع پر اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔

عورتین کیونکر صلاح دیتی ہین۔

لے لے کے بلائین یہی سب کرتی ہین تقریر — اس گرمی کے موسم مین کہان جاتے ہین شبیرؑ
سمجھاتی نہین بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر — مُسلم کا خط آلے تو کرین کوچ کی تدبیر
للہ ابھی قبر پیمبرؐ کو نہ چھوڑین
گھر فاطمہؑ زہرا کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑین

یا مثلاً جب حضرت امام حسینؑ اپنی چھوٹی صاحبزادی صغریٰ کو سفر مین لیجانے سے انکار کرتے ہین تو وہ حضرت زینبؑ سے سفارش کراتی ہین ؎

بچون کے ادائے مدعا کا طرز

صُغرا نے کہا آپکی باتون کے مین قربان — تم جان بچا لو کہ مین لونڈی ہون پھوپی جان
بیٹی ہو علیؑ کی، مری مشکل کرو آسان — جیتی رہی صُغرا تو نہ بھولے گی یہ احسان
کچھ بات بجز گریہ و زاری نہین کرتین
اماں تو سفارش بھی ہماری نہین کرتین

دوسروں کی محبت کا طعنہ۔

پیاری ہین جو دو بیٹیان وہ جاسینگی ہمراہ — کیا اُنس کہ مین گور کنارے بھی تو ہون آہ
بابا کو نہ امّان کو نہ بہنون کو میسری چاہ — سب جیتے رہین، خیر ہمارا بھی ہے اللہ

بھولے سے نہ اب خاطر ناشاد کرینگے
مین قبر مین جب ہون گی تو سب یاد کرینگے

خاص عزیزوں کی شکایت۔

عاشق میرے مشہور ہین بھیّا کے مین واری — دو دن سے خبر بھی نہین لی آکے ہماری
قاسم کو غرض کیا جو سنین گریہ وزاری — مین کون؟ سکینہ ہین چچا جان کو پیاری

اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہین ہے
مٹی میری کچھ قبر کو دشوار نہین ہے

یا مثلاً حضرت علی اصغر کے پیاس سے جان بلب ہونے کے وقت اُن کی ماں کی حالت اسطرح بیان کی ہے ؎

چلّاتی تھی بکھرائے ہوے بالون کو مادر — دولت میری لٹتی ہے اُجڑتا ہے مرا گھر
فریاد ہے اے لخت دل ساقیِ کوثر — آنکھین بھی جھپکتے نہین اب تو علی اصغر

کیا ہو گیا؟ اس صاحب اقبال کو میرے
ہے ہے لئے جاتی ہے اجل لال کو میرے

یا مثلاً حضرت امام حسین کی رخصت کے وقت، شہربانو فرماتی ہین ؎

کچھ حق مین اس کنیز کے فرما کے جایئے — صاحب! کسی جگہ مجھے ٹھہلا کے جایئے

یا مثلاً جب حضرت امام حسینؑ کربلا مین پہونچے اور وہان اُترنے کا ارادہ کیا، تو حضرت زینبؑ اس مقام کی وحشت اور ویرانی سے گھبرا کر فرماتی ہین ؎

کیون چلتے چلتے آپ نے یان روک لی لگام — بھیّا ادھر تو آؤ یہ ہے کون سا مقام؟

بستی بھی ہے کوئی کہ یہی ایک نہر ہے
اس دشت پُرخطر مین اُترنا تو قہر ہے

جنگل مین ہے بشر کیلیے سو طرح کا ڈر
اُٹھتے ہین بار بار بگولے اِدھر اُدہر
دن کٹ گیا تو ہویگی شب کسطرح بسر
لشکر مین غل رہے گا درندون کا رات بھر

عورتون کی
طبیعت القلبی

سنتے بچے بھی مارے ہول کے ترہین پسینے مین
میرا تو دل ابھی سے اُچھلتا ہے سینے مین

اسی واقعہ کو ایک اور موقع پر لکھا ہے ؎

بھائی سے اس زمین کی سنی ہے بہت صفت
ہے وہ امام واقفِ اسرارِ شش جہت
جو جو مُسن ہین، ان سے بھی لازم ہو مشورت
صدقے گئی جلیب سے بھی کر لو مصلحت

ساحل پہ دشمنون مین کسیکا عمل نہ ہو
بھیّا مجھے یہ ڈر ہے کہ رد و بدل نہ ہو،

یا مثلاً جب امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ کو علم دیا ہے تو حضرت زینبؑ عباس کو مبارکباد دیتے
ہوے فرماتی ہین ؎

گھر مین سلامت آئینگے جب سرورِ اُمم
تب دون گی تمکو تہنیتِ عہدۂ علم
ہاتون کو جوڑتی ہے یہ بھینا، اسیرِ غم،
کیجو صلاح صلح، اگر لشکر ادہر ہے کم

تم سے بڑی امید ہے زہراؑ کی جائی کو
بھیا تمھین سے لیگی بہن اپنے بھائی کو

اسی موقع پر سکینہؑ مبارکباد کو آتی ہین، تو ان کے صغرسن کے لحاظ سے ان کی مبارکباد دینے
کو کس پیرایہ مین ادا کیا ہے ؎

اتنے مین پاس آکے سکینہ نے یہ کہا — چہرہ کی لون بلائین، مین صدقے جھکو ذرا
عہدہ علم کا، تم کو مبارک ہو اے چچا! — مین نے دعائین کی ہین کہو مجکو دو گے کیا
میدان کا رخ کرو گے کہ دریا پہ جاؤ گے
کیا اب بھی تم نہ پیاس ہماری بجھاؤ گے

"جھکو ذرا" کی بلاغت پر لحاظ کرو، اور دعا کے صلہ مانگنے کو دیکھو۔

ایک اور موقع پر لکھتے ہین۔

چلاتی ہے سکینہ کہ اچھے میرے چچا — محمل مین گھٹ گئی مجھے گودی مین لو ذرا
بابا سے کہہ دو، اب کہین خیمہ کرین بپا — ٹھنڈی ہوا مین لیکے چلو، تم پہ مین فدا
سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ آب ہے
تم تو ہوا مین ہو میری حالت خراب ہے

بچون کی بول چال سے قطع نظر، یہ دیکھو کہ بچون کی فطرت کو کس نکتہ سنجی سے ظاہر کیا ہے، بچون کی مدعا طلبی کا بڑا آلہ طعن اور تعریض ہے، اس کو کس خوبی سے ادا کیا ہے، ع تم تو ہوا مین ہو، میری حالت خراب ہے
ایک اور موقع پر جب حضرت عباس لڑنے کیلئے چلے ہین، اور سب لوگ تن بہ تقدیر اُن کو رخصت کر چکے ہین، تو حضرت سکینہ کو خبر ہوئی ہے، وہ گھبرا کر روکنے کیلئے آتی ہین، اور بچپن کے ناز سے کہتی ہین۔

خیمہ مین ہوا غل کہ چلے حضرت عباس — سب بولے کہ لو اور بھی سرور ہوئے بے آس
گھبرا کے سکینہ نے کہا تب یہ بصد یاس — کیا کہتے ہو تم، مجکو تو جانے دو چچا پاس
منہ شہ سے وہ موڑینگے نہ مانون گی کبھی مین
عمو، مجھے چھوڑینگے نہ مانون گی کبھی مین

عباس پکارے مین اس آواز کے قربان — ہم جاتے ہین پانی کے لئے آؤ مری جان

دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ نادان
میں گھر سے تمہیں جانے نہ دونگی کسی عنوان

بابا کا میرے کوئی مددگار نہیں ہے
صدقے گئی، پانی مجھے درکار نہیں ہے

یا مثلاً جب حضرت عباسؑ کے شہید ہونے کی خبر آئی ہے، اور لوگ بدحواس ہو رہے ہیں حضرت عباسؑ کی زوجہ نے یہ خبر نہیں سنی ہے لیکن قرینوں سے انکو شبہہ ہوتا ہے، اُن کے بدحواسانہ استفسار کو یوں ادا کیا ہے ؎

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زوجۂ عباسؑ
کیا کہتے ہیں شاہِ شہدا؟ کس سے ہوئی یاس
کیوں بی بیو اب چھپتے میرے کیا ہو گئے بے اس
اے واے مقدر نہ سکینہ کی بجھی پیاس

کیسی خبر آئی ہے کہ جی کھوتے ہو لوگو
تم سب میرا منہ دیکھ کے کیوں روتے ہو لوگو

اس مصرعہ میں ع اے واے مقدر نہ سکینہ کی بجھی پیاس، کس قدر ایثار نفس کا خیال ظاہر کیا ہے یعنی اپنے شوہر کے مرنے کا غم اپنی مصیبت کے لحاظ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ سکینہ کے لئے پانی نہ لاسکے اور اُن کی پیاس نہ بجھا سکے۔

یا مثلاً جب حضرت علی اکبر نے ماں سے اجازت لیکر میدان جنگ میں جانے کا ارادہ کیا ہے اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ پھوپی سے بھی تو اجازت لو، اُس وقت حضرت زینب فرماتی ہیں ؎

زینبؑ نے کہا جس میں رضاے شہِ عالی
کیا غم ہے نہ پوچھا مجھے۔ ماں سے تو رضا لی
میں نے تو کوئی بات نہیں منہ سے نکالی
مالک ہیں وہی، میں تو ہوں اک چاہنے والی

صدقے گئے فرزند، پھوپی سوگ نشین ہے
سمجھیں تو میرا حق ہے نہ سمجھیں تو نہیں ہے

بچپن مین یہ کا ہے کو میری چھاتی پہ سوئے — کب جاگی مین تا صبح جو یہ چونک کے روئے
کنگھی نہین کی گیسوے مشکین نہین دہوئے — ان کیلئے کب مین نے پسر اپنے کھوئے

کیون روتے ہین یہ کس لئے حضرت کو قلق ہے
حق دار مین کا ہے کو میرا کون سا حق ہے

حضرت علی اکبر کو، حضرت زینب ہی نے پالا تھا، اور وہ انکو اپنے بچون سے زیادہ عزیز رکھتی تھین، حضرت علی اکبر بھی، ہر بات مین اُنھی کا مُنہ دیکھتے رہتے تھے، چونکہ انکو معلوم تھا کہ حضرت زینب میدان جنگ مین جانے کی اجازت بڑی مشکل سے دین گی، اسلئے اُنہون نے پہلے اپنی ماں باپ سے اجازت لے لی ہے کہ اور لوگ اجازت دیدین تو حضرت زینب سے درخواست کرنے کے لئے سند ہات آئے، اتنے مین حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ پھوپی سے بھی تو اجازت لو، وہ جدی ہوئی بیٹھی تھین، اُن کی طعن آمیز تقریر کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔

یا مثلاً جب یزید کی بیوی ہندہ نے قیدخانہ مین اہلِ حرم کے دیکھنے کے لئے جانا چاہا ہے، تو لونڈیون اور پیش خدمتون کی تقریر کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

سب عورتون کو لیکے چلی جب وہ حق شناس — کہنے لگین یہ تب جو کنیزین تھین آس پاس
کپڑے یہ ملگجے ہین بدل ڈالئے لباس — اسنے کہا کہ ہے مرے دل پر ہجوم یاس

اک دم مین سوگوارون کو مین دیکھنے آتی ہون
کیسا لباس کیا کسی شادی مین جاتی ہون

جب وہ قیدخانہ کے دروازہ پر پہونچی ہے تو ؎

بڑھ کر کسی کنیز نے، تب یہ کیا بیان — بی بی کوئی اسیرون مین زندہ نہین ہے یان
سب چلئے محل مین۔ آپ بھلا جائین گی کہان — قابل نہین حضور کے جانے کے یہ مکان

گر غش ہوئی تو آپ مین آ یا نجائے گا
ہم سے تو اس خرابہ مین جایا نجائے گا

لونڈیان، ہند کو قید خانہ مین جانے سے روکنا چاہتی ہین، اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے پہلے تو یہ کہا کہ یہان کوئی زندہ نہین، پھر یہ کہ یہ مکان آپ کے جانے کے قابل نہین، پھر اس مین مبالغہ کا یہ اسلوب کہ آپ کو اختیار ہے لیکن ع ہم سے تو اس خرابہ مین جایا نجائے گا۔

اسی مضمون کو ایک اور مرثیہ مین اس طرح باندھا ہے کہ دربانون نے اس خیال سے کہ قید خانہ مین امام زین العابدینؑ بھی ہین اور وہ غیر محرم ہین، اہل حرم کی طرف مخاطب ہو کر کہا ہے ؎

یا ہم آ کر کسی حجرہ مین جدا بند کرین	یا تو بیمار کی آنکھین اُسیرا (قیدی ۱۲) بند کرین

غور کرو لونڈیون اور پیش خدمتون کی خوشامدانہ فطرت کا کس طرح اظہار کیا ہے، اور دربانون کی تحقیرانہ فرایش کسقدر دلدوز ہے کہ یا تو زین العابدینؑ کی آنکھین بند کردو، یا ہم آ کر کسی حجرہ مین انکو بند کردین۔

یا مثلاً جب حُر نے اپنے بھائی، بیٹے اور غلام سے مشورہ کیا ہے کہ کس کا ساتھ دینا چاہیے، تو انھون نے یون جواب دیا ہے ؎

آنکھون سے چلینگے کہ یہ سب ہے عین عبادت	بیٹے نے کہا شہ کی غلامی ہے سعادت
کچھ ڈر نہین، بس آج سے کی ترک فاقت	بھائی نے کہا کفر ہے حاکم کی اطاعت

مظلوم سے دو روز کے پیاسے سے لڑین ہم
کیا خوب! محمدؐ کے نواسے سے لڑین ہم

گر لاکھہ ہون جانین تو نثار سر شبیر	عبد حُرِ غازی نے کہا تول کے شمشیر
کیجیے تو کرون اُسکے مٹا دینے کی تدبیر	دنیا مین نہوگا عمر سعد سا بے پیر

حافظ ہے خدا، زور سے تلوار کے چلیئے

اُس فوج مین چلیئے تو اُسے مار کے چلیئے

دیکھو بھائی اور بیٹے نے جو کہا اور جو ارادہ کیا، اُن کو اجازت طلبی کی ضرورت نہین - بخلاف اسکے غلام کہتا ہے کہ ع کہئے تو کرون اسکے مٹا دینے کی تدبیر، یہ وہی غلامانہ انداز گفتگو ہے - اس سے بڑھ کر یہ کہ اس فعل کو بھی اپنی طرف منسوب نہین کرتا بلکہ کہتا ہے ع اُس فوج مین چلیئے تو اُسے مار کے چلیئے، یا مثلاً جب حضرت عباسؑ، میدان جنگ کو جا رہے ہین تو اُنکی زوجہ، حضرت شہربانو سے کہتی ہین ؎

کہتی ہے رو کے بانوے عالم سے بار بار ہے لونڈیون کے باب مین بی بی کو اختیار	ہم کو تباہ کرتے ہین عباس نامدار کچھ آپ بولتی نہین اس وقت ؟ مین نثار

کہیئے جو روکنے کی کوئی اُسکے راہ ہو
اب عنقریب ہے کہ میرا گھر تباہ ہو

اسی طرح کہتے کہتے، اخیر مین کہتی ہین، ع بی بی مین کیا کرون میرے بچے صغیر ہین
دیکھو بیقراری کی معذرت مین کسقدر حسرت بھری ہوئی ہے - حضرت عباسؑ نے زوجہ کی یہ حالت دیکھی تو ان کو روکا ؎

عباسؑ دیکھتے ہین جو زوجہ کا اضطرار روتے ہین خود، مگر یہ اشارہ ہے بار بار	ہوتا ہے تیر غم جگر ناتوان کے پار شوہر کے غم مین یون کوئی ہوتا ہے بیقرار

آؤ ادب سے دلبر زہرا کے سامنے
روتی ہین لونڈیان کہین آقا کے سامنے

یا مثلاً جب حضرت عباسؑ، حضرت امام حسینؑ کے اصرار اور امتثال امر کی بنا پر دریا سے ہٹ آئے تو حضرت عباسؑ کی شجاعانہ حسرت کو اس طرح ادا کیا ہے -

شجاعانہ حسرت

کہتے تھے راہ مین کہ نہ زور اپنا چل گیا
افسوس ہے کہ ہات سے دریا نکل گیا

یا مثلاً حضرت عباس نے جب حضرت امام حسینؑ سے خیمہ نصب کرنے کے متعلق دریافت کیا ہے تو ؎

کچھ سوچ کر امام دو عالم نے یہ کہا	زینبؑ جہان کہین وہین خیمہ کرو بپا
پیچھے ہٹا یہ سنتے ہی عباس باوفا	جاکر قریب محمل زینبؑ یہ دی صدا

سعادتمند چھوٹا بھائی کس ادب سے بڑی بہن سے خطاب کرتا ہے

حاضر ہے جان نثار امام غیور کا
برپا کسان ہو خیمۂ اقدس حضور کا ؟

یا مثلاً حضرت زینبؑ نے علی اکبر کو حضرت عباس کے بلانے کے لیے بھیجا ہے تو وہ جاکر مودبانہ طریقہ سے حضرت عباس سے کہتے ہین ع چلیے پھوپی نے یاد کیا ہی حضور کو۔

یا مثلاً جب یہ بحث پیدا ہوئی ہے کہ فوج کا عَلَم کسکو دیا جائے تو حضرت عباس کی بیوی اپنے شوہر کا استحقاق اسطرح سے بیان کرتی ہین ؎

خادم شہ دین کے ہین تو عباس علی ہین	اس عہدہ کے لائق جو اگر ہین تو وہی ہین

"جو اگر" غلط ترکیب ہے لیکن مستورات کی زبان کی بعینہٖ نقل کر دینے نے وہ بات پیدا کر دی ہے جو صحیح لفظ سے پیدا نہین ہو سکتی تھی،

اس قسم کی صدہا مثالین ہین۔

بلاغت کا ایک نازک موقع وہان پیش آتا ہے جہان حریف مخالف کا ذکر کرنا ہوتا ہے، دشمن کو اگر حقیر اور ذلیل ثابت کیا جائے تو اسکے مقابلہ مین فتحمندی کا مرتبہ گھٹ جاتا ہے، اور شان و شوکت دکھائی جائے تو مذہبی خیال کے خلاف ہوتا ہے، ایسے مشکل موقع پر میر صاحب جس طرح ان دونون

مشکلون سے عمدہ برا ہوتے ہین، اور مدح و ذم کو پہلو بہ پہلو رکھتے ہین، اس کا اندازہ ذیل کی مثالون سے ہوگا

بالا قد، و کلفت، و تنو مند، و خیرہ سر — روئین تن، و سیاہ درون، آہنی کمر
ناوک پیام مرگ کے، ترکش اجل کا گھر — تیغین ہزار ٹوٹ گئین جس پہ وہ سپر
دل مین بدی، طبیعت بد مین بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

ساتھ اُسکے اور اُسی قد و قامت کا ایک پیل — آنکھین کبود، رنگ سیہ، ابروون پہ بل
بدکار و بدشعار و ستمگار و پُر دغل — جنگ آزما، ہونکتے ہوے لشکرون کے دل
بھالے لیے، کسے ہوئے کمر ستیز پر
نازان وہ حرب گرز پہ یہ تیغ تیز پر

ایک اور موقع پر لکھتے ہین ؎

نکلا یہ سُنکے غیظ مین اک پہلوان روم — گیتی کے چار دانگ مین تھی جس شقی کی دھوم
سرہنگ و پُر غرور و سیہ قلب و نحس و شوم — لشکر ستم ہیں سے ہل گئی، قتل کی مرز و بوم
صاحب تھا کفر و شرک مین طاقت مین گیو تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا

چہرہ مہیب غیظ سے، آنکھین لہو کی جام — تھرّاے سام، خوف سے فاذہب پہ وہ حسام
مُوذی، سیاہ بخت، سیہ دل، سیاہ فام — کہتا تھا لاکھ بل، جو کوئی لے علی کا نام
گندا ستم کے قعر کا، پتلا گناہ کا
دشمن تھا خاندان رسالت پناہ کا

ٹکڑے کرے پہاڑ کو وہ گرز گاو سر — پہنے ہوئے زرہ پہ زرہ، بر مین بدگہر،

زنجیر آہنی سے کسے جنگ پر کمر
منہ پھیرے جس سے تیغ وہ فولاد کی سپر

دستانے دونون دست تعدّی پسند پر
پاکھر بھی آہنی تھی شقی کے سمند پر

ایک اور موقع پر ؎

نکلا اُدھر سے بھیڑ دغا ایک روسیاہ،
زور آور، و تہمتن، و مغرور، و کینہ خواہ
کاندھے پہ گرز، بر مین زرہ، خشمگین نگاہ
سر پر مثال قبضۂ تیغ آہنی کلاہ

آہن شقی کی تھی کہ روان رود نیل تھا
ہیبت مین تھا جو دیو، تو ہیکل مین پیل تھا

واقعات کے بیان مین، بلاغت کا ایک بڑا ضروری اصول یہ ہے کہ کہین سے سلسلۂ بیان ٹوٹنے نہ پاے، جب کوئی واقعہ مختلف اور متعدد واقعات پر مشتمل ہوتا ہے تو ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف منتقل ہوتے ہوے اکثر بیان کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے، یا زائد اور بھرتی کے لفظ لانے پڑتے ہین جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زبردستی ایک واقعہ کا دوسرے سے پیوند لگایا ہے - مرزا دبیر صاحب کے کلام مین اسکی مثالین کثرت سے ملتی ہین، میر انیس کے اکثر مرثیے، بہت سے متعدد واقعات پر مشتمل ہوتے ہین یہان تک کہ اگر اُن پر الگ الگ نظر ڈالی جاے تو معلوم ہوگا کہ ہر واقعہ ایک جداگانہ مرثیہ کا موضوع ہے لیکن تسلسل بیان کا یہ اثر ہے کہ تمام مختلف واقعات ایک مسلسل زنجیر بن جاتے ہین جسکی تمام کڑیان آپس مین ملی ہوئی نظر آتی ہین،

مثلاً حُر کا ایک مرثیہ لکھا ہے - اسمین حسب ذیل مضامین بیان کیے ہین،

حُر کی مدح و صفت - امام علیہ السلام اور اہلبیت کا میدان جنگ مین آنا - دونون طرف کی طیاریان - حضرت امام حسین علیہ السلام کا وعظ اور اتمام حجت کی تقریر - عمر بن سعد کا حُر کی طرف مخاطب ہونا اور دونون کے

سوال وجواب۔ حُر کا امام حسینؑ کی طرف رُخ کرنا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا بزرگانہ استقبال۔ حُر کی عفوخواہی اور امام حسین علیہ السلام کا عفو و کرم۔ حُر کا جنگ کے لئے اجازت طلب ہونا۔ میدان جنگ مین جانا اور شہید ہونا۔ مرنے کے وقت حضرت امام حسین کا حُر کے پاس پہنچنا اور نزع کی گفتگو۔

یہ مرثیہ بہت بڑا ہے اور ہر واقعہ کو نہایت طول دیکر لکھا ہے۔ اسلیئے پورا مرثیہ اس موقع پر نقل نہین کیا جا سکتا، ہم صرف اُن موقعون کے اشعار نقل کرتے ہین جہان جہان ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف انتقال کیا ہے

مرثیہ حُر کی تعریف سے شروع ہوتا ہے۔ تعریف کرتے کرتے لڑائی کا ذکر کرتے ہین، سے

وصف حُر مین ہے زبان معترف عجز و قصور — آمد آمد کی بہادر کا کرون اب مذکور
جب ہوئی مستعد جنگ سپاہ مقہور — مہر افلاک امامت نے کیا رن مین ظہور
غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے
اے فلک دیکھ زمین پر بھی ستارے نکلے

ہو گئے سرخ شجاعت سے رُخِ آلِ نبیؐ — آئی ٹھنڈی جو ہوا بھول گئے تشنہ لبی
رن مین کڑکا ہوا بجنے لگے باجے غضبی — یکہ تازون نے کیا شور مبارز طلبی
ایک گھٹا چھا گئی ڈھالون سے سیہ کارون کی
برق ہر صف مین چمکنے لگی تلوارون کی

برچھیان تول کے ہر غول سے اسوار بڑھے — نیزے ہاتون مین سنبھالے ہوئے خونخوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چِلّون مین کماندار بڑھے — بولے شہ، یان سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے
(یہان سے امام حسینؑ کا وعظ و تلقین کی طرف گریز ہے)
اسدِ حق کے گھرانے کا یہ دستور نہین
مین نبی زادہ ہون سبقت مجھے منظور نہین

یہ سخن کہکے مخاطب ہوئے اعدا سے امام — اے سپاہ عرب و مصر و رَے و کوفہ و شام

تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حجت کو تمام
پسر مصطفٰے ناطق ہون سنو میرے کلام

سخن حق کی طرف کانون کو مصروف کرو
شور باجون کا مناسب ہو تو موقوف کرو

امام حسینؑ کا وعظ نہایت تفصیل سے لکھا ہے اسکے بعد عمر بن سعد اور حرؓ کی مخاصمانہ گفتگو اور سوال و جواب کا بیان کرنا تھا، اسکے لیے ربط کلام کا یہ طریقہ نکالا کہ حضرت امام حسینؑ کے وعظ سے تمام فوج متاثر ہوئی یہان تک کہ عمر بن سعد نے حرؓ کی طرف (ایک افسر فوج کی حیثیت سے) دیکھا کہ یہ کیا رنگ ہے، اسنے کہا امامؑ بالکل سچ کہتے ہین اس طرح دونون مین تکرار اور ردوکد کا سلسلہ شروع ہوا اس موقع کے اشعار یہ ہین ؎

شہ کی مظلومی پہ گریان ہوئی ظالم کی سپاہ
بولا وہ اشہد باللہ بجا کہتے ہین شاہ

عمر سعد نے کی طرف رُخ حرؓ پہ نگاہ
محسن و منعم و آقا ہے میرا وہ ذیجاہ

اُنکے احسان کا کیونکر کوئی منکر ہو جاے
سخن حق مین جو شک لاے وہ کافر ہو جاے

دونون مین دیر تک رد و قدح ہوتی رہی، اب اس واقعہ کے بیان کرنے کا موقع آیا کہ حرؓ نے امام حسین کی طرف رخ کیا اور اُن سے جا کر ملگیا، اسکو یون ادا کیا کہ عمر بن سعد حرؓ سے کہتا ہے کہ خبردار! اگر تو نے اُدہر جانے کا قصد کیا تو پرچہ نویس یزید کو خبر کر دین گے اور تیری جان پر آفت آجاے گی، حرؓ جواب دیتا ہے ؎

عمل خیر سے بہکا نہ مجھے اے ابلیس
کیا مجھے دے گا تیرا حاکم ملعون و خسیس

وہی کونین کا مالک ہے وہی راس و رئیس
کچھہ تردد نہین، کہدے کہ لکھین پرچہ نویس

ہان سوے ابن شہنشاہ عرب جاتا ہون

ے ستمگر جو بنجاتا تھا تو اب جاتا ہون

کھلکے یہ ڈاب سے غازی نے نکالی تلوار
تن کے دیکھا طرف فوج امامِ ابرار
سُرخ آنکھین ہوئین ابرو پہ بل آیا یکبار
پانون رکھنے لگا تن تن کے زمین پر رہوار

غل ہوا سیدوالا کا ولی جاتا ہے
لوطرفدار حسین ابن علی جاتا ہے

کیا دو تین رسالون نے تعاقب ہرچند
کہتے تھے، ہاتھ مین وہ لیکے جو دوڑے تھے کمند
حُر کا ہاتھ آنا تو کیسا؟ نہ ملی گردِ سمند
یہ فرس تھا کہ چھلاوہ، یہ پری تھا کہ پرند

کیا سُبک سوئے چمن بادِ بہاری پہنچی
ہم یہین رہ گئے، وان حُر کی سواری پہنچی

حضرت امام حسینؑ نے عباس علمدار کو حُر کے استقبال کو بھیجا، اسکی تقریب یون پیدا کی ہے ؎

یان ہوے علمِ امامت سے شہِ دین آگاہ
میرے لشکر کی طرف ہے رخِ حُرِ ذیجاہ
سُنکے عباس سے فرمایا کہ اے غیرتِ ماہ
سب سے کہدو کہ نہ روکے کوئی اس شخص کی راہ

جاؤ لینے کو عجب رتبہ شناس آتا ہے
میرا مہمان، میرا عاشق میرے پاس آتا ہے

اسکے بعد حُر کی معذرت خواہی حضرت امام حسینؑ کا عفو، پھر حُر کی طلبی اذن جنگ کو نہایت خوبی اور مُوثر طریقہ سے ادا کیا ہے پورا مرثیہ پڑہو، اور جہان جہان ایک واقعہ کے بعد، دوسرا واقعہ شروع ہوتا ہے، ان پر غور سے نظر ڈالتے جاؤ تو معلوم ہوگا کہ سلسلہ تقریر کے زور سے مختلف واقعات کو کس خوبصورتی سے ایک لڑی مین پرو دیا ہے۔

بلاغت کی جزئیات بلاغت کے جزئی اسالیب، نہایت مختلف الصورۃ ہین اور چونکہ ہر جگہ ایک نئی صورت پیدا ہوتی ہے اس لئے اُن کی کلّیات مشکل سے قائم ہو سکتے ہین، چند مثالون سے

اس کا اندازہ ہوسکے گا۔

مثال ۱، جب امام حسین علیہ السلام کے تمام عزیز و اقارب و رفقا شہید ہو چکے ہین تو اتفاق سے ایک راہرو کا ادھر گذر ہوا، وہ یہ عبرت انگیز موقع دیکھ کر ٹھہر گیا اور امام علیہ السلام سے واقعہ کی کیفیت پوچھنی شروع کی، آپ نے اپنی مظلومی اور دشمنون کی بے رحمی کی داستان سنائی، لیکن اپنا نام نہ بتایا، وہ آپ کا صورت شناس نہ تھا، لیکن قراین سے اس کو اشتباہ ہوتا تھا کہ آپ خاندان نبوت سے تعلق رکھتے ہین، بالآخر اسنے کہا کہ ع اظہار اسم اقدس و اعلیٰ مین کیا ہے باک، آپ نے جو کچھ اور جس طرح جواب دیا اس کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

یہ تو نہین کہا کہ شہ مشرقین ہون	مولا نے سر جھکا کے کہا مین حسین ہون

اس شعر مین بلاغت کے جو نکتے ہین صرف مذاق صحیح اُن کا احاطہ کر سکتا ہے، تاہم جس حد تک بیان مین آسکتا ہے ہم بیان کرتے ہین،

موقع کی حالت یہ ہے کہ حضرت امام حسین اپنا نام اس حیثیت کے ساتھ بتائین جس سے کسی قدر شرف اور فضیلت کا اظہار ہو، تاکہ پوچھنے والا سمجھ سکے کہ یہ وہی امام حسین ہین جن کا وہ غائبانہ دلدادہ اور مشتاق ہے، لیکن امام ممدوح کو خاکساری مانع آتی ہے، وہ اسپر اکتفا کرتے ہین کہ مین حسین ہون، لیکن چونکہ مستفسر قرائن سے اس حد تک پہونچ چکا ہے کہ محض نام لینے سے بھی غالباً پہچان لے گا، اور اس لیے حسین کہنا بھی گویا اپنے آپ کو، امام کہنا ہے، اس بنا پر نام لینا بھی ایک طرح پر شرف اور فضیلت کا اظہار ہے، اس لئے خالی نام لیتے ہوئے بھی آپ شرما جاتے ہین اور شرم سے آپ کی گردن جھک جاتی ہے اس بنا پر شاعر کہتا ہے کہ ع مولا نے سر جھکا کے کہا مین حسین ہون، لیکن شاعر کو جو امام حسین علیہ السلام کی عظمت کے اثر سے لبریز ہے، گوارا نہین ہوتا کہ آپ کا نام اس سادگی سے لیا جائے، اُس کے نزدیک امام علیہ السلام اگر اپنے آپ کو بادشاہ مشرقین کہتے تو یہ کچھ خودستائی نہ تھی، بلکہ محض ایک واقعہ تھا جس طرح

رسول اللہ اپنے آپ کو رسول اللہ کہتے تھے اور یہ خود ستائی نہیں خیال کیجاتی تھی، شاعر کے دل میں حسرت ہے کہ کاش امام نے بیان واقعہ ہی کیا ہوتا، اس کو وہ اس طرح ادا کرتا ہے ع یہ تو نہیں کہا کہ شہ مشرقین ہوں، تاہم اس سے یہ خیال بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کی عالی ظرفی اور شرافت نفس کا یہی اقتضا تھا کہ وہ خاکساری کو بیان واقعہ پر مقدم رکھتے،

اس موقع پر یہ کہے بغیر رہا نہیں جاتا کہ اسی واقعہ کو مرزا دبیر صاحب نے اسطرح باندھا ہے ع فرمایا میں حسین علیہ السلام ہوں، میر انیس اور مرزا دبیر کے موازنہ کی جو بحث ہے، اُس کے فیصلے کے لئے دونوں کے صرف یہ دونوں مصرعے کافی ہیں،

مثال ۲، میدان کربلا میں امام علیہ السلام یزیدیوں سے پہلے پہونچے تھے، اور نہر فرات کے قریب اُترے تھے، یزید کی فوج پہونچی تو رئیس فوج نے امام علیہ السلام کی فوج کو وہان سے ہٹا دینا چاہا اور کہا، کہ ؎

ہم گھاٹ روکنے کے لئے آئے ہیں ادہر	ہے آج شب کو داخلہ شمر کی خبر

اُن کی آمادگی اور شرارت دیکھ کر امام علیہ السلام کے رفقا برہم ہوئے، اس موقع کی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں، ؎

بگڑے ابوثمامۂ وسعد فلک سریر	تو ل زہیر قین نے شمشیر بے نظیر
جوڑا کمان میں، ابن مظاہر نے ایک تیر	بولے اسد کہ زجر کے قابل ہیں یہ شریر

عابس کو غیظ لشکر بدخو پہ آگیا
غصہ سے بل ہلال کے ابرو پہ آگیا

اُلٹی جناب قاسم ذیشان نے آستین	قبضہ پہ ہات رکھکے بڑھے اکبر حسین
بولے پکڑ کے نیچے زینب کے مہ جبین	شیروں سے کیا ترائی کو لینگے اہل کین

ابو ثمامہ ۔ سعد ۔ زہیر قین ۔ اسد ۔ عابس ۔ حضرت امام حسینؑ کے رفقا مین سے تھے، حضرت قاسم بھتیجے، حضرت علی اکبر صاحبزادے، اور حضرت زینب کے صاحبزادے آپکے بھانجے تھے، اس موقع پر بلاغت یہ ہے کہ جن لوگون کو جس قدر امام علیہ السلام سے قرب تھا، اُسی نسبت سے اُنکی طیش و آمادگی جنگ کی حالت دکھائی ہے، ابو ثمامہ اور سعد بگڑ کر رہ گئے، اسد نے کہا کہ یہ زجر کے قابل ہین، عابس کو غصہ آگیا، ہلال کے ابرو پر بل پڑ گئے، زہیر قین نے تلوار تول لی، حضرت قاسم نے آستین اُلٹی، حضرت علی اکبر تلوار کے قبضہ پر ہات رکھ کے آگے بڑھے، زینب کے صاحبزادون نے نیمچے سنبھال لئے، اس فرق مراتب کو اس خوبی سے ادا کیا ہے کہ واقعہ کی تصویر کھینچ دی ہے،

مثال ۳، جب تمام اعزہ اور احباب شہید ہو چکے، اور صرف علی اکبر کا دم باقی رہ گیا، تو دشمنون نے چاہا کہ امام حسین علیہ السلام انکو بھی میدان جنگ مین بھیجین تاکہ بیٹا باپ کی آنکھون کے سامنے خاک و خون مین ملا دیا جائے، اس غرض سے انہون نے اس طرح امام حسین علیہ السلام کو مخاطب کیا، ع

اعدا پکارتے تھے کہ یا شاہ دین پناہ — باقی ہے اور کوئی کہ بس ہو چکی سپاہ
عباس سا تو اب کوئی ہوگا نہ خیر خواہ — بھیجو کسی کو جلد کہ ہم دیکھتے ہین راہ
چُھٹتے دو گل پسر کو شہادت کے باغ سے
کب تک بچائیے گا کلیجہ کو، داغ سے

دنیا سے کوچ کر گئے عباسِ نامدار — اب ایک چراغ ہے لحدِ شیر کردگار
حضرت کا صبر و شکر ہے عالم پہ آشکار — مثل خلیل کیجئے فرزند کو نثار
آہین نہ بھرئیے پیٹ کے سر کو نہ روئیے
جب جانین ہم کہ کھو کے پسر کو نہ روئیے

بھائی کا داغ اور ہے داغ پسر ہے اور — بازو کا درد اور ہے درد جگر ہے اور

قوت بدن کی اور ہے نور نظر ہے اور ۔۔۔ سینہ کا زخم اور ہے درد کمر ہے اور

گر صبر ہے تو گود کے پالے کو بھیجیے
نیزوں میں اپنے گیسوؤں والے کو بھیجیے

دشوار ہے اگر غم فرزند نوجوان ۔۔۔ مرنے کو آپ آئیے اے قبلۂ زمان
مشتاق تیر ہیں تبر و خنجر و سنان ۔۔۔ جان اپنی دیجیے جو ہے پیاری بیٹے کی جان

اصغر سے کچھ غرض ہے نہ اکبر سے کام ہے
ہم کو تو آپ کے سر انور سے کام ہے

ان تمام اشعار میں دشمنوں کی طنز، تعریض، اور لاگ دلا کر علی اکبر کے بھجوانے کو کس بلاغت کے ساتھ ادا کیا ہے، طنز کا سب سے بڑا نکتہ یہ ہے کہ اسمیں واقعیت کا پہلو موجود ہو، کیونکہ سچا طعنہ نہایت سخت اثر کرتا ہے، یہ امر کہ بیٹا بھائی سے زیادہ عزیز ہوتا ہے، ایک بدیہی بات ہے، پھر اس دعوے کو متعدد تمثیلوں سے اور زیادہ قطعی کر دیا ہے یعنی بازو کے درد کو جگر کے درد سے کچھ نسبت نہیں جسم کی طاقت پر آنکھوں کی بصارت کو ترجیح ہے، سینہ کے زخم سے کمر کے درد کو کیا نسبت ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کو حضرت علی اکبر سے پہلے میدان جنگ میں بھیجدیا تھا تو اس وجہ سے بھیجا تھا کہ عباسؑ کسی طرح گوارا نہیں کرتے تھے کہ اُنکے ہوتے علی اکبر پر آنچ آجائے، لیکن دشمن اسکی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ بیٹا بھائی سے زیادہ عزیز ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کی یہ لڑائی دینداری پر مبنی نہیں ہے، ورنہ خدا کی راہ میں بیٹے اور بھائی کی کیا تمیز تھی، بلکہ بیٹے کو خدا کی راہ میں پہلے نثار کرنا تھا جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے کیا تھا، پھر یہ بڑھا دیتے ہیں کہ آپکا صبر اور شکر تو مسلم الثبوت ہے، بیٹے کیلئے یہ بیقراری کیوں؟ ان طنزیہ فقروں میں جن الفاظ سے امام علیہ السلام کو خطاب کیا ہے، بالکل تعریض سے بھرے ہوئے ہیں، شاہ دین پناہ۔ قبلۂ زمان۔ سر انور۔ ان سب الفاظ کے یہ معنی کہ آپ اپنے آپ کو ایسا سمجھتے ہیں۔

مثال ۴۹ واقعہ کربلا کے بعد جب اہل بیت یزید کے دربار مین گئے ہین تو یزید نے اُنسے
اسطرح خطاب کیا ہے، ؎

تخت کے سامنے روتے ہوئے آئے جو اسیر — دیکھ کر سید سجاد کو بولا وہ شریر
سرکشی کرکے نہ سر پر ہوئے مجھسے شبّیر — شکر کرتا ہون کہ خالق نے کیا تمکو حقیر

بیٹھنے کا کہین دنیا مین سہارا نہ رہا
پنجتن اُٹھ گئے اب زور تمھارا نہ رہا

ہان کہو آج حمایت کو پیمبر ہین کہان — کیا ہوئے ابن علی، حیدر صفدر ہین کہان
قید مین اُنکی ہوا آل سے شبّر ہین کہان — ننگے سر زینب دلگیر ہے سرور ہین کہان

ذبح خنجر سے ہوا جو وہ پدر کس کا ہے
اک ذرا غور سے دیکھو کہ یہ سر کسکا ہے

ان اشعار مین یزید کے کفر اور ارتداد کو ایسے بلیغ اور لطیف پیرایہ مین ادا کیا ہے جس سے
زیادہ خیال مین نہین آسکتا، یزید کو تسلیم ہے کہ سید سجاد یعنی امام زین العابدین اور اہل حرم نہال نبوت
کے شاخ و برگ ہین، وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ ان کا جو کچھ زور ہے وہ جناب رسالت پناہ اور آل عبا کے
بل پر ہے، باوجود اسکے اس بات پر مسرت ظاہر کرتا ہے کہ ان کا زور نہین رہا، جس کے یہ معنی
کہ اُسکو خود رسول اللہ کے دنیا مین نہ رہنے کی خوشی ہے، اس پر بھی اکتفا نہین کرتا، بلکہ صاف
صاف کہتا ہے کہ رسول اللہ کہان ہین؟ حسین کہان ہین؟ علی کہان ہین؟ حسن کہان ہین؟ ان سب
پر طرہ یہ کہ ان باتون پر خدا کے احسان کا ممنون ہے کہ اُس نے اہل بیت کو خوار اور حقیر کیا، گویا یہ امر
خود خدا کو پسند اور مرغوب تھا۔ اخیر کا مصرع اک ذرا غور سے دیکھو کہ یہ سر کس کا ہے، بلاغت کی جان
ہے، غور سے دیکھنے کی فرمائش اسلئے ہے کہ امام زین العابدین کے نزدیک حسین اس پایہ کے

شخص تھے کہ اُنکے سر کا کاٹا جانا اور یزید کے دربار مین حاضر کیا جانا، عقل مین نہین آسکتا، اس لئے کہتا ہے کہ شک ہو تو ذرا غور سے دیکھو، ذرا کا لفظ اور زیادہ بلیغ ہے،

مثال ۵،۵

تھرّا رہے تھے سُنکے یہ تاکید خاص و عام
دیکھا کیا شقی یہ نہ حُر نے کیا سلام
چین بر جبین قریب گیا حُرِّ نیک نام
کافر سے کیا جُھکے وہ خدا اسی کو ہے جسکو کام
چین بر جبین قریب جو وہ شیر نر گیا
اللہ رے رعب حق پسرِ سعد ڈر گیا

ڈر کر کہا عمر نے کہ اے حُرِّ نامور
کتنے جوان صفون مین ہین کتنے ہین نیزہ ور
رن مین سوار تیرے رسالے کے ہین کدھر
حُر نے کہا کہ مجھکو کچھ اس کی نہین خبر
دنیا مین زور اپنا ہے اور اپنا ہاتھ ہے
مین ہون کسی طرف نہ کوئی میرے ساتھ ہے

کہنے لگا یہ حُر سے بہ نرمی وہ حیلہ ساز
سر برنہ ہون گے ہم سے کبھی سرورِ حجاز
مدت سے ہے یزید کو تیری وفا پہ ناز
اب بعد فتح اور بھی ہوگا تو سرفراز
دیر اس مین کیا جو امر قریب الوقوع ہو
تو مصلحت جو دے تو لڑائی شروع ہو

جو اس مین تیری راے وہی ہے مجھے پسند
تھوڑے بہت ہین یاورِ سلطان ارجمند
پانی تو تین دن سے ہے سب پر دِسیون پہ بند
پس جائین گے اُٹھاے سوارون نے جب سمند
لشکر مین یان جہد الکمہ دلاور جوان ہین
وان ایک صف ہے جس مین بہتّر جوان ہین

آمادہ قتل شاہ پہ ہین سب جوان و پیر
کیون برچھیان حسینؑ پہ پہلے چلین کہ تیر

کہتا ہے اب سر پسر شاہ قلعہ گیر
حر نے کہا کہ مجھ سے نہ یہ پوچھ اے امیر

انسان کو اختیار ہے خود اپنے کام مین
مجھکو شریک کرتا ہے قتلِ امام مین

یہ وہ موقع ہے کہ حر جو یزید کے رسالہ کا افسر تھا، اس بات پر آمادہ ہو چکا ہے کہ یزید سے ٹوٹ کر امام علیہ السلام کی فوج مین آجائے، یہ خبر سپہ سالار یعنی ابن سعد کو پہونچی تو وہ حر کو طلب کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اسکو رام کرکے اس ارادہ سے روک لے، باوجود اسکے کہ حر کے ارادہ کی خبر سن چکا ہے اور جب حر اُسکے سامنے گیا تو سلام تک نہ کیا، تاہم ابن سعد اس تجاہل کے ساتھ پیش آتا ہے کہ گویا اسکو اس واقعہ کی مطلق خبر نہین، بالکل خالی الذہن ہوکر پوچھتا ہے ع رن مین سوار تیرے رسالے کے ہین کہ حر حر نہایت بے پروائی اور گستاخی سے جواب دیتا ہے، ابن سعد اسکو بھی نظر انداز کرتا ہے اور اس بھرے پر چڑھاتا ہے کہ یزید کو مدت سے تیری وفاداری پر ناز ہے، اسکے ساتھ یہ ثابت کرتا ہے کہ امام علیہ السلام کسی طرح اس معرکہ مین کامیاب نہین ہو سکتے، پھر کس استمالت سے کہتا ہے کہ ؎

ع تو صاحب جود ہے تو لڑائی شروع ہو،

ع جو اس مین تیری راے وہی ہے مجھے پسند،

ع کیون برچھیان حسینؑ پہ پہلے چلین کہ تیر،

گویا کوئی کام حر کے مشورہ کے بغیر کرنا نہین چاہتا۔ اسکے ساتھ یہ ثابت کرتا جاتا ہے کہ امام علیہ السلام کی فوج نہایت کم ہے، کل ایک صف ہے، اور اسمین بھی صرف بہتر جوان ہین، امام سے لڑنے کے لئے کہتا ہے لیکن اُنکا نام جب لیتا ہے تو کبھی سرورِ حجاز، کبھی سلطانِ ارجمند، کبھی شاہ کے لفظ سے خطاب کرتا ہے، یہ بھی استمالت کا ایک پہلو ہے، کیونکہ اگر صاف صاف امام علیہ السلام کی برائی کیجاے تو ڈر ہے

کہ حُر بالکل ہٹنے سے اکھڑ جائے،

مثال ۶، ۵

رخصت طلب ہے شاہ سے اکبر سا لالہ فام		شہزادہ مرنے جاتے سلامت ہے یہ غلام	
لِلّٰہ روکئے نہ اب اسے خواہر امام،		وہ امر کیجئے کہ رہے جس سے میرا نام	

	بیکس ہون ساتھ مان نہین، سر پہ پدر نہین،	
	مین آپ کا غلام تو ہون گو پسر نہین	

یہ وہ موقع ہے کہ حضرت زینبؑ کے دونون صاحبزادے شہید ہو چکے ہین، اور حضرت عباسؑ میدان جنگ مین جانا چاہتے ہین، لیکن حضرت زینبؑ روکتی ہین، حضرت عباسؑ منت اور لجاجت کرتے ہین کہ للّٰہ نہ روکیے۔

اسکے لئے کس قدر بلیغ پیرایہ اختیار کیا ہے، اول تو اُن کو خواہر امام سے مخاطب کیا ہے، حالانکہ وہ حضرت عباسؑ کی بھی بہن تھین اس سے علاوہ اس کے کہ اُن کا احترام مقصود ہے، خفیف سا اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ آپ کو مجھ سے وہ محبت نہین، جو حقیقی بھائی بہن مین ہوتی ہے، اور چونکہ درحقیقت حضرت زینبؑ اُن کی حقیقی بہن نہ تھین، یہ تعریض زیادہ کارگر ہوتی ہے، پھر فرماتے ہین کہ مین بیکس ہون، نہ باپ سر پہ ہے نہ مان ساتھ ہے، سب سے کارگر یہ فقرہ ہے کہ مین آپ کا غلام تو ہون گو پسر نہین، یعنی اگر آپ کا فرزند ہوتا تو مجھکو بھی اسی طرح اجازت دیتین جس طرح اپنے صاحبزادون کو دی اور انہون نے شہادت کی دولت حاصل کی،

مثال ۷، ۵

بیکس ہون مرا کوئی مددگار نہین ہے		تم ہو سو تمھین طاقت گفتار نہین ہے	

یہ وہ موقع ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام، مدینہ منورہ سے روانہ ہو رہے ہین، تمام خاندان کو ساتھ

لیاسہے، لیکن صغریٰ کو باوجود اس کے کہ آپکی چہیتی بیٹی تہین بیماری کی وجہ سے ساتھہ نہیں لیجاتے، صغریٰ نہایت گریہ وزاری کرتی ہین اور ایک ایک سے سفارش کراتی ہین کہ مجھکو بھی ساتھہ لیتے چلیئے لیکن کوئی ہامی نہین بھرتا، اُسوقت علی اصغر سے جو شش ماہہ بچّے تھے، خطاب کرکے کہتی ہین کہ اس وقت میرا اور کوئی مددگار نہین ہے، ایک تم ہو لیکن افسوس تم کو بولنے کی طاقت نہین، تمام لوگون سے مایوس ہوکر ایک بچہ کا سہارا ڈھونڈنا اور پھر یہ خیال کہ وہ بولنے کے قابل نہین، انتہا درجہ کی حسرت اور ناکامی کی تصویر ہے

مثال ۸، ؎

جوشش مین آگیا اللہ کا دریاے کرم	استغاثہ یہ کیا حُر نے جو با دیدۂ نم
حُر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اسدم	خود بڑہے ہاتون کو پھیلاکے شہنشاہ اُمم

شکر کر سبط رسول الثقلین آتے ہین
اے برادر ترے لینے کو حسینؑ آتے ہین

اخیر شعر مین امام حسین علیہ السلام کا نام جس سادگی سے لیا ہے کمال بلاغت ہے، اس موقع پر اگر بہت سے اوصاف کے ساتھہ انکا نام لیا جاتا تو یہ بات حاصل نہوتی، جب کوئی شخص کمالات و فضائل مین انتہا کے رتبہ تک پہونچ جاتا ہے تو اُس کے نام لینے کے ساتھہ اس کے تمام اوصاف اور کمالات خیال مین آجاتے ہین، ان کے سادہ نام لینے سے اسی نکتہ کی طرف اشارہ ہے، نظامی نے بھی ایک موقع پر اس اسلوب کو برتا ہے، دارا نے جب سکندر کو خط لکھا ہے تو سکندر کے دعواے ہمسری پر نہایت تعجب اور افسوس ظاہر کیا ہے، اس موقع پر کہتا ہے، ؎

کہ اسکندر، آہنگ دارا کند	فلک بین چہ ظلم آشکارا کند

دارا نے یہ فرض کیا ہے کہ سکندر کی حقارت اور میری جاہ و عزت اسقدر مسلم عام ہے کہ صرف دونون کا نام لے لینا کافی ہے، چنانچہ کہتا ہے کہ آسمان کا یہ ظلم دیکھو! کہ سکندر، دارا کے مقابلہ کا قصد کرتا ہے، لیکن

یہاں اس طرز بیان کا موقع نہ تھا، اس لیے سننے والون پر کچھ اثر نہین پڑتا۔ دارا کے زمانہ مین ممکن ہے
کہ یہ حالت رہی ہو لیکن آج سکندر کی عظمت و شان اسقدر مسلم ہے کہ سکندر کے محض نام لینے سے
اسکی حقارت کا تصور نہین ہوتا اس لیے شاعر (نظامی) کو چاہیے تھا کہ وہ اوس کی حقارت سے پہلے سکندر کی ذلت
اور حقارت ثابت کرتا تب یہ طریقہ بیان موثر ہوتا۔ یہی موقع فردوسی کو بھی عرب وعجم کے مقابلہ مین پیش آیا۔
چونکہ فردوسی بلاغت کے تمام اصول سے واقف تھا اُسنے سمجھا کہ گو اُس زمانہ مین عرب کی وہی حالت
تھی، لیکن جس زمانہ مین خود فردوسی موجود ہے وہ حالت بدل گئی ہے، یعنی عرب کی عظمت تمام قومون پر
چھائی ہوئی ہے، اس لیے محض عرب کے نام لینے سے سامعین کے دل مین عرب کی حقارت اور ذلت
کا خیال نہین آسکتا اس لیے اُسنے پہلے یہ بیان کیا کہ عرب اونٹ کا دودھ اور گوہ کا گوشت کھایا کرتے
تھے، اس طرح اُسنے عرب کی قدیم حالت کی تصویر کھینچدی اور چونکہ بیان واقعی تھا، اس لیے اس کا
پورا اثر ہوا۔ ؎

ز شیر شتر خوردن و سوسمار	عرب را بجائے رسید است کار
کہ تخت کیان را کند آرزو	تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

اس کے ساتھ عجم کا ذکر تخت کے ساتھ کیا، اور عجم کا نام لیا تو کیان کے لفظ سے جو عظمت و شان پیدا ہوتی
کرتا ہے، اب جب دونون قومون کی ذلت اور عظمت کا نقشہ کھنچ چکا تو یہ الفاظ ع تفو بر تو اے چرخ گردان تفو
آج بھی سامعین کے دل مین انقلاب زمانہ پر حسرت کا وہی اثر پیدا کرتے ہین جو اس وقت عجم کے دلون
مین پیدا ہوا تھا۔

مثال ۹۔ حُر نے جب یزید کی فوج سے الگ ہوکر امام حسین علیہ السلام کی خدمت مین حاضر ہونا
چاہا ہے تو دور ہی سے عفو تقصیر کے لیے اس طرح فریاد کی ہے ؎

ذکر یہ تھا کہ صدا دوست آئی ایک بار	شاباش ستے جو جہان ہوں مختار

مجرم ایسا ہون کہ عصیان کا نہین جسکے شمار — عفو کر عفو کر اے چشمۂ فیضِ غفار

پار دریا سے خطا سے میری کشتی ہوجائے
دوزخی بھی ترے صدقے سے بہشتی ہوجائے

اے مددگار و معین الضعفا اَدرِکنی — اے خبرگیر گروہِ غُربا اَدرِکنی
پانون لغزش مین ہین اے دستِ خدا اَدرِکنی — ہات باندھے ہون ہین اے عُقدہ کشا اَدرِکنی

دیجیئے حر کو سزا سے آزادی کی
آئیے جلد خبر لیجیئے فریادی کی

میرے اعمال مین ہرچند سراسر ہے بدی — ہون گنہگار خدا سے ازلی و ابدی
آپ ہین مالکِ سرکار جنابِ احدی — اے خداوند جہان خُذبِیَدی خُذبِیَدی

جو تہیدست ہین تکتے ہین شہنشاہ کا ہات
آپ کا ہات زمانے مین ہے اللہ کا ہات

پھر جب جناب امام علیہ السلام نے اس کی تقصیر معاف کردی ہے اور کمالِ مہربانی سے پیش آئے ہین تو

حُر پکارا بابی انت و امی یا شاہ — قابلِ عفو نہ تھے بندہ آثم کے گناہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن مین ملجائے یہ راہ — سب ہے صدقہ انہین قدمونکا خدا ہے آگاہ

ہر ذرہ یہ جو ہو نیرِ تابان ہوجائے
آپ جس مور کو چاہین وہ سلیمان ہوجائے

اس موقع پر میر انیس نے اپنی عادت کے خلاف، متعدد عربی جملے استعمال کیے ہین جو اُردو مین بظاہر غریب اور نامانوس معلوم ہوتے ہین، لیکن ان جملون کی وجہ سے اُس وقت کی حالت کی جو تصویر کھنچ جاتی ہے وہ اور کسی طرح ممکن نہین - دعا - استغاثہ اور فریاد کے لیے عربی جملے ایک خاص

اثر رکھتے ہین، اور اس لیئے جاہل سے جاہل آدمی بھی جب دعا مانگتا ہے تو عربی ہی الفاظ استعمال کرتا ہے استغاثہ اور فریاد کے وقت بھی اسی قسم کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہین۔ مثلاً الامان۔ الغیاث چونکہ حُر عربی النسل ہے اس لیئے اس کی زبان سے بعینہ وہ الفاظ جو ان موقعون پر عرب استعمال کرتے ہین، واقعہ کی تصویر کھینچنے کے لیئے زیادہ کارگر ہوسکتے ہین، بابی انت وامی فدا اور قربان ہونے کے موقع پر بولتے ہین، اور یہ فقرہ ایسا موثر اور دلنشین ہے کہ اُردو کا کوئی جملہ وہ اثر پیدا نہین کرسکتا تھا۔

مثال ۱۰ ۔ حضرت عباس کو جب امام حسین علیہ السلام نے فوج کا علم عنایت فرمایا ہے تو حضرت زینبؑ اُن سے فرماتی ہین ؎

گھر مین سلامت آئین گے جب سرورِ امم	تب دونگی تم کو تہنیت عہدۂ علم
ہاتھون کو جوڑتی ہے یہ بھینا اسیرِ غم	کیجیو صلاح صلح کہ لشکر ادھر ہے کم

تم سے بڑی امید ہے زہرا کی جائی کو
بھیّا تمھین سے لے گی بہن اپنے بھائی کو

اخیر شعر مین معمولی طریقہ کلام یہ تھا کہ مجھکو تم سے بڑی امید ہے اور مین امام حسینؑ کو تمھین سے لونگی۔ لیکن حضرت زینبؑ نے اپنے آپ کو زہرا کی جائی کہا، اور پھر کہا کہ بہن اپنے بھائی کو تمھین سے لیگی۔ اس اسلوبِ کلام کے بدل دینے نے جو بلاغت پیدا کی وہ خود ظاہر ہے۔

مثال ۱۱ ؎

پرسا تمھین شہید کا دینے کو آئے ہین	کس کس کے داغ آج جگر پر اُٹھائے ہین
پیٹے ہین، خاک اُڑائی ہے آنسو بہائے ہین	یہ ہم تمھارے لال کے خون مین نہائے ہین

یہ وہ موقع ہے کہ حضرت علی اکبر شہید ہوچکے ہین اور امام حسین علیہ السلام زنانہ مین تشریف لے گئے ہین اور حضرت زینبؑ سے علی اکبر کی شہادت کا واقعہ بیان فرماتے ہین۔ اس موقع پر یہ لفظ "تمھارے لال"

ایک خاص اثر پیدا کرتا ہے، علی اکبر امام حسین علیہ السلام کے صاحبزادے تھے لیکن امام علیہ السلام ان کو حضرت زینبؑ کا لال کہکر خطاب کرتے ہین، اور کہتے ہین کہ ہم جو خون مین نہائے ہین، یہ تمھارے لال کا خون ہے، انسان کو رنج وغم کی حالت مین جب کوئی نہایت قریب کا عزیز ہمدرد اور غم گسار مل جاتا ہے تو جوش محبت مین اُس غم کو اپنی ذات کے ساتھ نہین بلکہ اُسی شخص کی طرف منسوب کرتا ہے، گویا اُس سے ایسی ہمدردی کی امید کرتا ہے کہ وہ واقعہ خود اسی شخص پر پیش آیا ہے، یہان اس طرز بیان نے زیادہ اثر اس وجہ سے پیدا کیا ہے کہ فی الواقع حضرت زینبؑ کو علی اکبر سے نہایت سخت محبت تھی، علی اکبر کو بچپن سے اُنھی نے پالا تھا اور انکو اپنے بیٹون سے زیادہ عزیز رکھتی تھین۔

مثال ۱۲ - جب حضرت عباسؑ نے پانی لانے کے لیئے نہر پر جانا چاہا ہے - تو حضرت زینبؑ نے خطرہ کے لحاظ سے ان کو روکنا چاہا - امام حسینؑ بھی ان کا جانا گوارا نہین کرتے - اُسوقت حضرت عباسؑ کی زوجہ حضرت زینبؑ سے کہتی ہین ؎

بی بی بہلا یہ کون سے وسواس کی ہے بات	کہنے لگی یہ زوجۂ عباسؑ خوش صفات
پھر ننھے ننھے بچون کی ہو کسطرح حیات	مشکیزہ لیکے گر یہ نجائین سوے فرات

ہر وقت کبریا سے طلبگار خیر ہون
آگے جو کچھ سبھون کی رضا مین تو غیر ہون

یہ فقرہ "مین تو غیر ہون" اس موقع پر نہایت موثر اور بلیغ فقرہ ہے - وہ حالانکہ حضرت عباسؑ کی بیوی ہین لیکن اسپنے آپ کو غیر کہتی ہین - یہ اس بات کی تعریض ہے کہ میری بات نہ ماننا، گویا مجھکو غیر سمجھنا ہے۔

مثال ۱۳ - ؎

اس لٹے قافلے کا قافلہ سالار بھی ہون	قید ہون ظلم رسیدہ بھی ہون نادار بھی ہون

یہ وہ موقع ہے کہ ہند (یزید کی بیوی) قیدخانہ کے دیکھنے کے لیئے گئی ہے، وہان امام زین العابدینؑ

کو قید مین دیکھہ کر نام و نسب پوچھا ہے اور امام موصوف نے جواب دیا ہے - اس شعر مین قافلے کے ساتھہ لُٹے کی قید نے نہایت بلاغت پیدا کی ہے - حسرت اور رنج کے اظہار کا یہ انتہائی درجہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ایک ظاہری معزز لقب سے یاد کرتا ہے اور ساتھہ ہی ایک دوسرا لفظ بھی ایسا استعمال کرتا ہے جس سے وہ معزز لقب، اور زیادہ ناکامی اور حرمان ثابت کرتا ہے - امام زین العابدینؑ نے اپنے آپ کو قافلہ سالار کہا لیکن یہ بھی کہدیا کہ لُٹے قافلے کا قافلہ سالار ہون -

مثال ۱۴۱ء

یہ سخن کہہ کے مخاطب ہوے اعدائے امام	تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حجت کو تمام
اے سپاہ عرب و مصر و رے و کوفہ و شام	پسر مصحف ناطق ہون ، سنو مجھہ سے کلام

سخنِ حق کی طرف کانون کو مصروف کرو
شور باجون کا مناسب ہو تو موقوف کرو

تیسرے شعر مین دو مناسب ہو، کے جملہ معترضہ نے نہایت بلاغت پیدا کی ہے چونکہ وعظ اور پند کا موقع ہے اور یزیدیون سے توقع بھی نہ تھی کہ وہ امامؑ کی کسی بات کو جو تحکم کے لہجہ مین کہی جاتی قبول کرتے -- اس لئے اُنھین کی مرضی پر رکھا گیا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو باجون کا شور ذرا موقوف کردو

استعارات و تشبیہات یہ چیزین حُسن کلام کا زیور ہین بلکہ سچ یہ ہے کہ نظم و نثر اور تقریر و تحریر مین جو کچھہ جادوگری ہے بہت کچھہ انھی کی بدولت ہے، لیکن جسطرح ہر چیز جب تک نیچرل حالت مین رہتی ہے اس کا اصلی حُسن قائم رہتا ہے، جب تکلف اور تصنع شروع ہوتا ہے تو اثر مین کمی آجاتی ہے، اسی طرح تشبیہ اور استعارہ مین بھی جب بقصد و تکلف، غرابت اور غیر معتدل ندرت پیدا کی جاتی ہے تو اصلی اثر جاتا رہتا ہے -

اُردو کی شاعری مین جس طرح اور بہت سے بے معنی تکلفات پیدا ہو گئے ہین جنھون نے شاعری کا اصلی جوہر خاک مین ملا دیا ہے، اسی طرح تشبیہات و استعارات کی حالت بھی بالکل بدل گئی ہے، اور لطف یہ کہ

آجکل کے اہل سخن بدمذاقی سے، اسی کو کمال سخن سمجھتے ہین۔

انسان مین فطرۃً یہ بات پیدا کی گئی ہے کہ وہ اشیا کی تصویر سے لطف اُٹھاتا ہے، ایک بدصورت حبشی ہمارے سامنے آئے تو ہم کو نفرت ہوگی، لیکن اگر کوئی ہوبہو اس کی تصویر کھینچدے تو ہم کو لطف آے گا اور جسقدر وہ زیادہ اصل کے مطابق ہوگی اُسی قدر طبیعت پر لطف اور استعجاب کا زیادہ اثر ہوگا چونکہ تشبیہ بھی ایک قسم کی تصویر ہے، اس لئے طبیعت کا اس سے محظوظ اور متلذذ ہونا ایک فطرتی امر ہے۔

تشبیہ کی دو قسمین ہین۔ مفرد۔ مرکّب، مفرد جس طرح چہرہ کو پھول سے تشبیہ دیجاے، مرکب جسطرح کہا جاے کہ میدان جنگ مین گرد اُٹھی تو اُسمین تلوارین اسطرح چمکتی تھین جسطرح شب کو ستارے ٹوٹتے ہین۔

مفرد تشبیہ مین چنداں جدت نہین ہوسکتی اوّلاً تو اسوجہ سے کہ مفرد چیزون کی طرف ہر شخص کا خیال منتقل ہوسکتا ہے، ثانیاً مدت سے شعرا، اور اہل قلم اس قسم کی تشبیہ سے کام لے رہے ہین، اس لئے عالم قدرت مین جو چیزین تشبیہ کے قابل تھین، اکثر کام مین آچکین، مثلاً چہرہ کو پھول۔ آفتاب، مہتاب، آئینہ، سے تشبیہ دے سکتے تھے، سُو سُو سو دفعہ دے چکے، اب عالم فطرت مین کوئی نئی چیز پیدا ہو تو چہرہ کی تشبیہ مین بھی جدت پیدا ہو۔

البتہ مرکّب تشبیہ مین ہر وقت جدت پیدا ہوسکتی ہے کیونکہ اول تو ترکیب کی ہزارون صورتین ہین، دوسرے یہ کہ چند اشیا کی ترکیب سے جو مجموعی ہیئت پیدا ہوتی ہے اُس کی طرف ہر شخص کا خیال نہین منتقل ہوسکتا۔

ایک نکتہ اور سمجھ لینے کے قابل ہے تشبیہ کی اصلی خوبی یہ ہے کہ مشبّہ کی تصویر آنکھون مین پھر جائے اور نیچرل شاعری مین جیسا کہ قدماے عرب کی شاعری تھی، تمام تشبیہین اسی قسم کی ہوتی تھین، لیکن ایک مدت سے ایشیائی شاعری، نیچرل حالت سے دور پڑگئی ہے اس لئے آج اس قسم کی تشبیہات کا ڈھونڈنا بیفائدہ ہے، تاہم تشبیہ کی خوبیان جسقدر میر انیس صاحب کے کلام مین پائی جاتی ہین، اُردو زبان مین ان کی نظیر نہین

مل سکتی، انکی تشبیہات مین جو خصوصیات ہین انکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) اکثر تشبیہات مرکب ہین۔

(۲) اکثر تشبیہات قریب الفہم اور سریع الانتقال الی الذہن ہین، اور یہی تشبیہ کا بڑا کمال ہے۔

(۳) علماے معانی نے لکھا ہے کہ تشبیہ کی غرض کبھی مُشبّہ کی رفعت اور حسن، اور کبھی تحقیر اور ذلت، اور کبھی رعب وہیبت ہوتی ہے، یہ باتین میرانیس کی تشبیہات مین کمال کے درجہ پر پائی جاتی ہین، مثلاً حضرت عباس پر جب ہر طرف سے برچھیان چلنے لگی ہین تو اس حالت کو اس طرح ظاہر کیا ہے ؎

یون برچھیان تھین چار طرف اُس جناب کے	جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

برچھیون سے زخمی ہونا شکست اور مغلوبیت کی حالت ہے اس لئے اس کے بیان کرنے سے ذلت کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس تشبیہ نے حالت بدل دی۔

یا مثلاً جب حضرت عباس کے دونون ہات تلوار سے کٹ کر گر پڑے اور اُنھون نے مشک کو دانتون سے پکڑ لیا تو اس حالت کی تصویر اس طرح کھینچی ہے۔

ع مشکیزہ تھا کہ شیر کے مُنہ مین شکار تھا

مشکیزہ کا مُنہ مین لینا ایک بدنما صورت ہے، لیکن اس تشبیہ نے بدنمائی کے بجاے شان پیدا کردی

یا مثلاً جب تمام اہل بیت ایک ہی رسی مین قید کئے گئے ہین تو اس حالت کو اس طرح بیان کیا ہے ؎

گردنین بارہ اسیرون کی ہین اور ایک رسن	جسطرح رشتہ گلدستہ مین گلہائے چمن

رسی مین باندھا جانا اور وہ بھی ایک ہی رسی مین بظاہر نہایت ذلت کی حالت تھی لیکن تشبیہ نے بدنمائی کو حُسن سے بدل دیا۔

یا مثلاً یہ شعر ؎

مقتل مین کیا ہجوم تھا اُس نور عین پر	پروانے گر رہے تھے چراغ حسین پر

یا مثلاً اُن اشعار مین تشبیہ سے دشمن کی ہیبت اور بدنمائی پیدا کی ہے ؎

کہتی تھی یہ زرہ بدنِ بدخصال مین	پکڑا ہے پیل مست کو لوہے کے جال مین

ع گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا ؎

سینے کے تھے کواڑ کہ خیبر کا بند باب	تنّور گرم تھا شکم خانمان خراب
جوشِ غضب سے سرخ ہوئی چشم نابکار	مثلِ تنور مُنہ سے نکلنے لگا بخار

(۴) محسوسات سے جو تشبیہ دیجاتی ہے نہایت عمدہ خیال کیجاتی ہے، کیونکہ محسوسات رات دن محسوس ہوتے رہتے ہین، اس سلئے اُن کے ذکر کے ساتھہ فوراً اُن کی صورت ذہن مین آجاتی ہے اور اس سلئے مشبّہ کی تصویر بھی آنکھون مین پھر جاتی ہے، اس قسم کی تشبیہات میر انیس کے ہان کثرت سے ہین مثلاً بھاگڑ اور اضطراب کا بیان، ؎

یون روح کے طائر تن و سر چھوڑ کے بھاگے	جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے

تلوار کی تعریف ؎

جوشن کو کاٹ جاتی تھی یون آکے اوج سے	پیراک جس طرح نکل آتا ہے موج سے
کالی وہ ڈانڈا اور وہ چمکتی ہوئی سنان	غل تھا کہ اژدہا ہے نکالے ہوئے زبان

یا مثلاً دو حریف برچھیون سے ایک دوسرے پر وار کر رہے ہین اور برچھیون کی انیان باہم ٹکراتی ہین

ع دو سانپ گتھہ گئے تھے زبانین نکال کے

اسی حالت کی ایک اور تشبیہ،

ع شمعون کی تھین لوین کہ ملین اور جدا ہوئین -

تعزیہ خانے مین لوگون کا سیاہ ماتمی لباس ؎

مردم سیاہ پوش ہین سب اور گھر سفید	جیسے بیاضِ چشم ادھر اور اُدھر سفید

حضرت علی اکبر کا چھوٹا سا نیزہ، دشمن کے بھالے سے ٹکراتا ہے،

ع غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا۔

غیظ اور غضب کی حالت، ؎

یون غیظ تھا عمر کی طلب سے دلیر کو	جس طرح ٹوک دے اکوئی غصہ مین شیر کو

ڈھال پر تلوار کو آسانی سے روک لینا، ؎

یون روکتے تھے ڈھال پہ تیغ جہول کو	جس طرح روک لے کوئی شہزو بھول کو

خزان کے موسم مین پتون کی حالت،

ع پتے برنگ چہرۂ مدقوق زرد تھے۔

(۵) بعض جگہ تشبیہ سے مبالغہ مقصود ہوتا ہے، اس قسم کی تشبیہین میر صاحب کے ہان نہایت اعلیٰ درجہ کی پائی جاتی ہین، اگرچہ فی الحقیقت اُن سے تشبیہ کی اصلی غرض نہین حاصل ہوتی کیونکہ مبالغہ خود ایسی چیز ہے جو اصلیت سے دور کردیتی ہے۔

گرمی کی شدت کا بیان، ؎

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گمان مُنہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان	انگارے تھے حُباب، تو پانی شرر فشان تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبون پہ جان

پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

اب ہم چند اشعار ہر قسم کی تشبیہ کے ایک جا نقل کرتے ہین، جن سے اندازہ ہوگا کہ میر صاحب نے تشبیہ مین کیا کیا لطافتین اور نزاکتین پیدا کی ہین ؎

کُہنی سے دونون ہات جدا تن سے سر جدا	ہر نخل قد کی شاخ جدا اور ثمر جدا

ہر سنگ ریزہ نور سے دُرِّ خوش آب تھا — لہرین جو تھین کرن - تو ہمہ نور آفتاب تھا

ع ہم لوگ زمانہ مین حُباب لب جو ہین

ہلنے لگے درخت لرزنے لگے جبال — سبزہ نہ تھا کھڑے تھے بدن پر زمین کے بال

ع چلنے مین نیزے کانپتے تھے مثل پارے پیر

یہ غیظ تھا عمر کی طلب سے دلیر کو — جس طرح ٹوک دے کوئی غصہ مین شیر کو

(گھوڑے کی تعریف) سرعت مین تھا ہرن تو دغا مین ہژبر تھا — وله — پستی مین سیل تھا تو بلندی مین ابر تھا

پھولون کے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے — وله — تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

اک گھٹا چھا گئی ڈھالون سے سیہ کارون کی — وله — برق ہر صف مین چمکنے لگی تلوارون کی

ع لہراتی ہے کیا نہر مثالِ سیہ مار -

ع افلاک ہنڈولے کی طرح تھے تہ و بالا

یا رب ترا نام پاک جپنے کے لئے — گویا اک ہڈیون کا مالا ہے ان مین

اڑ کر گری زمین پہ سنان اس کمان سے — وله — گرتا ہے جیسے تیرِ شہاب آسمان سے

گرمیان تھی، تو تیغ دم امتحان نہ تھی — وله — یہ طرفہ بات تھی کہ دہن تھا زبان نہ تھی

یون جلوہ گر زرہ مین تنِ سرخ فام تھا — وله — گویا بچھا ہوا چمنستان مین دام تھا

چپ ہون مگر زبان ہے وہی اپنے کام مین — وله — گویا کہ ذوالفقارِ علی ہے نیام مین

ناخن نے دکھایا جو رخ جلوہ گر اپنا — وله — شرما کے مہ نو نے جھکایا ہے سر اپنا

ع رہوار کیا، ہوا پہ سلیمان کا تخت تھا -

(پلکون اور آنکھون کی تشبیہ) ع بیٹھا ہے شیر پنجہ کو ٹیکے ترائی مین

نکلی وہ ڈانڈ اور وہ چمکتی ہوئی سنان — غل تھا کہ اژدہا ہے نکالے ہوئے زبان

ع ذرّے نہ تھے زمین پہ سونے کے پھول تھے۔

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا / تھا موتیوں سے دامن صحرا بھرا ہوا

ع کھلتی تھیں اور حبابوں کی آنکھیں جھپکتی تھیں۔

جل کر کبھی بڑھا کبھی پیچھے سرک گیا / شعلہ تھا آگ کا کہ بجھا اور بھڑک گیا

ع اعدا کا لہو تیغ کی باچھوں میں بھرا تھا۔

تلواریں منہ چھپاتے تھیں سایہ میں ڈھال کے / خنجر بھی رہ گئے تھے زبانیں نکال کے

ولہ — غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے / اے فلک دیکھ زمین پر بھی ستارے نکلے

گھوڑا — ولہ — سیماب تھا زمین پہ فلک پر سحاب تھا / دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

آیا گیا قرس جو سمٹ کر ادھر ادھر / ڈھالوں کا ابر رہ گیا پھٹ کر ادھر ادھر

حملہ غضب ہے بازوے شاہ حجاز کا / لنگر نہ ٹوٹ جائے زمین کے جہاز کا

ڈر سے ہوا فرات کی موجوں کو اضطراب / اور آب میں سروں کو چھپانے لگے حباب

تلوار — کڑیوں سے یوں زرہ کی نکل جاتی تھی شتاب / جس طرح دام سے نکل آتی ہے موج آب

سرکش تھے باد کبر سے جو خانمان خراب / خود ان کے گر کے ٹوٹ گئے صورت حباب

گرمی کی شدت — ولہ — خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب / خیمے جو تھے حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب

تلوار کی ہیبت — ولہ — ہر چند مچھلیاں تھیں زرہ پوش سر بسر / منہ کھولے چھپتی پھرتی تھیں لیکن ادھر ادھر

بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر / تھے تہ نشین نہنگ مگر آب سے جگر

دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے / لیکن پڑے تھے پاؤں میں چھالے حباب کے

ع ہو گیا جوڑ کے ہاتوں کو جلا جل خاموش ۵

تیغون کی کچھ خبر تھی نہ ڈھالون کا ہوش تھا	نیزہ ہر اک سوار کو اک بار دوش تھا
خاک اڑتی تھی منہ پہ حرم شیر خدا کے	تھا چین یہ جبین فرس بھی جھونکون سے ہوا کے

صنائع و بدائع | اگرچہ اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ بعض صنائع ایسے بھی ہین کہ اگر بے تکلفی سے آجائین تو کلام مین حسن پیدا ہوجاتا ہے لیکن عام حالت یہ ہے کہ اکثر صنائع و بدائع شاعری اور انشا پردازی کا دیباچۂ زوال ہین۔

میر انیس جس زمانے مین تھے، شاعری کا مدار صنائع و بدائع پر رہ گیا تھا، مبالغہ، ایہام اور مناسبات لفظی، یہی چیزین شاعری کا کمال خیال کیجاتی تھین، میر انیس کو انھین لوگون مین رہنا سہنا تھا، انھی سے داد سخن لینی تھی، اور زیادہ سچ یہ ہے کہ انھی کی قدردانی پر معاش اور ضروریاتِ زندگی کا انحصار تھا، ایسی حالت مین کیونکر ممکن تھا کہ وہ زمانہ کی حکومت سے آزاد رہتے، وہ جانتے تھے کہ جس شاعری کو وہ زندہ کرنا چاہتے ہین صنائع و بدائع اسکے چہرہ کے داغ ہین، لیکن انہون نے مجبوراً اسکو گوارا کیا، یہ صرف قیاس نہین بلکہ مستند اور صحیح روایت سے ثابت ہے، میرے ایک معزز دوست نے خود میر انیس سے پوچھا کہ کیا آپ لفظی رعایتون اور صنائع و بدائع کو پسند کرتے ہین، انہون نے جواب دیا کہ، نہین، لیکن آخر لکھنؤ مین رہنا ہے،، تاہم میر انیس نے یہ کیا کہ جو صنعتین محض لغو تھین مثلاً صنعت اہمال اور لزوم مالایلزم وغیرہ وہ نہایت کم برتین اور جسقدر برتین ان سے صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ اس جولانگاہ مین بھی وہ بھی حریفون سے پیچھے نہین، باقی صنعتون کو انہون نے اس طرح برتا کہ کلام کی اصلی خوبی یعنی برجستگی۔ صفائی اور سادگی مین فرق نہ آنے پائے۔ ہم اُن تمام صنعتون کی کچھ کچھ مثالین نقل کرتے ہین جو میر صاحب کے کلام مین پائی جاتی ہین۔

ایہام ،، کے یہ معنی ہین کہ ایک لفظ کے دو معنی ہون، ایک معنی مراد ہون، اور دوسرے معنی مراد نہون، لیکن مقدم اور مؤخر الفاظ سے اسکو مناسبت ہو، مثلاً ع اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھون،

رنگ کے دو معنی ہین، ایک تو وہی معمولی رنگ، دوسرے، طرح - قسم - طرز - یہان یہی پہلے معنی مراد ہین، یعنی پھول کے مضمون کو مین سو طرح سے باندہ سکتا ہون، یہان پہلے معنی مراد نہین، لیکن گل سے اسکو مناسبت ہے، یہ صنعت اگر بیساختگی اور بے تکلفی سے برتی جائے تو کلام مین نہایت حسن پیدا ہوجاتا ہے، قدما مین یہ صنعت بالکل متروک تھی، **سلمان ساوجی** نے اسکی ابتدا کی اور اس مین نہایت غلو کیا تاہم اکثر جگہہ نہایت بے تکلفی سے بھی استعمال کیا ہے -

سلمان کے بعد خواجہ حافظ کے کلام مین کہین کہین اسکا پتہ لگتا ہے لیکن پھر کسی نے اسکی طرف توجہ نہین کی، اُردو مین ابتدا ہی سے اسکی طرف میلان رہا، میر انیس کے زمانہ تک اسکو رواج عام ہوچکا تھا، اور یہ صنعت مضمون بندی کی ایک بڑی عمدہ صنعت خیال کی جاتی تھی، میر انیس صاحب نے بھی عوام پسندی کی بنا پر یہ صنعت نہایت کثرت سے برتی ہے لیکن اکثر جگہہ نہایت بے تکلفی سے ادا ہوئی ہے، چند مثالین ذیل مین درج ہین ؎

	جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے بجائے	اقلیم سخن میرے ہی قلمرو سے بجائے
	ہر چند کہ ہون خسرو اقلیم سخن	پر غیر دوات کچھ قلمرو مین نہین
	تعریف مین چشمہ کو سمندر سے ملادون	قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملادون
	کیا خوف ان کو نہر پہ گر روک ٹوک ہے	نیزہ نہین جو پاس تو اس مین بھی نوک ہے
تلوار کی زبان سے	بت توڑ دیئے ہین جو سو دیر گئی ہون	خندق کو تو دو ہاتھ مین مین پہ گئی ہولت

ع چلاتی تھین یہ بیان کہ خدا جان بچائے، (جان جن کو بھی کہتے ہین)

ع دم اور بڑہ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے، (دم خون کو بھی کہتے ہین)

ع سب فوج کی تیغین تھین اور اک شاہ کا دم تھا، (دم تلوار کی باڑہ کو بھی کہتے ہین) ؎

ڈھالون کا دور برچھیون کا اوج ہوگیا	ہنگام ظہر خاتمۂ فوج ہوگیا

کچھ گل فقط نہ کرتے تھے رب علا کی مدح		ہر خار کو بھی نوک زبان تھی خدا کی مدح
کم نہ کچھ مرتبہ آل عبا ہووے گا	وله	عاصیون کا اسی پردہ مین بھلا ہووے گا

ع اک ایک کوس راہ جبل مین پہاڑ تھا،

ع غل پڑگیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی،

ع سر دھڑ سے گر پڑا تو جسد کو خبر ہوئی،

ع ایسا گنہ کیا ہے کہ کچھ جسکی حد نہین، (حد گناہ کی سزا کو بھی کہتے ہین)

ع دریا لہو کا پیر گئی چار ہاتھ مین، ۵

پیدل مین بھی نہ جان، نہ دم تھا سوار مین		ٹوٹی ہوئی صفین تھین بھلا کس قطار مین
ایسا کوئی طفلی مین نمودار نہ ہوگا	وله	ہات ایسا تو جعفر کا بھی طیار نہو گا
اللہ رے سخن کی تیرے تاثیر انیس	وله	رو دیتے ہین مثل شمع جلنے والے
آکر بزم عزاے شہ مین رونا	وله	ہر آنکھ پہ فرض عین ہو جاتا ہے

ع حسرت ہے کہ خواب مین بھی رویا کیجے، (عربی مین رویا کے معنی خواب کے ہین)

ع چپ ہون مگر زبان ہے وہی اپنے کام مین، (کام فارسی مین تالو کو کہتے ہین)

ع آب بقا بھی ہو تو میرے کام کا نہین،

مبالغہ، قدما کے نزدیک مبالغہ اُس حد تک ممدوح تھا کہ کسی وصف کو ایک لطیف پیرایہ مین معمولی حالت سے کچھ بڑھ کر بیان کیا جائے، لیکن جب حد سے بڑھا تو عیب اور نقص ہو گیا، فن بلاغت کے امام، ابن قدامہ نے نقد الشعر مین اسکی مثال مین ابونواس کا یہ مصرعہ نقل کیا ہے -

یا امین اللہ عش ابدا ـــــ اے خدا کے امین! تو ہمیشہ زندہ رہ،

امام موصوف نے لکھا ہے کہ کسی شخص کا ہمیشہ زندہ رہنا ناممکن ہے، اس لئے یہ مبالغہ معیوب

اور قبیح ہے شعراے عرب، اس قسم کا مبالغہ کرنا چاہتے تھے تو پہلے امکان کی شرط لگا دیتے تھے، یعنی اگر یہ ممکن ہوتا تو یون ہوتا، ابو تمام کہتا ہے ؎

ولو انّ مشتاقا تکلف فوق ما — فی وسعہ لمشی الیک المنبر

یعنی اگر کوئی مشتاق اپنی طاقت سے بڑہ کر کام کر سکتا، تو ممبر خود تیرے پاس چلا آتا، لیکن عرب مین بھی جب تکلف، اور تصنع زیادہ بڑھا اور صحیح مذاق مفقود ہوگیا تو مبالغہ کی یہی خوبی رہ گئی کہ مستبعد اور ناممکن ہو، اور جس قدر زیادہ ناممکن ہو، اسی قدر زیادہ اسکا کمال ہے، اب یہ حالت پہونچ گئی کہ سودا گھوڑے کی تعریف مین کہتے ہین ؎

رو برو سے اگر آئینہ کے اس گلگون کو — پھینکدے لیکے کبھی شرق سے تو غرب تلک
ق
استنے عرصہ مین پھر آسے تو اسے باور کر — عکس بھی آئینہ سے ہوئے پیاسے ئنفک

میر انیس کے زمانہ مین، مبالغہ کمال کی حد کو پہونچ چکا تھا اور یہ حالت ہوگئی تھی کہ جب تک مبالغہ مین انتہا درجہ کا استبعاد نہین ہوتا تھا، سامعین کو مزا نہین آتا تھا، مجبوراً میر صاحب نے بھی وہی روش اختیار کی لیکن چونکہ ان کی اصل فطرت مین سلامت روی اور اعتدال تھا، اس لئے اس میدان مین وہ اپنے حریف مرزا دبیر سے بہت پیچھے رہ گئے، اور یہی بات ہے جسکی بنا پر ان کے حریف کہتے ہین کہ وہ خیال بندی اور مضمون آفرینی مین مرزا دبیر کا مقابلہ نہین کر سکتے۔

بہرحال ان کے مبالغہ کا نمونہ یہ ہے، گرمی کی شدت کے بیان مین لکھتے ہین ؎

وہ لون وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تپ — کالا تھا رنگ دہوپ سے دن کا مثال شب
خود نہر علقمہ کے بھی سوکے ہوئے تھے لب — خیمے جو تھے حبابون کے تپتے تھے سب کے سب

سرخی اڑی تھی پھولون سے سبزی گیاہ سے
سایہ کنوین مین اترا تھا پانی کی چاہ سے

آب روان سے منہ نہ اٹھاتے تھے جانور — جنگل مین چھپتے پھرتے تھے طائر ادھر ادھر

مردم تھے سات پردون کے اندر عرق مین تر | خسخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر

گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ مین
پڑ جاین لاکھ آبلے پائے نگاہ مین

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تپ کی تاب | چھپنے کو برق چاہتی تھی دامن سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجون کو اضطراب | کافور صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب

بھڑکی تھی آگ گنبد چرخ اثیر مین
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر مین

شیر اُٹھتے تھے نہ خوف کے مارے کچھار سے | آہو نہ مُنہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے | گردون کو تپ چڑھی تھی زمین کے بخار سے

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بُھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گمان | انگارے تھے حُباب، تو پانی شرر فشان
مُنہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان | تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبون پہ جان

پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

گھوڑے کی تعریف

اس کی ثنا اگر کوئی لائے زبان پر | ساکن جو حرف ہو وہ نہ آئے زبان پر
کل کی طرح اشارے مین سو بار پھیر لو | بجلی ہے جس طرف دم پیکار پھیر لو
کاوے مین شکل گنبد دوار پھیر لو | نقطے کے گرد صورت پرکار پھیر لو

دوڑے بروئے آب تو پُتلی بھی تر نہ ہو
سم

	آنکھوں مین یوں پھر سے کہ مژہ کو خبر نہو	

حُسن التعلیل، یہ ایک لطیف صنعت ہے، اسکی حقیقت یہ ہے کہ شاعر ایک ایسی چیز کو کسی چیز کی علت فرض کرتا ہے، جو درحقیقت اسکی علت نہین، مثلاً ؎

بھلائی جو کرے دنیا مین ہووے وہ پامال	لبسان جادہ کسیکو تو راہ مت بتلا

جادہ یعنی راستہ پامال ہوتا ہے، شاعر اسکی یہ وجہ قرار دیتا ہے کہ راستہ لوگون سے بھلائی کرتا ہے اس لئے پامال ہے، یہ ایک قسم کی تخئیل ہے اور اس لحاظ سے یہ صنعت عین شاعری ہے کیونکہ شاعری درحقیقت تخئیل کا نام ہے، اس صنعت مین اسوقت زیادہ لطافت پیدا ہوجاتی ہے جب وہ وصف بھی جسکی علتِ بیان کرنی ہے تخئیل پر مبنی ہو، مثلاً میر انیس کا یہ شعر ؎

ڈر سے ہوا فرات کی موجون کو اضطراب	اور آب مین سرون کو چھپانے لگے حباب

موجون کے اضطراب، اور حباب کے سر چھپانے کی علت، ڈر اور خوف کو قرار دیا ہے، لیکن موج کا اضطراب، اور حباب کا پانی مین سر چھپانا، خود کوئی واقعی چیز نہین، بلکہ شاعر نے موج کی حرکت کو اضطراب قرار دیا ہے اور حباب جو ٹوٹ جاتا ہے، تو اسکو فرض کیا ہے، کہ اُس نے پانی مین مُنہ چھپا لیا، اس صنعت کو میر انیس نے اکثر جگہہ نہایت خوبی سے برتا ہے،

ع تیغین برہنہ ہوگئی تھین چوم کر نیام، ؎ ی کی شدت

پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی	ولہ	ساحل سے سر پٹکتی تھین موجین فرات کی
یہ حُسن کے تہلکہ صفت اعدا مین پڑ گیا ہر غول مین علم سے علم جھک کے لڑ گیا	ولہ	ٹوٹا یہ مورچہ وہ رسالہ بگڑ گیا جو رہ گیا نشان وہ خجالت سے گڑ گیا
ڈر سے نہ بڑھاتے تھے جو سرکش قدم اپنے	ولہ	تیغین بھی نیامون مین چرا تھین دم اپنے
تھم گیا، طبل وغا کی بھی، وہ آواز کا جوش	ولہ	ہوگیا جوڑ کے ہاتھون کو جلاجل خاموش

ع اکبر سے بھی وغا مین کچھ آگے بڑھی رہی، (حضرت علی اکبر کی تلوار کی تعریف) ؎

ہر چند مچھلیان تھین زرہ پوش سر بسر	مونہہ کھولے چھپتی پھرتی تھین لیکن ادہر ادہر
بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر	تھے تہ نشین نہنگ، مگر آب تھے جگر

دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پانون مین چھالے حباب کے

خاک اڑتی تھی مونہہ پہ حرم شیر خدا کے	تھا چین بجبین فرش بھی جھوکون سے ہوا کے

ع ڈھالون کا یہ عالم تھا کہ چھپتی تھین پس پشت،

صنعت طباق، یعنی دو متضاد یا مقابل چیزون کو یکجا جمع کرنا، میر انیس نے اس صنعت کو اکثر برتا ہے، اور نہایت بے تکلفی کے ساتھ برتا ہے۔

ع کھلتا نہین کچھ آپ نے کیون باندھے ہین ہتیار، ؎

ہات باندھے ہوئے ہین اے عقدہ کشا اور کہین		پانون لغزش مین ہین اے دست خدا اور کہین
میری قدر کر اے زمین سخن	ولہ	کہ مین نے تجھے آسمان کر دیا
یہ فصل اور یہ بزم عزا یادگار ہے	ولہ	پیری کے ولولے ہین خزان کی بہار ہے

ع گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے، ؎

استادہ آب مین یہ روانی خدا کی شان	پانی مین آگ آگ مین پانی خدا کی شان

ع بانو یہ رہے یا وہ ہمین بھول نجانا،

ع فاقے سے تین دن کے مگر زندگی سے سیر، ؎

پانی نہ تھا وضو جو کرین وہ فلک جناب	پر تھی رخون پہ خاک تیمم سے طرفہ آب
نیزہ ہلا کے شاہ پہ آیا وہ خود پسند	مشکل کشا کے لعل نے کھولے تمام بند

ع تو عالم و دانا ہے کہین بیچدان ہون،

ع ثابت ہوا کب صف اول ہوئی آخر،

ع پانی ہے میرے زور کے آگے ہوا کا نہ ڈر،

ع قرآن مین کیا خفی ہے کہ ہم پر جلی نہین ؎

پیچھے کبھی قافلہ سے رہنا نہ انیس		اے عمر دراز! تیری کوتاہی ہے	

ع نیزون سے کہین عقد کشا بند ہوا ہے،

مراعات النظیر، یعنی الفاظ کی رعایت، یہ وہی صنعت ہے جو آج عوام شعرا کا سرمایۂ کمال ہے، اور جسکو مُہذّب ضلع جگت کہہ سکتے ہین، امانتِ لکھنوی، اس شریعت کا پیغمبر ہے، اسکے مصحف کمال کی ایک آیت یہ ہے،

ع بھیڑئے ملتے ہین آنکھین تری گرگابی پر،

منشی امیر احمد صاحب مرحوم فرماتے ہین، ؎

کبوتر ہوتا تھا جانے پہ راضی		تو بھیجا اُسے روغنِ قاز مل کر	

چونکہ عوام کی تسخیر کا سب سے چلتا جادو یہی صنعت ہے، اور چونکہ لکھنو کی شاعری کے رگ و پے مین یہ صنعت سرایت کر گئی تھی، اس لئے میر انیس صاحب کے ہان بھی اسکی بہتات ہے، لیکن اتنی احتیاط ہے کہ ابتذال نہین آنے پاتا اور بعض جگہ تو واقعی اس سے لطف پیدا ہو جاتا ہے، فارسی شعرا نے بھی اسکو برتا ہے لیکن نہایت فصاحت کے ساتھ۔ مثلاً ؎

خواجہ حافظ	تا دلِ ہرزہ گرد من رفت بچینِ زلفِ او		زان سفرِ دراز خود قصد وطن نمی کند	
سلمان	چشم بیمار ترا عین بلا سے بینم		لیکن ابروے تو چیزیست کہ بالاے بلاست	

بہرحال میر انیس کی صنّاعی کے یہ نمونے ہین ؎

جب تک یہ چمک مہر کی پرتو سے بجائے ۔۔۔ اقلیم سخن میری قلمرو سے بجائے

ولہ

ہر نخل برومند ہے یا حضرتِ باری ۔۔۔ پھل ہم کو بھی ملجائے ریاضت کا ہماری

ع آتی ہون مین سرون پہ ذرا فرق فرق سے ، (تلوار کی زبان سے)

ع کیا مورچہ بندی تھی سپئے قتل سلیمان ، ۵

اصغر سے اگر اکبر مہرو نہ ملے گا ۔۔۔ تم ہات سے جاؤ گے تو بازو نہ ملے گا

ولہ

فرماتے تھے حسینؑ کہ او خانمان خراب ۔۔۔ دریا کو خاک جانتا ہے ابن بوتراب

ع آبِ بقا بھی ہو تو میرے کام کا نہین ،

ع یہ پھول کربلا کے بسانے کو آے تھے ،

ع کٹ کٹ گئے وہ سیف زبانی دکھا گئی ، (تلوار) ۵

خالی نہ گیا وار کوئی تیغ دو سر کا ۔۔۔ ہات اُٹھ گئے گر پانون بچا کر کوئی سر کا

ولہ

اس ضعف مین لغزش سے نہ وہ پانون تھے آگاہ ۔۔۔ پایا تھا ثباتِ قدم پاسے یداللہ

محتاجِ عصا ہوئے تو پیری نے کہا ۔۔۔ سب چلیے اب چوبدار مرگ آیا ہے

کونسا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے ۔۔۔ کمین کوثر کے تو چھینٹون مین نہین آیا ہے

ع تہ مین تھے سب نہنگ ، مگر تھی لبون پہ جان ،

ع کافر جو تھا تو ہات بھی مارا جنیو کا ، ۵

اب تک یہ لڑائی کے نہین ڈھنگ سے واقف ۔۔۔ دونون مین نہین ایک بھی جو رنگ سے واقف

ع سب فوج کی تیغین تھین اور اک شاہ کا دم تھا ، ۵

لف و نشر

واللیل والضحیٰ ، رخ روشن خطِ سیاہ ۔۔۔ لعل و غزال و گل ، لب و رخسار و چشم شاہ

ابرو و زلف و رخ شبِ قدر و ہلال و ماہ ۔۔۔ تیر و سنان و زرہ مژہ و سُرمہ نگاہ

چھبتی تھین بھاگی جاتی تھین گرتی تھین خاک پر ۔۔۔ قبضون سے تیغین جسم سے رچھین تھنون سے سر

تفصیل کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر ۔۔۔ پہچون سے ہاتھ شانون سے بازو تنون سے سر

قبضہ سے تیغ بر سے زرہ ہات سے سپر ۔۔۔ برچھی سے پھل کمان سے زہ زین سے تبر

مہملہ وہ طاہر واطہر ہو اگر معرکہ آرا ۔۔۔ معلوم ہو حملہ اسداللہ کا سارا

آگاہ ہو کس طرح کہو عمر کو مارا ۔۔۔ صمصام کا اک وار ہو اکس کو گوارا

واللہ گر اک دم کو وہ صمصام علم ہو
ہر روح کو اُس دم ہوس ملک عدم ہو

کس کا اسداللہ سا ہو والد مرحوم ۔۔۔ حلال جہم مالک کل طاہر و معصوم

صدر دو سرا رحم دل و سرور مہموم ۔۔۔ آسودہ ہر اک سالک و گمراہ و محروم

معصوم کا دلدار ہو سالار امم ہو +
اولاد کا اس عالم و عادل کا الم ہو

اس طرح کا والا ہمم اس طرح کا سردار ۔۔۔ اس طرح کا عالم کا ممد اور مددگار

وہ مصدر الہام احد محرم اسرار ۔۔۔ وہ اصل اصول کرم داور داد ار

حاصل ۔ اگر اک مرد دل آگاہ کو مارا
مارا اگر اس کو اسداللہ کو مارا

تلمیح ، میر صاحب نے اس صنعت کو نہایت خوبی سے برتا ہے ، وہ عربی فقرون کو اس خوبی سے اشعار مین لاتے ہین کہ معلوم ہوتا ہے انگوٹھی پر نگینہ جڑ دیا ہے ہ

حُر پکارا بابی انت و امی یا شاہ ۔۔۔ قابل عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ

ع اے خداوند جہان خذ بیدی خذ بیدی ۔ ۹

انصاف کا اس وقت طلبگار ہون تم سے		ہے کون مراد آیہ لا اسئلکم سے
انھی رانڈون مین ہے اک دخترِ فرزند نبی	ولہ	خوگر سینہ دلبند رسول عربی
آفت فاقہ کشی سے بے پدری تشنہ لبی		دمبدم لب پہ یہ ہے این ابی این ابی
حامی ہو سب کا کون حیات و ممات مین	ولہ	کسکی ثنا ہے سورہ والعادیات مین
کسکے لئے اکملت لکم دینکم آیا		اتممت علیکم کا ملا ہے کسے پایا
ہے انفسنا انفسکم کس سے اشارا		اللہ نے کس گھر مین ستارے کو اتارا

انسانی جذبات یا احساسات

"یہان تک جن محاسن کلام کا ذکر ہوا، وہ شاعری سے نہین، بلکہ بلاغت سے تعلق رکھتے تھے، شاعری جس چیز کا نام ہے، اسکی بحث اب شروع ہوتی ہے"

یہ شاعری کی اصل روح و روان ہے، اور اگر مل صاحب کی راے تسلیم کی جاے تو صرف اسی چیز کا نام شاعری ہے، شاعری درحقیقت مصوری ہے ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مادیات اور محسوسات کی تصویر کھینچنا اسقدر دشوار نہین جسقدر غیر محسوسات، اور غیر مادی اشیا کا نقشہ اُتارنا مشکل ہے ۔ ایک درخت کی تصویر کھینچنی ہو تو کسی قسم کی تخیل اور دیدہ وری کی ضرورت نہین ۔ ٹہنیان ۔ پھل ۔ پھول ۔ پتّے ۔ سب سامنے ہین، اور ہر شخص ان کو محسوس کرسکتا ہے ۔ مصور کا صرف یہ کمال ہے کہ ہر چیز کا پورا نقشہ کھینچدے ۔ لیکن رنج ۔ غم ۔ جوش ۔ محبت ۔ غیظ ۔ بیقراری ۔ بیتابی ۔ مسرت ۔ خوشی، محسوس اور مادی چیزین نہین ہین ۔ آنکھ ان کو محسوس نہین کرسکتی ۔ البتہ دل پر اُن کا اثر ہوتا ہے ۔ لیکن یہ اثر سب پر یکسان نہین ہوتا ۔ اس لئے انکی ہو بہو اور اصلی تصویر اُتارنا مشکل ہے ۔

میر انیس کا اصلی جوہر یہین آکر کھلتا ہے اور یہین اُنکی شاعری کی حد اُن کے ہمعصرون سے بالکل الگ ہوجاتی ہے - انسانی جذبات کی سیکڑون قسمین ہین - اور پہر ہر ایک کے مختلف مراتب اور مدارج ہین - مثلاً جذبات انسانی کی ایک قسم **محبت** ہے - لیکن محبت کے بھی مختلف اقسام اور مدارج ہین - باپ بیٹے کی محبت - بہائی بہائی کی محبت - یار آشنا کی محبت - آقا اور غلام کی محبت وغیرہ وغیرہ - میر انیس کے مرثیون مین نہایت کثرت سے ان جذبات، اور ان کے مختلف مدارج کا ذکر ہے، لیکن جس جگہ جس چیز کو لیا ہے اس کمال کے ساتھہ اسکی تصویر کھینچی ہے کہ اسکا پورا نقشہ آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے -

مثال ۱ - حضرت امام علیہ السلام نے مدینہ سے جب سفر کیا تو تمام کنبہ ساتھہ تہا - لیکن حضرت صغرا چونکہ بیمار تھین، اس لئے انکو ساتہہ نہین لیا ہے - رخصت کے وقت جب گہر مین تشریف لائے تو چاہتے ہین کہ صغرا پر یہ راز ظاہر نہ ہونے پائے - لیکن یہ راز کب چہپ سکتا تھا - بہرحال، حضرت امام حسین ع خود صغرا سے رخصت ہونے کیلئے انکے پاس تشریف لے گئے صغرا کو اصرار ہے کہ مین تنہا نہین رہ سکتی، حضرت سمجھاتے ہین کہ تم اس بیماری کی حالت مین کیونکر چل سکتی ہو - وہ نہین مانتین - اسوقت باپ - بیٹی ماں - بہائی - بہنون پر محبت کا جو اثر ہے، اور جس طرح اسکا اظہار ہوا ہے اسکی تصویر اسطرح کھینچی ہے ؎

یہ کہتی تہی زینب کہ پکارے شہ عادل — تیار ہین دروازے پہ سب ہودج و محمل
طے شام تلک ہوگی کہین آج کی منزل — رخصت کرو لوگو نکو بس اب رونے سے حاصل
چلتی ہے ہوا سرد ابھی وقت سحر ہے
بچے کئی ہمراہ ہین گرمی کا سفر ہے

رخصت کرو اُن کو کہ جو ہین ملنے کو آئے — کہدو کوئی گہوارہ اصغر کو بھی لائے
نادان سکینہ کہین آنسو نہ بہائے — جانے کی خبر میری نہ صغرا کہین پائے
ڈر ہے کہین گہبرا کے دم اُسکا نہ نکل جائے

باتین کرو ایسی کہ وہ بیمار بہلجائے

سنکر یہ سخن بانو نے ناشاد پکاری
غش ہوگئی ہے فاطمہ صغرا مری پیاری

مین لٹتی ہون کیسا سفر اور کیسی سواری
یہ کس کے لئے کرتے ہین سب گریہ و زاری

اب کس پہ مین اس صاحب آزار کو چھوڑون
اس حال مین کسطرح سے بیمار کو چھوڑون

مان ہون مین کلیجہ نہین سینہ مین سنبھلتا
مین تو اُسے لے چلتی پہ کچھ بس نہین چلتا

صاحب مرے دلکو ہے کوئی ہاتھون سے ملتا
رہ جاتین جو بہنین بھی تو دم اُسکا بہلتا

دروازے پہ تیار سواری تو کھڑی ہے
پر اب تو مجھے جان کی صغرا کی پڑی ہے

چلاتی تھی کبرا کہ بہن آنکھین تو کھولو
ہم جاتے ہین تم اُٹھ کے بغلگیر تو ہو لو

کہتی تھی سکینہ کہ ذرا مُنہ سے تو بولو
چھاتی سے لگو باپ کی دل کھول کے رو لو

تم جنکی ہو شیدا وہ برادر نہ ملے گا
پھر گھر مین جو ڈھونڈھو گی تو اکبر نہ ملے گا

ہشیار ہو کیا صبح سے بیہوش ہو خواہر
چھاتی سے لگو اُٹھ کے کھڑی روتی ہین مادر

اصغر کو کرو پیار کلیجے سے لگا کر
ہم روتے ہین دیکھو تو ذرا آنکھ اُٹھا کر

افسوس اسی طور سے غفلت مین رہو گی
کیا آخری بابا کی زیارت نہ کرو گی

سنکر یہ سخن شاہ کے آنسو نکل آئے
مُنہ دیکھ کے بانو کا سخن لب پہ یہ لائے

بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
کیا ضعف و نقاہت ہے خدا اسکو بچائے

جس صاحب آزار کا یہ حال ہو گھر میں
دانستہ میں کیونکر اُسے لیجاؤں سفر میں

کہکر یہ سخن بیٹھ گئے سید خوشخو
بیمار نے پائی گل زہرا کی جو خوشبو
اور سورۂ الحمد پڑھا تھام کے بازو
آنکھوں کو تو کھولا پہ ٹپکنے لگے آنسو

ماں سے کہا مجھ میں جو حواس آئے ہیں اماں
کیا میرے مسیحا مرے پاس آئے ہیں اماں

ماں نے کہا ہاں ہاں وہی آئے ہیں مری جان
دیکھو تو ادہر روتے ہیں بی بی شہ ذیشان
جو کہنا ہے کہہ لو کہ یہاں اور ہے سامان
صغرا نے کہا اُنکی محبت کے میں قربان

وہ کون سا سامان ہے جو یوں روتے ہیں بابا
کھل کر کہو کیا مجھسے جدا ہوتے ہیں بابا

یہ گھر کا سب اسباب گیا کس لئے باہر
دالان سے کیا ہو گیا گہوارۂ اصغر
نہ فرش ہے نہ ہے مسند فرزند پیمبر
اُجڑا ہوا لوگو نظر آتا ہے مجھے گھر

کچھ مُنہ سے تو بولو مرا دم گھٹتا ہے اماں
کیا سبط پیمبر سے وطن چھٹتا ہے اماں

شبیر کا مُنہ تکنے لگی بانوے مغموم
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سید مظلوم
صغرا کے لئے رونے لگیں زینب و کلثوم
پردہ رہا اب کیا تمھیں خود ہو گیا معلوم

تم چھٹتی ہو اسواسطے سب روتے ہیں صغرا
ہم آج سے آوارہ وطن ہوتے ہیں صغرا

اب شہر میں اک دم ہے ٹھہرنا مجھے دشوار
میں پا بہ رکاب اور ہو تم صاحب آزار

پھر آتا ہے وہ گھر مین سفر مین جو ہو بیمار
تکلیف تمھین دون یہ مناسب نہین زنہار

غربت مین بشر کے لئے سو طرح کا ڈر ہے
میرا تو سفر رنج و مصیبت کا سفر ہے

لو چلتی ہے خاک اُڑتی ہے گرمی کے ہین ایام
جنگل مین نہ راحت نہ کہین راہ مین آرام
بستی مین کہین صبح تو جنگل مین کہین شام
دریا کہین حائل کہین پانی کا نہین نام

صحت مین گوارا ہے جو تکلیف گزر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مرجائے

صغرا نے کہا کھانے سے خود ہی مجھے انکار
پانی جو کہین راہ مین مانگون تو گنہگار
کچھ بھوک کا شکوہ نہین کرنے کی یہ بیمار
تبرید فقط آپ کا ہے شربت دیدار

گرمی مین بھی راحت سے گزر جائے گی بابا
آئے گا پسینہ تپ اُتر جائے گی بابا

کیا تاب اگر منہ سے کہون درد ہے سر مین
اُف تک نہ کرون بھڑکے اگر آگ جگر مین
بھولے سے بھی شب کو نہ کراہون گی سفر مین
قربان گئی چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر مین

ہو جانا خفا راہ مین گر روئے گی صغرا
یان نیند کب آتی ہے جو وان سوئے گی صغرا

وہ بات نہ ہوگی کہ جو بے چین ہون مادر
ہر صبح مین پی لون گی دوا آپ بنا کر
دن بھر مری گودی مین رہین گے علی اصغر
لونڈی ہون سکینہ کی نہ سمجھو مجھے دختر

مین یہ نہین کہتی کہ عماری مین بٹھا دو
بابا مجھے فضہ کی سواری مین بٹھا دو

شہ بولے کہ واقف ہے مرے حال سے اللہ
کھل جائے گا یہ راز بھی گو تم نہیں آگاہ
میں کہہ نہیں سکتا مجھے درپیش ہے جو راہ
ایسا بھی کوئی ہے جسے بیٹی کی نہ ہو چاہ
ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہوں صغرا
ہے مصلحت حق یہی جو کہتا ہوں صغرا

اے نور بصر آنکھوں پہ لیکر تجھے چلتا
تپ سے تجھے اور غم سے جگر ہے مرا جلتا
تو مجھ سے بہلتی مرا دل تجھ سے بہلتا
یہ ضعف کہ دم تک نہیں سینے میں سنبھلتا
جز ہجر علاج اور کوئی ہو نہیں سکتا
دانستہ تمھیں ہاتھ سے میں کھو نہیں سکتا

مُنہ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم
ماں کہتی تھی مختار ہیں بی بی شہ عالم
چتون سے عیاں تھا کہ چلیں آپ تو ہے ہم
میرے تو کلیجے پہ چھری چلتی ہے اس دم
وہ درد ہے جس درد کی چارا نہیں صغرا
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغرا

صغرا نے کہا کوئی کسی کا نہیں زنہار
اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے نہ وہ پیار
سب کی یہی مرضی ہے کہ مر جائے یہ بیمار
اک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ فدا سب کے ہیں غمخوار
بیزار ہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا
سچ ہے کوئی مردے سے محبت نہیں کرتا

ہمشیر کے عاشق ہیں سلامت رہیں اکبر
میں گھر میں تڑپتی ہوں وہ ہیں صبح سے باہر
اتنا نہ کہا مر گئی یا جیتی ہے خواہر
وہ کیا کریں برگشتہ ہے اپنا ہی مقدر
پوچھا نہ کسی نے کہ وہ بیمار کدھر ہے

نہ بھائیوں کو دھیان نہ بہنوں کو خبر ہے

کیا ان کو پڑی تھی جو وہ غم کھانے کو آتے
میں کون؟ جو صورت مجھے دکھلانیکو آتے
ہوتی جو غرض چھاتی سے لپٹانے کو آتے
زلفیں جو اُلجھتیں تو سلجھوانے کو آتے

کل تک تو مرے حال پریشان پہ نظر تھی
تقدیر کے اس پیچ کی مجھکو نہ خبر تھی

مانوس سکینہؑ سے ہیں عباسؑ دلاور
میں کون ہوں؟ جو میری خبر پوچھتے آکر
سرسبز رہے خلق میں نوباوۂ شبیرؑ
شادی میں بلائیں مجھے یہ بھی نہیں باور

سب دولہا بنے مُنہ کو چھپاتے ہیں ابھی سے
میں جیتی ہوں اور آنکھ چُراتے ہیں ابھی سے

کس سے کہوں اس درد کو میں بیکس و رنجور
بہنیں بھی الگ مجھسے ہیں اور بھائی بھی ہیں دور
اماں کا سخن یہ ہے کہ بیٹی میں ہوں مجبور
ہمراہی بیمار کسیکو نہیں منظور

دنیا سے سفر رنج و مصیبت میں لکھا تھا
تنہائی کا مرنا مری قسمت میں لکھا تھا

سب بیبیاں رونے لگیں سُن سُن کے یہ تقریر
چھاتی سے لگا کر اُسے کہنے لگے شبیرؑ
لو صبر کرو کوچ میں اب ہوتی ہے تاخیر
مُنہ دیکھ کے چپ رہ گئی وہ بیکس و دلگیر

نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے
اچھا تو کہا مُنہ سے پہ آنسو نکل آئے

بانوؑ کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ
اکبرؑ کو بلاؤ علی اصغرؑ کو بھی لاؤ
آئے علی اکبرؑ تو کہا شاہ نے آؤ
روٹھی ہے بہن تمسے گلے اُس کو لگاؤ

چلتے ہوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کر لو
لینے انہیں کب آؤ گے اقرار تو کر لو

پاس آن کے اکبر نے یہ کی پیار کی تقریر
چلّانے لگی چھاتی پہ منھ رکھکے وہ دلگیر
کیا تجھ سے خفا ہو گئیں صغرا مری تقصیر
محبوب برادر ترے قربان یہ ہمشیر

صدقے ترے سر سے اُتارے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی

رخساروں پہ سبزے کے نکلنے کے میں صدقے
افسوس سے ان ہاتھوں کے ملنے کے میں صدقے
تلوار لئے شان سے چلنے کے میں صدقے
کیوں روتے ہو اشک آنکھوں کے ڈھلنے کے میں صدقے

جلد آن کے بہنا کی خبر لیجیو بھائی
بے میرے کہیں بیاہ نہ کر لیجیو بھائی

پیارے مرے بھیا مرے مہ رُو علی اکبر
یاد آئیگی یہ جسم کی خوشبو علی اکبر
چھپ جائیں گے آنکھوں سے یہ گیسو علی اکبر
ڈھونڈھیں گی یہ آنکھیں تمھیں ہر سو علی اکبر

دل سینے میں کیونکر تہ و بالا نہ رہے گا
جب چاند سے چھپے گا تو اوجالا نہ رہے گا

کیا گزرے گی جب گھر سے چلے جاؤ گے بھائی
تشریف خدا جانے کب لاؤ گے بھائی
کیسے مجھے ہر بات میں یاد آؤ گے بھائی
کی دیر تو جیتا نہ ہمیں پاؤ گے بھائی

کیا دم کا بھروسہ کہ چراغ سحری ہیں
تم آج مسافر ہو تو ہم کل سفری ہیں

بات سچ ہے کہ بیمار کا بستر نہیں جانا
صحت سے جو ہیں اُن میں کہاں میرا ٹھکانا

بھیا جو آپ آنا تو مری قبر پہ آنا — ہم گور کی منزل کی طرف ہونگے روانا

کیا لطف کسی کو نہیں گر چاہ ہماری
وہ راہ تمھاری ہے تو یہ راہ ہماری

ہاں بولی یہ کیا کہتی ہے صغرا ترے قربان — گھبرا کے نہ اب تن سے نکلجائے مری جان
بے کس مری بچی ترا اللہ نگہبان — صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن

کیا بھائی جدا بہنوں سے ہوتے نہیں بیٹا
کنبہ کے لیے جان کو کھوتے نہیں بیٹا

مین صدقے گئی بس نہ کرو گریہ و زاری — اصغر مرا روتا ہے صدا سن کے تمہاری
وہ کانپتے ہاتھوں کو اُٹھا کر یہ پکاری — آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری

چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم
اصغر مری آواز کو پہچان گئے تم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہین سکتی — تپ ہے تمہین چھاتی سے مین لپٹا نہین سکتی
جو دل مین ہے لب پر وہ سخن لا نہین سکتی — رکھ لون تمہین امان کو بھی سمجھا نہین سکتی

بے کس ہون مرا کوئی مددگار نہین ہے
تم ہو سو تمھین طاقت گفتار نہین ہے

معصوم نے جسدم یہ سُنی درد کی گفتار — صغرا کی طرف ہاتھون کو لٹکا دیا اک بار
لے لے کے بلائین یہ لگی کہنے وہ بیمار — جُھک جُھک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار

دنیا سے کوئی دن مین گذر جائیگی صغرا
تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مر جائے گی صغرا

مثال ۲- انھی واقعات کو ایک اور موقع پر لکھا ہے ۵

باتیں یہ ابھی تھیں کہ شہ بحر و بر آئے
دیکھا رخِ ہمشیر کو اور اشک بہائے
ماں بیٹھی تھی صغرا کو جو چھاتی سے لگائے
روتے ہوئے تشریف شہ دیں وہیں لائے
بیٹی شہ ذیجاہ کی تعظیم کو اُٹھی
بستر سے عصا تھام کے تسلیم کو اُٹھی

جلد اُسکے قریب آکے یہ کہنے لگے حضرت
بیٹھو کہ ابھی اُٹھنے کی تم میں نہیں طاقت
اک ضعف کی تصویر ہو ایسی ہے نقاہت
کیوں رات کو کیسی رہی بی بی کی طبیعت
تپ میں جو کراہی تھیں تو گھبرائے تھے صغرا
بیہوش تھیں تم شب کو بھی ہم آئے تھے صغرا

صحت دے تمہیں حق یہی بابا کی دعا ہے
اولاد کو راحت ہو تو جینے کا مزا ہے
اب بادیہ پیمائی ہے ایذا ہے بلا ہے
کیا جانئے شبیر کی تقدیر میں کیا ہے
دل جلتا ہے جب تپ میں تمہیں پاتا ہوں صغرا
اس رنج سے میں اور گھلا جاتا ہوں صغرا

ایسا سفرِ صعب اور اس طرح کا بیمار
ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائے کہیں راہ میں آزار
کیا نرگسی آنکھوں سے نقاہت ہے نمودار
سب زرد ہے ازمانِ حرارت سے تن زار
چہرے پہ کسی روز بحالی نہیں پاتا
سرعت سے کبھی نبض کو خالی نہیں پاتا

دم چڑھتا ہے بستر سے اٹھاتی ہو اگر سر
بی بی کہو محمل میں چڑھا جائے گا کیونکر
گھر میں تمہیں پانی کی پھڑک رہتی ہے دن بھر
پھر کیا ہو کسی دن جو نہ پانی ہو میسر +

تم جانے کے قابل نہین مین رہ نہین سکتا
شب سے ہے وہ تشویش کہ کچھہ کہہ نہین سکتا

گھر مین تمہین چھوڑون یہ نہین دل کو گوارا
بچون مین کوئی تمسے زیادہ نہین پیارا
لیجاؤن تو بچنا نہین ممکن ہے تمہارا
مجبور ہون بے ہجر نہین اب کوئی چارا

فرقت مین سدا نالہ و فریاد کرون گا
اُترون گا جو منزل پہ تمہین یاد کرون گا

صغرا نے کہا آپ کی الفت کے مین قربان
صدقے گئی صحت کا بھی ہوجائیگا سامان
پھر کس کو ہو گر آپ کو لونڈی کا نہ ہو دھیان
مولا کی توجہ ہے ہر اک درد کا درمان

جب پہ نظر لطف مسیح دوسرا ہو
برسون کا ہو بیمار تو اک دم مین شفا ہو

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت
بستر سے مین خود اُٹھ کے ٹہلتی بھی ہون حضرت
تپ کی بھی ہے شدت مین کئی روز سے خفت
پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت

حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہے
اب تو مرے مُنہ کا بھی مزا تلخ نہین ہے

کیون روتے ہو بابا یہ تردد کی نہین جا
پہلے سے کہے دیتی ہون اے سید والا
سب سہل ہے کچھہ مجکو نہین ہونے کی ایذا
مین خانۂ ویران مین نہین رہنے کی تنہا

اب روح مرے جسم مین گھبراتی ہے بابا
ان باتون سے کچھہ بوئے فراق آتی ہے بابا

مرجاؤنگی بچھڑی جو مسیح دوسرا سے
صحت مجھے ہوجائیگی حضرت کی دعا سے

کٹ جائیگا اندوہ سفر فضل خدا سے
ہمسایہ ہی ہین جان آئیگی جنگل کی ہوا سے

سب ساتھ ہین رووُنگی نہ غم کھاؤن گی بابا
لیٹی ہوئی محمل مین چلی جاؤن گی بابا

شہ نے کہا تم حال سے میرے نہین آگاہ
آفت کا ہے بی بی یہ سفر خوف کی ہے راہ
مجبور نکلتا ہون مین اس شہر سے واللہ
بیمار ہو کس طرح سے لیجاؤن تمہین آہ

آزار رسیدہ ہون گرفتار بلا ہون
گھر چھوڑ کے جلادون کی سرحد مین چلا ہون

وہ صعب پہاڑون کا سفر اور وہ کڑے کوس
ایک ایک قدم رنج و الم حسرت و افسوس
دن رات مسافر پہ کبھی دھوپ کبھی اوس
ہوتا نہین جز خار کوئی آکے قدمبوس

آرام کہین راہ مین جانی نہین ملتا
جنگل ہین وہ پرہول کہ پانی نہین ملتا

تھوڑے ہی دنون ہوئیگی کنبے سے جدائی
کی مجھسے نہ گر کوفے کی خلقت نے برائی
پردیس سے آکر تمہین لیجائینگے بھائی
ممکن ہے کہ مین اور نکرون وعدہ وفائی

خوش ہون گا تم اب دل پہ اگر جبر کرو گی
مرجاؤن گا جب مین تو نہ کیا صبر کرو گی

ثابت ہوا صغرا کو یہ کہ اب ہم رہے گھر مین
اک جوش ہوا آنسوؤن کا دیدۂ تر مین
بس پھر گئی تنہائی کی تصویر نظر مین
صدمے سے کھٹک درد کی پیدا ہوئی سر مین

شکل اپنی شب ہجر جو دکھلا گئی اُس کو
کانپا یہ تن زار کہ تپ آگئی اُسکو

تھراتی ہوئی اُٹھ کے گری شہ کے قدم پر
کی عرض کہ مرجاؤن گی یا سبطِ پیمبر
تنہائی مین بابا مرا دل بہلے گا کیونکر
سب بیٹیان ہین کیا مین نہین آپکی دختر
سب آپکے اس گھر مین نہ یا شاہ رہون گی
اچھا مین کنیزون ہی کے ہمراہ رہون گی

سب رونے لگے سنکے یہ بیمار کی تقریر
چلائی سکینہ کہ مین صدقے مری ہمشیر
گھبرا کے یہ فرمانے لگے حضرتِ شبیر
تم بیٹی کو سمجھاؤ کچھہ اے بانوئے دلگیر
کمسن ہین مسافر مجھے تشویش بڑی ہے
دن چڑھتا ہے اور آج کی منزل ہی کڑی ہے

یہ سنتے ہی بس ماں کی تو چھاتی اُمنڈ آئی
چلائی وہ ناشاد کہ ہے ہے مری جائی
زینبؑ نے کہا گھر سے نکلتا ہے یہ بھائی
مرجانے سے کچھہ کم نہین صغرا کی جدائی
گھر لٹتا ہے کس طرح قیامت نہ بپا ہو
پہلا ہے یہ غم آگے خدا جانئے کیا ہو

آغازِ سفر مین تو یہ ماتم ہے یہ کہرام
کیا دیکھین دکھاتا ہے اس آغاز کا انجام
جنگل ہو کہ بستی ہو کہان راحت و آرام
ماں روئے گی بیٹی سے بچھڑ کر سحر و شام
بستی بھی ہے جنگل جو کلیجہ نہو بر مین
بھولے گی وہ چھوڑینگے اکیلا جسے گھر مین

صغرا نے کہا آپ کی باتون کے مین قربان
تم جان بچا لو کہ مین لونڈی ہون پھوپھی جان
بیٹی ہو علی کی مری مشکل کرو آسان
جیتی رہی صغرا تو نہ بھولے گی یہ احسان
کچھہ بات بجز گریہ و زاری نہین کرتین

امان تو سفارش بھی ہماری نہین کرتین

پیاری ہین جو دو بیٹیان وہ جاینگی ہمراہ
بابا کو نہ امان کو نہ بہنون کو مری چاہ
کیا انس کہ مین گور کنارے بھی تو ہون آہ
سب جیتے رہین خیر ہمارا بھی ہے اللہ

بھولے سے نہ اب خاطر ناشاد کرینگے
مین قبر مین جب ہونگی تو سب یاد کرینگے

کیا خلق مین لوگو کوئی ہوتا نہین بیمار
زندہ ہون پہ مردے کی طرح ہو گئی دشوار
ہے کونسی تقصیر کہ سب ہو گئے بیزار
کیون بھاگتے ہین سب مجھے ہے کونسا آزار

حیرت مین ہون باعث مجھے کھلتا نہین اسکا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہون جس کا

تپ کیا مجھے آئی کہ پیام اجل آیا
چھوڑا ہے مجھے سب نے جو سفر کا محل آیا
ہے ہے مری راحت کی بنا مین خلل آیا
کیا خوب مرے نخل تمنا مین پھل آیا

دل سخت کیا مان نے مجھے غم ہے اسی کا
سچ ہے کہ زمانے مین نہین کوئی کسیکا

وہ چاہنے والا ہے مصیبت مین جو کام آئے
اس راہ مین ہمراہ کنیزین تو ہون اے وائے
مین سب کی ہوئی اور کوئی میرا نہوا ہائے
کنبے کی جو ہو چاہنے والی وہی رہ جائے

بیماری مرض مین دوا خوب ہوئی ہے
تجویز مرے واسطے کیا خوب ہوئی ہے

تنہائی مین رونے سے اتر جائیگی یہ تپ
تڑپونگی تو جائیگی یہ اعضاشکنی سب
ہان درد بھی سر مین مرے ہوئیگا نہین اب
بہتر یہی ترکیب ہے نسخہ یہی انسب

کم ہوگی حرارت الم و رنج و محن مین ٭
غم کھانے سے آجائیگی طاقت مرے تن مین

تنہائی مین شدت بھی نہوگی خفقان کی
بیمار کا دل بہلے گا وحشت سے مکان کی

تڑپونگی نہ فرقت مین امام دو جہان کی
شفقت مجھے یاد آئے گی بہنون کی ان کی

فرقت مین مری طرح جگر کس سے سنبہلتا
مین گر مین نہوتی تو یہ گھر کس سے سنبھلتا

سب چاہنے والے ہین کرون کسکی شکایت
بابا کی یہ تقریر ہے بہنونکی یہ صورت

چھوڑا ہمین بس دیکھلی امان کی محبت
بولین نہ پہوپہی جان بھی کچھ واہ ری قسمت

فرقت کا الم مرے کلیجہ کو چھری ہے
سب اچھے ہین گو مری تقدیر بری ہے

عاشق مرے مشہور ہین ہتیا کے مین واری
دو دن سے خبر بھی نہین لی آکے ہماری

قاسم کو غرض کیا جو سنین گریہ و زاری
مین کون ہو سکینہ ہے چچا جان کو پیاری

اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہین ہے
مٹی مری کچھ قبر کو دشوار نہین ہے

اُسوقت محبت مری ہوجائے گی حالی
جب راہ مین خط پڑہ کے کہین گے شہ عالی

لو مر گئی کنبے کی جو تھی چاہنے والی ٭
آباد جو حجرہ تہا وہ اب ہوگیا خالی

قسمت نے سنائی خبر مرگ سفر مین
وہ قبر مین سوئی جسے چہوڑ آئے تھے گھر مین

پہر ہم نہین ملنے کے کوئی لاکھ ہو چہ یا
سب رو کے کہین گے کہ اُسے ہاتھ سے کہویا

عالم سے وہ بیگانہ ہے جو قبر میں سویا
کیا نفع اُسے کوئی گڑھا یا کوئی رویا
پرسے کے لیئے جمع ہوئے لوگ تو پھر کیا
پردیس میں کنبے نے رکھا سوگ تو پھر کیا

یاں ذکر یہ تھا آئے جو روتے ہوئے اکبرؑ
سرخ آنکھیں تھیں اور زرد تھا غم سے رخ انور
چلائی بہن بھائی کی چھاتی سے لپٹ کر
اس سینے کے ان ہاتھوں کے قربان یہ خواہر
فریاد ہے بے موت بہن مرتی ہے بھائی
تقدیر ہمیں تم سے جدا کرتی ہے بھائی

بھیا مری تنہائی پہ آنسو نہ بہاؤ
وہ ذن ہوں کہ پھر خیر سے اس شہر میں آؤ
ہر چند یہ مشکل ہے کہ جیتا ہمیں پاؤ
صدقے گئی پھر آنے کا وعدہ کیئے جاؤ
عرصہ ہو تو خط لکھ کے طلب کیجیو بھائی
اب بیاہ میں مجھ کو نہ بھُلا دیجیو بھائی

رونے کا ادھر غل تھا کہ فضہ یہ پکاری
تیار ہے ناموس محمدؐ کی سواری
دروازے کے نزدیک ہے زینبؑ کی عماری
کیا دیر ہے اب آیئے یداللہ کی پیاری
ہر بار قناتوں کے قریب آتے ہیں عباسؑ
اب جلد سواری ہو یہ فرماتے ہیں عباسؑ

شبیرؑ نے رو کر کہا لو جاتے ہیں صغراؑ
جلد آتے ہیں یا خود تمھیں بلواتے ہیں صغراؑ
ہم سب تری تنہائی کا غم کھاتے ہیں صغراؑ
جان اپنی نہ کھونا تمھیں سمجھاتے ہیں صغراؑ
قربان پدر آب و غذا ترک نہ کیجیو
بڑھ جائے گا آزار دوا ترک نہ کیجیو

بیٹی سے یہ فرما کے چلے قبلۂ عالم
ناموس محمدؐ بھی چلے ساتھ بصد غم
صغرا ابھی چلی جاتی تھی روتی ہوئی باہم
ہمسائیان باندھے ہوئے تھین حلقۂ ماتم
راحت تھی جو سب کو شہ ذیجاہ کے دم سے
اک پیٹتی تھی ایک لپٹتی تھی قدم سے

غل تھا شہ ابرار خدا حافظ و ناصر
رانڈون کے مددگار خدا حافظ و ناصر
اے خلق کے سردار خدا حافظ و ناصر
محتاجون کے غمخوار خدا حافظ و ناصر
دکھ فاقون کی غربت کے الم کس سے کہینگے
مشکل کوئی اب ہوگی تو ہم کس سے کہینگے

صغرا کو نقاہت سے نہ تھی طاقت رفتار
اُٹھی کئی بار اور گری در پہ کئی بار
جس ناقے پہ تھی بانوے ناشاد دل افگار
اُس ناقے کے پاس آکے یہ چلائی وہ بیمار
قربان گئی آخری دیدار دکھا دو
امان مجھے صغرا کو پھر اک بار دکھا دو

مضطر ہوئی سُنکر یہ سخن بانوے بے پر
پردے سے جگر بند کا مُنہ کر دیا باہر
بیٹی سے کہا دست پسر ماتھے پہ رکھکر
لو آخری تسلیم بجا لاتے ہین صغرا
مُنہ زرد ہے رخسارون پہ آنسو بھی بہے ہین
یہ نرگسی آنکھون سے تمھین دیکھ رہے ہین

تھراتے ہوئے ہاتھ اُٹھا کر وہ پکاری
اس ہاتھ کے اس چاند سے ماتھے کی مین واری
آخر کوئی دن مین ہے بس اب موت ہماری
بھیا نہین جینے کی مین فرقت مین تمھاری
جب آکے پھر اس جھولے کو آباد کروگے

تم بھی مری گودی کو بہت یاد کروگے

عباس سے شہ نے کہا اے ثانی حیدر
ماؤں سے کہو کہ بڑھیں اونٹوں کو لیکر

مرجائیگی اب فاطمہ صغرا مری دختر
اسوار یوں کے ساتھ رہیں قاسم و اکبر

احباب جو روتے ہیں تو غم کھاتے ہیں ہم بھی
سب شہر کے ناکے پہ تھمیں آتے ہیں ہم بھی

مثال ۳ - حضرت علی اکبر کی رخصت اور باپ ماں کی حالت سے

مومنو مرنے کو ہمشکل نبی جاتا ہے
کیا الم ہے کہ جگر سینے میں تھراتا ہے

دولت بانو ئے بیکس پہ زوال آتا ہے
داغ بیٹے کا فلک باپ کو دکھلاتا ہے

ماں تڑپتی ہے شہ جن و بشر روتے ہیں
کس جوان بیٹے سے ماں باپ جدا ہوتے ہیں

بیٹا کیا جاتا ہے ہوتا ہے بھرا گھر برباد
کرتے ہیں اپنی جوانی علی اکبر برباد

ہوتی ہے دولت فرزند پیمبر برباد
جان کھوتا ہے پدر ہوتی ہے مادر برباد

داغ اولاد ہے یاں صبر کا مقدور نہیں
پہلے فرزند سے مرجائیں تو کچھ دور نہیں

ایسا بیٹا جسے اٹھارہ برس پالا ہے
تفرقہ چرخ ستمگر نے عجب ڈالا ہے

گھر سے جاتا ہے وہی گھر کا جو اوجیالا ہے
کیا کریں صبر کلیجہ ہی تہ و بالا ہے

دل کی بیتابی ہر اک آن سوا ہوتی ہے
روح ماں باپ کے قالب سے جدا ہوتی ہے

داغ اولاد نہیں آہ اُٹھایا جاتا
ایسا بیٹا نہیں ہاتھوں سے گنوایا جاتا

درد وہ ہے کہ زبان پر نہین لایا جاتا
زخم وہ ہے کہ جگر پر نہین کھایا جاتا

داغ فرزند حسینؑ ابن علیؑ سے پوچھو
نوجوان بیٹے کا غم باپ کے جی سے پوچھو

سوچین سب صاحب اولاد کہ کیا مشکل ہے
پہلے فرزند سے بابا کا جگر گھائل ہے
تا کجا صبر کہ ماں باپ کا آخر دل ہے
زخم اکبرؑ نے نہین کھائے یہ ماں بسمل ہے

پار جب سینے سے برچھی کی انی ہووے گی
کیا غضب ہووے گا کیا سینہ زنی ہووے گی

باندھتا ہے وہ کمر اور کمر شاہ ہے خم
شان سے شانے پہ رکھتا ہی کمان وہ ضیغم
تیغ سجتا ہے پسر باپ کے دم مین نہین دم
تیر غم لگتے ہین مادر کے جگر پر پیہم

تن پہ چار آئینہ سجنے کا وہان سامان ہے
چار پارا ہے جگر ماں کا پدر حیران ہے

واقعی دولت اولاد عجب دولت ہے
نوجوان بیٹے کا مرنا بھی بڑی آفت ہے
اُسکو راحت ہے تو ماں باپ کو بھی راحت ہے
زندگی تلخ ہے پھر جینے کی کیا لذت ہے

اُسکا دل دیکھو چھٹے باپ سے جس کا بیٹا
اور بیٹا بھی تو ہمشکل نبیؐ سا بیٹا

ہین حسین ہمکتی اٹھارہ برس کا ہے سن
رنج مین کاٹی ہین دکھ درد کی راتین گن گن
منتین مانی ہین مادر نے مرادو کے ہین دن
پالنے والی کو چین آئے گا کیونکر اُس بن

ماں کو حسرت ہے دلہن بیاہ کے گھر لانے کی
فکریان عین جوانی مین ہے مرجانے کی

ماں کو منظور ہے جاوے نہ کہیں نورِ نظر
اور فرزند کو درپیش ہے دنیا سے سفر
باپ کو غم ہے کہ چھٹتا ہے برابر کا پسر
سیدہی ہوسکتی نہین خم ہوی جاتی ہی کمر

بہائی کے واسطے قاسمؑ کی دُلہن روتی ہے
پکڑے دامانِ قبا چہوٹی بہن روتی ہے

رن کو جانے کیلیے بانوؑ کے جاے ہین کہڑے
شوق سے جنگ کا ہتیار لگائے ہین کہڑے
ہاتہ جوڑے ہوئے گردن کو جہکائے ہین کہڑے
ماں سے مرنے کیلیے آنکہہ چرائے ہین کہڑے

شاہ خاموش ہین پر بول نہین سکتے ہین
کبہی بانوؑ کا کبہی بیٹے کا مُنہ تکتے ہین

دل سے فرماتے ہین یہ دیکہیے اب ہوتا ہی کیا
بانوؑ دیتی ہے کہ بیٹے کو نہین دیتی رضا
صبر کی جا نہین ہوتا ہے پسر ماں سے جدا
اب خدا خیر کرے ہے یہی مرجانے کی جا

جسم کانپے گا قلق ہوگا غش آجائے گا
حرفِ رخصت کا نہ بانوؑ سے سُنا جائے گا

بانوؑ کہتی ہے کہ کیا کہتے ہین اکبرؑ یا شاہ
انکے جو دل مین ہے کچہہ آپ ہین اُس سے آگاہ
دیکہتی ہون مین کہ حضرت کی بہی حالت ہے تباہ
ماجرا کیا ہے یہ کچہہ مجہسے تو کہیے للہ

مُنہ سے کچہہ کہتے نہین پاسِ ادب کرتے ہین
کون سی چیز ہے جو ماں سے طلب کرتے ہین

شاہ فرماتے ہین بانوؑ سے کہ ای نیک نہاد
رازدان ہوتی ہے ماں بیٹے کی بابا سے زیاد
پوچہو اکبرؑ سے کہین گے جو کچہہ انکی ہے مراد
حق نہ ماں باپ کو دکہلائے فراقِ اولاد

تہا مقدر مین کہ سب ہووین جدا ہم دیکہین

اب بہی اُٹھہ جائین جہان سے تو نہ یہ غم دیکہین

سنکے یہ بانو نے فرزند سے پوچھا رو رو
کیا کہا چاہتے ہو ماں سے تو اے لال کہو
ہاتھہ کیون جوڑے ہو ان ہاتھون کے ماں صدقے ہو
کہا اکبرؑ نے رضا مرنے کی اماں ہمین دو

صبر فرماؤ کہ اب تم سے جدا ہون گے ہم
دودہ بخشو ہمین بابا پہ فدا ہون گے ہم

یہ سخن سنتے ہی فرزند سے ماں ہوگئی زرد
دہیان آیا کہ چلا ہائے پسر ہہر بے درد
مردنی پہر گئی چہرے پہ اُٹہا دل مین درد
دیکہہ منہ بیٹے کا کہنے لگی بہر کر دم سرد

تم سے بچہڑون گی تو واری مین کدہر جاؤنگی
پہر نہ رخصت کا سخن کہنا کہ مر جاؤن گی

کہا اکبرؑ نے کہ بہتر ہے نہ دیجے رخصت
خیر مرنے کو نہ جادین گے نہ کیجے رخصت
میرے بابا سے ہوئے بہائی بہتیجے رخصت
مجکو بہی دہیان یہ تہا آپ سے لیجے رخصت

ماں سے فرزند کو تکرار کا یارا کیا ہے
تابع حکم ہین ہم زور ہمارا کیا ہے

سب نے قربان کئے زہراؑ کے پسر پر فرزند
کٹ گئے تیغون سے کس کس کے جگر کے پیوند
مین نے چاہا تہا کہ ہو آپ کا بہی نام بلند
پر تعجب ہے کہ آئی نہ مری عرض پسند

مدعا طلبی

آپ کہتی ہین بچاؤ تو بچا دین گے ہم
اپنے ہمچشمون کو پہر منہ نہ دکہا دین گے ہم

جائیے گا سوئے یثرب تو بچائے گا غلام
کام بابا کے نہ آئے تو وطن سے کیا کام
خیمے کے لوٹنے کو آئے گا جب لشکر شام
قید ہم ہون گے کہ لڑنے کا ہی ہے ہنگام

آبرو پاتے جو سر تیغ سے کٹواتے ہم
طوق و زنجیر کی ایذا سے بھی چھٹ جاتے ہم

آج جو مرتے تو داخل شہدا میں ہوتے
پائنتی باپ کے آرام سے رن میں سوتے
لاش پر کہتے ملک ہائے علیؑ کے پوتے
حشر تک ہم کو عزادار جہاں میں روتے

جو ہے منظور ہمیں آپ کو منظور نہیں
اب بھی فرماؤ تو میدان وغا دور نہیں

بولی ماں ہو گئے آزردہ میں واری بیٹا
گلہ آمیز یہ باتیں ہیں تمھاری بیٹا
باپ پیارا ہے تمھیں ماں نہیں پیاری بیٹا
دھیان اپنا ہے نہیں فکر ہماری بیٹا

پہلو بابا کا تو آباد کیا چاہتے ہو
پالنے والی کو برباد کیا چاہتے ہو

علی اکبر میری محنت کی طرف دھیان کرو
اماں واری مری بستی کو نہ ویران کرو
چھوڑ کر ماں کو نہ تم کوچ کا سامان کرو
پھر فدا ہو جیو پہلے مجھے قربان کرو

مر سے جیتے نہ قدم گھر سے نکالو بیٹا
اپنی مادر کا جنازہ تو اُٹھا لو بیٹا

ماں کی تقریر سے مایوس ہوئے جب اکبرؑ
اشک آنکھوں سے بہے چاند سے رخسار و پر
رکھ دی تلوار لگے کھولنے ہاتھوں سے کمر
باپ تو گھبرا گئے ٹکڑے ہوا زینبؑ کا جگر

لے کے بیٹے کی بلائیں کہا کیوں روتے ہو
لو نہ روکونگی میں کاہے کو خفا ہوتے ہو

رو کے کہنے لگے بیٹے سے امام خوشخو
ماں تو دیتی ہے رضا مرنے کی آزردہ نہو

پھر کہا بانو سے اب مرنے کی رخصت انہیں دو
تھا مقدر میں یہی صبر کرو شکر کرو

یہ دعا مانگو کہ تڑپے نہ کلیجا میرا
آزماتا ہے مرے صبر کو مولا میرا

تمنے اٹھارہ برس کھینچے ہیں گو رنج و تعب
بانو پر خواہش تقدیر سے ناچار ہیں سب
اس کا ہیں کون ہوں تم کون ہو جو مرضی رب
زور کیا ہے جسکی امانت تھی وہ کرتا ہے طلب

اب نہیں جینے کے عمر اتنی ہی یہ لائے تھے
خلق میں داغ دکھانے کو ہمیں آئے تھے

شہ نے سمجھایا تو بانو نے کہا رو رو کر
کیوں مگر کہتے ہو غصے سے صدقے جاؤں
ماں سے چلتے ہوئے آزردہ نہ جاؤ اکبر
خیر جو مرضی ہے اچھا کرو دنیا سے سفر

اب تو راضی ہوئے مادر سے میں واری بیٹا
آگے آؤ کہ بلائیں لوں تمہاری بیٹا

سنکے ماں سے یہ سخن قدموں پہ فرزند گرا
عرض کی آپ سے روٹھوں مرا مقدور ہے کیا
ماں نے چھاتی سے لگا کر کہا صدقے بیٹا
جاؤ رخصت ہی کیا دودھ بھی تمکو بخشا

غم نہ کھانا کہ یہ ماں رو رو کے مرجائے گی
ساتھ دو باپ کا ماں کی بھی گذر جائیگی

کہکے یہ روئی جوان بیٹے کو چھاتی سے لگا
غل ہوا بانو نے دی مرنے کی اکبر کو رضا
خاک پر سید سجاد نے سر دے پٹکا
رو کے چلانے لگیں بہنیں کہ ہے ہے بھیا

کچھ زبان سے علی اصغر جو نہ کہہ سکتا تھا
جھولے سے رو رو کے بھائی کی طرف تکتا تھا

کہتی تھی پیٹ کے سر زینب مضطر ہے ہے
بانو لوٹی گئی برباد ہوا گھر ہے ہے
نوجوان مرنے چلا بھائی کا دلبر ہے ہے
ہم سے پردیس میں چھوٹے علی اکبر ہے ہے
پاس کوئی نہیں تنہا شہ مظلوم ہوئے
ہائے نانا کی زیارت سے بھی محروم ہوئے

چھوڑ کر روتا انہیں خیمے سے اکبر نکلے
پر عجب حال سے ہمشکل پیمبر نکلے
پیچھے فرزند کے روتے ہوئے سرور نکلے
مڑ کے تکتے تھے کہ خیمے سے نہ مادر نکلے
ماں کے رونے کی جو کانوں میں صدا آتی تھی
ٹکڑے ہوتا تھا جگر چھاتی پھٹی جاتی تھی

در پہ موجود سواری کو جو تھا اسپ عقاب
فدوی اسوار ہو لیجائیں جو تشریف جناب
جوڑ کر ہاتھ کہا شاہ سے باچشم پرآب
بولے شہ تم چڑھو گھوڑے پہ میں تھاموں گا رکاب
باپ نے پاؤں کو گر ہاتھ لگایا تو کیا
کاندھے پر چڑھتے تھے گھوڑے پہ چڑھایا تو کیا

مثال ۴۔ حضرت امام زین العابدینؑ اپنے بھائی علی اکبرؑ کو رخصت کر رہے ہیں

فضّہ سے کہا، کیا ہوا؟ کیسی ہے یہ زاری
شبّیر اکیلے ہیں، غضب ہو گیا، واری
سر پیٹ کے وہ خادمہ خاص پکاری
اب جاتی ہے رن کو علی اکبر کی سواری
ماں خاک اڑاتی ہے، پھوپی غش میں پڑی ہیں
سب بی بیاں حلقہ کیے گرد انکے کھڑی ہیں

فرمایا عصا لا کہ برادر سے مل آئیں
دریائے شہادت کے شناور سے مل آئیں
غازی سے مجاہد سے دلاور سے مل آئیں
شبّیر کے پیارے علی اکبر سے مل آئیں

بھائی کا نہین کوچ یہ رخصت ہے نبیؐ کی
ہم آپ چلین گے کہ زیارت ہے نبیؐ کی

فِضّہ نے عصا دے کے، جو بازو کو سنبھالا
خم ہو گیا تھا، درد کمر سے قد والا
بستر سے اٹھا کانپ کے وہ گیسوؤن والا
تھرا کے پڑا پاون کہین، اور کہین ڈالا

اشک آنکھون سے بہتے تھے، گریبان قبا پر
ہر بار ٹھہر جاتے تھے، سر رکھ کے عصا پر

آواز حزین تھی کہ میری جان برادر
ہم آتے ہین ٹھہرے رہو، اک آن برادر
بیمار برادر ترے قربان برادر
ذی قدر برادر، مرے ذیشان برادر

بھائی سے بغلگیر تو ہوتے ہوئے جاؤ
ہم روئین تمہین، تم ہمین روتے ہوئے جاؤ

عابدؑ کی طرف دیکھ کے دوڑے علی اکبرؑ
سجادؑ نے فرمایا کلیجے سے لگا کر
آنکھون کو ملا ہاتھون سے قدمون پہ رکھا سر
گردن ہین، مرے ڈال دو باہون کو برادر

شانے کے قرین، زلف معنبر رہے، بھائی
چہرہ مرے چہرہ کے برابر رہے، بھائی

اے روشنی خانۂ زہراؑ ترے صدقے
اے تشنہ لب، اے بیکس و تنہا ترے صدقے
اے باپ کے عاشق، مرے شیدا ترے صدقے
اے رہرو فردوس معلا، ترے صدقے

گھر آج اُجڑتا ہے، لُٹے جاتے ہین بھائی
ہم قافلہ والون سے چھٹے جاتے ہین بھائی

مثال ۵۔ حضرت امام حسینؑ بہن، بیٹی، اور بیوی سے رخصت ہوتے ہین۔

روتے ہوئے حرم مین گئے قبلۂ انام
تر تھی لہو سے لخت جگر کی قبا تمام
رخ زرد دل مین درد بدن سرد تشنہ کام
طاقت نہ قلب مین نہ بدن مین لہو کا نام

یہ درد تھا بکا مین کہ دل ٹکڑے ہوتے تھے
یہ حال تھا کہ رونے پہ دشمن بھی روتے تھے

پیارے نہ تھے حسینؑ علیہ السلام کے
لائی حرم سرا مین بہن ہاتھ تھام کے
تھرا رہے تھے پاؤن شہ تشنہ کام کے
سر دوش پر تھا زینبؑ عالی مقام کے

فرماتے تھے بہن علی اکبرؑ گذر گئے
ہم ایسے سخت جان تھے کہ ابتک نہ مر گئے

پرسا تمہین شہید کا دینے کو آئے ہین
کس کس کے داغ آج جگر پر اُٹھائے ہین
پیٹے ہین خاک اُڑائی ہے آنسو بہائے ہین
یہ ہم تمہارے لال کے خون مین نہائے ہین

سر تھا حسینؑ بیکس و تنہا کی گود مین
بیٹے کی جان نکلی ہے بابا کی گود مین

سر بار دوش ہے ہمین رخصت کرو بہن
اب عنقریب خیمہ عصمت ہین تیغزن
مردے پڑے ہوئے ہین عزیزون کے بےکفن
پامال ہو نہ لاشۂ فرزند صف شکن

محجوب ہم ہین قاسمؑ بے پر کی روح سے
شرمندگی ہو علی اکبرؑ کی روح سے

یہ سُنکے بی بیون کے جگر پر چھری چلی
زینبؑ زمین پہ گر کے پکاری کہ یا علیؑ
سرورؑ خفی جہان کے ہین سب آپ چلی
جاتا ہے سرکشون مین یہ کونین کا ولی

بیکس کو آسرا ہے پسر کا نہ بھائی کا

آقا ابھی تو وقت ہے مشکل کشائی کا

صدقے گئی پسر کے بچانے مین کد کرو — فرزند فاطمہ کی بلاؤن کو رد کرو
دریا کو چھین لو حق زہرا سند کرو — یا شیر حق مقام مدد ہے مدد کرو
پانی پہ جنگ آگ لگی ہے یہ دھر مین
حصہ پسر کا کیا نہین مادر کے مہر مین

یا مصطفی بلا مین پہنسا ہے تمہارا لال — یا شیر ذوالجلال دکھاؤ انہین جلال
یا فاطمہ مین لٹتی ہون بکھراؤ سر کے بال — یارب الٹ دے آج یہ سب عرصۂ قتال
پھر کیا کسی سے کام ہے سب سے جدا رہون
بھائی کو اپنے لے کے مین جنگل مین جا رہون

فرمایا شہ نے صبر بہن چاہیے تمہین — خالق کی یاد سترِ علیٰ چاہیے تمہین
لب پر رضا رضا کا سخن چاہیے تمہین — جو مان کا تھا چلن وہ چلن چاہیے تمہین
ہر بار پوچھتے تھے سبب آہِ سرد کا
شکوہ کیا علیؑ سے نہ پہلو کے درد کا

یہ سچ کہ تمکو مجھسے محبت ہے اے بہن — کیا کیجیے ناگزیر یہ فرقت ہے اے بہن
پیارے تمہارے بھائی کی رخصت ہے اے بہن — دنیا مقام رنج و مصیبت ہے اے بہن
بہولے نہ یاد حق کبھی گو حال غیر ہو
اسکی ظفر ہے خاتمہ جس کا بخیر ہو

دیکھا یہ کہکے بالی سکینہؑ کو پاس سے — لپٹی وہ دوڑ کر شہ گردون اساس سے

ه یعنی پوشیدہ و ظاہر ۱۲

طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند پیاس سے
بولی وہ تشنہ کام شہ حق شناس سے

کیا اس بلا کے بن سے تہیہ سفر کا ہے
صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہے

فرمایا شہ نے ہان سفر ناگزیر ہے
آؤ گلے لگو کہ یہ صحبت اخیر ہے
اب آرزوے قرب خدائے قدیر ہے
تنہا ہین ہم سپاہ مخالف کثیر ہے

طے ہو یہ مرحلہ جو اعانت خدا کرے
جسکا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے

سُنکر مصیبت پدر بیکس و حزین
بولی بلائین باپ کی لیکر وہ مہ جبین
نکلو بلا کے بن سے کہین یا امام دین
آقا سوا حضور کے میرا کوئی نہین

صدقے گئی مدینے چلو یا نجف چلو
للہ ساتھ لے لو مجھے جس طرف چلو

شہ نے کہا کہ بند ہین راہین پدر نثار
پھیلی ہوئی ہے چار طرف فوج نابکار
پیدل نکلنے پاتا ہے ناکون سے نہ سوار
اس دشت کین مین قید ہے احمد کا یادگار

قاصد جو میرے نام کا خط لیکے آتے ہین
سر کاٹ کر درختون مین لٹکائے جاتے ہین

عمو تمہارے چھوڑ گئے ہمکو جان بلب
بی بی قدم سپہ گر کے ہمین کون روکے اب؟
تلوارین چل گئین سینۂ قاسم پہ بے سبب
مرنا شباب مین علی اکبر کا ہے غضب

تھے جتنے زندگی کے حلاوت وہ چھٹ گئے
دو تین گھر بھرے ہوئے اکدم مین لُٹ گئے

بی بی یہان سے اہل وطن ہین قریب تر
بہیجے ہین شیعیان نے مین بہی نامہ بر
پر میری بیکسی کی نہین ایک کو خبر
لیکن حسینؑ تک نہوا ایک کا گذر

قریون سے بہی مدد کو جو نکلا وہ گھر گیا
لشکر بنی اسد کا قریب آکے پہر گیا

گھیرا ہے اس لئے مجھے اس بن مین بیگناہ
نہ دوست نہ عزیز نہ غمخوار نہ سپاہ
تا مجھہ تک آسکے نہ کوئی میرا خیر خواہ
ہمراہی سب عدم مین وطن دور گھر تباہ

مجہسا بہی کوئی بیکس وبے پر بشر نہو
مر کر نہ دفن ہون تو کسیکو خبر نہو

جانا ہے دور شب کو جو آنا نہو ادہر
پہلے پہل ہے آج شب فرقت پدر
ضد کرکے روئیو نہ بہین چاہتی ہو گر
سو رہیو ماں کی چھاتی پہ غربت سے رکھکے سر

راحت کے دن گذر گئے یہ فصل اور ہے
اب یون بسر کرو جو یتیمون کا طور ہے

ننہے سے ہاتہہ جوڑ کے بولی وہ تشنہ کام
آنکھون سے خون بہا کے یہ کہنے لگے امام
بتلائیے مجھے کہ یتیمی ہے کسکا نام
کہل جائیگا یہ درد والم تم پہ تا بہ شام

بی بی نہ پوچھو کچھ یہ مصیبت عظیم ہے
مر جائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہے

بُندے اتار و طوق بڑہاؤ پدر نثار
چلائیو نہ این ابی کہہ کے بار بار
چھینا کہین جو لوٹنے آئین ستم شعار
دشمن ہمارے نام کا ہے شمر نابکار

لو الوداع جاتے ہین اب قتل گاہ مین

سونپا تمھین خدا و نبیؐ کی پناہ مین

یہ کہہ کے پیاری بیٹی سے دیکھا اِدہر اُدہر
فضہ نے عرض کی کہ اُدہر پیٹتی ہین سر
پوچھا کہ ہر ہین بانوے ناشاد نوحہ گر
رخصت کی بھی حضور کے اُنکو نہین خبر

لب پر گھڑی گھڑی علی اکبرؑ کا نام ہے
چلیے ذرا کہ کام اب اُن کا تمام ہے

رکھی تھی لا کے لاش پسر آپ نے جہان
کرتی ہین اُٹھہ کے آہ تو ہلتا ہے آسمان
مُنہ اُس زمین پہ ملتی ہین اور ہے لبون پہ جان
نعرہ یہ ہے کہ ہاے علی اکبر جوان

وارے گئے نہ قبر مین امان کو گاڑ کے
جنگل بسا دیا مری بستی اُجاڑ کے

روتے ہوئے وہان جو گئے شاہِ خوشخصال
شبیرؑ بیٹھ کر یہ پکارے بصد ملال
دیکھا کہ غش ہین خاک پہ بکھرے ہوئے ہین بال
اے شہربانو ہوش مین آؤ یہ کیا ہے حال

سچ ہے فلک نے تم کو بڑے دکھ دکھائے ہین
صاحب اُٹھو ہم آخری رخصت کو آئے ہین

سُنکر صدا حسینؑ کی چونکی وہ نوحہ گر
تنہا حضور آئے ہین باندھے ہوئے کمر
کی عرض سر جھکا کے قدم پر بچشم تر
صاحب کہان ہے منتون والا مرا پسر

ایسے نہین وہ دُکھ مین جدا ہون جو باپ سے
اپنے مرادون والے کو مین لونگی آپ سے

اے جانِ فاطمہؑ مرا پیارا کہان گیا
وہ تین دن کے پیاس کا مارا کہان گیا
امان کی زندگی کا سہارا کہان گیا
سیدانیون کی آنکھون کا تارا کہان گیا

مرتی ہون اپنے سروسہی قدکو دیکھ لون
اک بار پہر شبیہ محمدؐ کو دیکھ لون

وہ گورا گورا چاندسا مکھڑا دکھائین پھر
لے لون مین گیسوؤن کی بلائین تو جائین پہر
مجھکو تو خیریت سے غرض ہے نہ آئین پہر
خوشبو مین تن کی سونگھ لون جنگل بسائین پہر

ترپے گا دل تو لے کے اجازت حضور سے
مین دیکھ لون گی در پہ کھڑی ہو کے دور سے

بیخود تھی مین جب آئے تھے میدان سے ادہر
کیا دیکھتی مجھے تو کچھ آتا نہ تھا نظر
سنبھلا ذرا جو دل تو پھڑکنے لگا جگر
کب آئے کب گئے مجھے مطلق نہین خبر

آئے تو چپکے آئے گئے سب سے ملے ہوئے
باتین نہ پیار کی ہوئین نہ کچھ گلے ہوئے

گرہین خفا تو آئین مین اٹھ کر نثار ہون
انکی خطا نہین ہے مین تقصیروار ہون
دائی ہون انکی آپ کی خدمت گذار ہون
اب رحم کیجیے کہ بہت بیقرار ہون

تکلیف گرچہ ہوگی شہ مشرقین کو
لے آئیے مناکے مرے نور عین کو

باتین یہ سنکے کہنے لگے شاہ بحر و بر
یا رب جدا نہو کسی مان سے جوان پسر
بانوؑ کسے بلاؤن کہان ہے وہ سیمبر؟
ہمشکل مصطفیٰ تو گئے فاطمہؑ کے گہر

ہر دکھ مین صبر کرتے ہین جو حق شناس ہین
جس نے تمہین دیا تہا وہ اب اُسکے پاس ہین

جاگے ہوئے تھے رات کے نیند آگئی اُنہین
سہے سہے منافقون کی نظر کہا گئی اُنہین

مخفی بہت کیا پہ اجل پا گئی اُنہین
صحرا سے کربلا کی فضا بہا گئی اُنہین

زندہ نہو گا لال اگر مر بہی جاؤ گی
اب تو کوئی گھڑی مین ہمین بہی نپاؤ گی

جاتے ہین ہم وہین کہ جہان ہے وہ لالہ فام
دے دو جو اپنے لال کو دینا ہو کچھ پیام
سُنکر یہ ذکر ہوش مین آئی وہ تشنہ کام
سمجھی کہ گھر تباہ ہوا اب چلے امام

خنجر سے حلق شاہ کے کٹنے کا طور ہے
بستی اُجڑ کے تخت اُسے لٹنے کا طور ہے

دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دلفگار
اے ابن فاطمہؑ یہ کنیز آپ کے نثار
بعد آپ کے جو لوٹنے آئین ستم شعار
بیٹھے کہان یہ بیکس و غمگین و سوگوار

کچھ حق مین اس کنیز کے فرما کے جائیے
صاحب کسی جگہ مجھے بٹھلا کے جائیے

مین وہ ہون جو کہ قید مین آئی تھی یا امام
مشہور ہون کنیز امام فلک مقام
پاس آپکے ہے نانا کا اے قبلۂ انام
گر قید ہو گئی تو کہین گے یہ خاص و عام

بندی چلی ہے شام کو آل رسولؐ کی
دیکھو یہی بہو ہے علیؑ و بتولؑ کی

فرمایا شہ نے حافظ و حامی ہے ذوالجلال
زہراؑ کی بیٹیون کی رہو تم شریکِ حال
زینبؑ کو دیکھو سر پہ نہ بھائی نہ دو نو لال
صاحب تمہارے ساتھ ہے عابدؑ سا خوشخصال

بے وارثون کا وارث و والی اِلٰہ ہے
دیکھو ڈگے نہ پاؤن کہ مشکل کی راہ ہے

لوا لوداع لاش پہ اب آ کے رو چکو
لیکن نہ خاک اُڑا کے نہ چلا کے رو چکو
زانو پہ سر کو شرم سے نہوڑا کے رو چکو
قبرِ رسولؐ پاک پہ ہاں جا کے رو چکو
لُٹنے میں صبر شکر تباہی میں چاہیے
رونا بشر کو خوفِ الٰہی میں چاہیے

مثال ۵، حضرت امام حسین علیہ السلام، اپنے بھائی عباسؑ کے مرنے کی خبر سُنکر رزمگاہ میں جاتے ہیں

دریا پہ سر برہنہ، شہ بحر و بر چلے
صدمہ یہ تھا کہ ہاتوں سے تھامے کمر چلے
اکبرؑ سنبھالے باپ کو با چشمِ تر چلے
یہ بھی اُدھر چلے اشرار الاعدا ہر چلے
صدمہ ہے، ضربِ غم سے دل پاش پاش پر
رونے کو بھائی جاتا ہے، بھائی کی لاش پر

صورت یہ شاہ کی ہے کہ زلفوں پہ خاک ہے
آلودۂ غبارِ الم روئے پاک ہے
سوکھے لبوں پہ نالۂ روحی فداک ہے
اور تا کمر قبا کا گریبان چاک ہے
دست یسار بیٹے کے گردن میں ڈالے ہیں
شہ کو جھکے ہوئے علی اکبرؑ سنبھالے ہیں

جب پاؤں کانپتے تھے تو کہتے تھے رکے شاہ
طاقت بدن کی لے گئے عباسؑ آہ آہ
دریا نہ اتنا دور تھا اے میرے رشکِ ماہ
رستہ غلط کیا ہے کہ کچھ بڑھ گئی ہے راہ
ہے دور یاں سے یا مرا بھائی قریب ہے
کہتے ہیں، وہ "حضور! ترائی قریب ہے"

القصہ لائے باپ کو اکبرؑ ترائی میں
زخمی ملا وہ شیر دلاور ترائی میں
پائی جو بوئے خون برادر ترائی میں
لاشے کے پاس گر پڑے سرور ترائی میں

گذری تھی عمر ہاتھ جسے جوڑتے ہوئے
دیکھا اُسی کو خاک پہ دم توڑتے ہوئے

مُنہ رکھکے مُنہ پہ بھائی کے بھائی نے دی صدا
اے شیر اے دلیر یہ بیکس ترے فدا
کیون پتلیان پھراتے ہو بھائی یہ کیا کیا
عباسؑ مین حسینؑ ہون دیکھو مجھے ذرا
میرا بھی حلق خشک ہے خنجر کے واسطے
بھائی کو چھوڑے جاتے ہو دم بھر کے واسطے

ٹھہرو عنانِ توسنِ عمرِ رواں نہ لو
ساتھی تھکا ہوا ہے رہِ کارواں نہ لو
کروٹ کراہ کر مرے آرامِ جان نہ لو
لگتی ہے چوٹ دل پہ مرے ہچکیان نہ لو
مرجاؤنگا مین ساتھ اگر چھوٹ جائے گا
بھائی مرا تو رشتۂ جان ٹوٹ جائے گا

بولے یہ آنکھ کھول کے عباسؑ نامدار
آقا ہزار جان گرامی ترے نثار
یہ موت زندگی ہے زہے فخر و افتخار
نکلے جو گل کے سامنے بلبل کی جان زار
دیدار دیکھنے مین نہ آتا تو موت تھی
پروانہ شمع کو جو نہ پاتا تو موت تھی

زانوے پاک نورِ خدا اور سرِ حقیر
عالم کا بادشاہ کہاں اور کہاں حقیر
ذرے کو مہر کر دیا اے آسمان سریر
تکیہ کسی کو بھی یہ ملا ہے دمِ اخیر
پایا یہ اوج مان کی نہ بابا کی گود مین
معراج مل گئی شہِ والا کی گود مین

رحمت نے رخ کیا مری جانب حضور آئے
لیکر رسولؐ جام شرابِ طہور آئے

روشن ہو کیون نہ چشم جو خالق کا نور آئے
ایسا نہو سرور جو بالین پہ حور آئے
عشاق مر ہی جاتے ہین زخمی بہی ہوتے ہین
مین اب تو تندرست ہون کیون آپ روتے ہین

شہ نے کہا کہ لینے کو آئے ہین ہمکو سب
عباسؑ چھوڑ جاؤ گے اب ہمکو ہی غضب
سر خاک پر پٹک کے یہ بولا وہ جان بلب
اے جانِ فاطمہؑ جگر سیّدِ عرب
کس کس کو روئیے کہ یہ اعدا کے ریلے ہین
صدمہ بڑا یہی ہے کہ حضرت اکیلے ہین

راحت کی راہ ہے سفرِ گلشنِ ارم
صدمہ مگر ہے روح پہ اے قبلۂ امم
اب تک تو کب کے مر گئے ہوتے تڑپ کے ہم
الفت یہ آپ کی ہے کہ اٹکا ہوا ہے دم
دنیا سے کوچ کرنے کو جی چاہتا نہین
اے بہائی جان مرنے کو جی چاہتا نہین

یہ کہکے چپ ہوئے تہے کہ اٹھا جگر مین درد
رخسار سرخ سرخ جو تہے ہو گئے وہ زرد
لین کروٹین تو بھر گئی زخمون مین رن کی گرد
منہ رکھکے شہ کے پانو پہ کھینچی اک آہِ سرد
دنیا سے انتقال علمدار ہو گیا
سردار فوج بے کس و بے یار ہو گیا

بہائی کے آگے بھائی تڑپ کر جو مر گیا
صدمہ غضب کا سبط نبیؐ پر گذر گیا
خنجر الم کا دل سے جگر تک اتر گیا
چلاتے تہے کہ شیر ہمارا کدھر گیا
لیتے تہے بوسے جھک کے تن پاش پاش کے
اٹھ اٹھ کے گرد پھرتے تہے بہائی کی لاش کے

جھک کر پکارتے تھے کہ بھیا صدا سناؤ ‏ — ‏ سر رکھ لو میرے زانو پہ گردن ذرا اُٹھاؤ
زینبؑ تمھیں بلاتی ہین خیمے کے در پہ جاؤ ‏ — ‏ کب سے بلک رہی ہے سکینہؑ کو دیکھ آؤ
باتون مین پیار کی کہین تم سے گلا نہو
دریا پہ سو گئے ہو سکینہؑ خفا نہو

کیا ہے جو آنکھ بند کئے ہو حیا سے تم ‏ — ‏ کیا کچھ خفا ہو سبط رسولؐ خدا سے تم
اکثر ہمین بچاتے تھے لون مین ہوا سے تم ‏ — ‏ ہم اَٹ گئے ہین گرد تو جھاڑو قبا سے تم
ہے دوپہر کا وقت برادر یہ دھوپ ہے
سایہ کرو علم کا مرے سر پہ دھوپ ہے

اکبرؑ نے رو کے عرض یہ کی اے شہ زمان ‏ — ‏ رونے سے اب ملینگے نہ حضرت کے بھائی جان
لے چلیے گھر مین لاش علمدار نوجوان ‏ — ‏ ایسا نہو نکل پڑین خیمہ سے بی بیان
دریا پہ ننگے سر کہین بنت علیؑ نہ آئے
فضہ کو ساتھ لے کے سکینہؑ چلی نہ آئے

اکبرؑ نے عرض کی کہ چلین اب شہ زمان ‏ — ‏ رو کر امام دین نے کہا جائین اب کہان
وان بھی مرے لئے وہی رونا ہے جو یہان ‏ — ‏ اپنا بھی گھر ہے اب وہی بھائی رہے جہان
اُٹھتے نہ تھے حسینؑ برادر کو چھوڑ کر
رکھا پسر نے پانون پہ سر ہاتھ جوڑ کر

فضہ کھڑی تھی خیمہ کے باہر جو بیخبر ‏ — ‏ حضرت کو اُس نے دور سے دیکھا برہنہ سر
پردہ اُلٹ کے خیمہ کا بولی وہ نوحہ گر ‏ — ‏ سیدانیو اُٹھو علم آتا ہے خون مین تر
اکبرؑ علم لئے ہین علیؑ کا نشان نہین

کوتل فرس تو آتا ہے وہ نوجوان نہین

ناگاہ سب کو دور سے آیا نظر نشان
تہا خاک سے بہرا ہوا وہ جلوہ گر نشان
گویا کہ تہا شبیہ الم السبر نشان
ڈوبا تہا خون سے پنجہ پُر نور اور نشان

چہپ جاتا تہا پہریرے مین یون کانپ کے
روتا ہے جس طرح کوئی مُنہ ڈہانپ ڈہانپ کے

سمجھے یہ سب کہ بازوے عباسؑ کٹ گئے
سیدانیون کے غم سے لہو اور گھٹ گئے
بچّون کے ننھے ننھے جگر غم سے پہٹ گئے
رنگ اُڑ گئے رخون سے کلیجے اُلٹ گئے

ہر دل پہ برق رنج و غم و یاس گر پڑی
بچّون سمیت زوجۂ عباسؑ گر پڑی

اکبرؑ علم کو خیمے کے اندر جُہکا کے لائے
سر اپنا پیٹتے ہوئے گہر مین حسینؑ آئے
چلّاتے تہے کہ بہائی کو بہائی کہان سے پائے
عاشق نے ساتہ چہوڑ دیا ہاے اے لئے

چہینا اجل نے ہمکو ہمارے دلیر کو
لو بیبیو ترائی مین رو آئے شیر کو

لپٹی تو تہی علم سے سکینہؑ جگر فگار
ہے ہے علیؑ کے لعل کی رانڈ و نین تہی بکار
پر چہرہ پہ یون لچکتا تہا پنجہ وہ بار بار
سر پیٹے جس طرح کوئی مظلوم سوگوار

تصویر حسرت و الم و یاس بن گیا
رایت بہی نخل ماتم عباسؑ بن گیا

زیر علم تہا زوجۂ عباسؑ کا یہ حال
ماتہا بہرا تہا خاک سے بکہرے ہوئے تہے بال
چلّاتی تہی کہ اے اسد کبریا کے لال
مین سر کو پیٹتی ہون تمہین کچہ نہین خیال

جاتا ہے یون جہان سے کوئی آنکھہ موڑ کے
مسکن کیا ترائی مین لونڈی کو چھوڑ کے

پرخون علم کے پاس تہے عباسؑ کے پسر — تکمے کھلے تہے کرتون کے تہرا تے تہے جگر
مان نے جو طوق اُتارے تہے اور کان کے گُہر — سہما ہوا تہا ایک تو اک پیٹتا تہا سر

زلفون پہ گرد تھی تو رخون پر غبار تھا
چہرون سے درد بے پدری آشکار تھا

چہوٹا یہ شہ سے کہتا تھا آنسو بہا بہا — بابا ہمارے گہر مین کب آئین گے ای چچا
آیا علم پر اُنکے نہ آنے کی وجہ کیا ✤ — چہوٹے سے روکے تب یہ بڑے بھائی نے کہا

امان کی مانگ اُجڑ گئی صدمے گذر گئے
بھیا تمھین خبر نہین بابا تو مر گئے ✤

دوڑا یہ سُنکے نہر کی جانب وہ بے پدر — رُو کر پکارے شاہ کہ بیٹا چلے کدھر
ننھے سے ہاتہہ جوڑ کے بولا وہ نوحہ گر — بابا کی لاش اُٹھانے کو جاتے ہین نہر پر

میت نہ اُٹھ سکے گی تو خالی نہ آئین گے
دامن مین ہم کٹے ہوے ہاتھون کو لائینگے

مثال ۶، علی اکبرؑ نزع کی حالت مین ہین، اور امام حسین علیہ السلام اُنکے پاس جاتے ہین ۵

جس دم سُنی حسینؑ نے یہ جانگزا صدا — صابر اگرچہ تہے پہ کلیجہ اُلٹ گیا
ہاتھون سے دل کو تہام کے دوڑے برہنہ پا — نعرہ کیا کہ اے علی اکبرؑ کدہر گیا

مل کر غریب و بیکس و تنہا سے جائیو
آ اے ضعیف باپ تو دنیا سے جائیو

ہے ہے مرے شفیق پسر مہربان پسر
مادر کا چین باپ کا آرام جان پسر
خوشرو پسر سعید پسر قدردان پسر
گم گو پسر شہید پسر نوجوان پسر

مقتل کدہر ہے کوئی بتاتا نہین مجھے
اے نورعین کچھہ نظر آتا نہین مجھے

مجکو غریب دشت بلا کہہ کے پھر پکار
اے شیر سید الشہدا کہکے پھر پکار
اک بار یا تشنہ دوسرا کہہ کے پھر پکار
صدقے ہو باپ یا ابتا کہکے پھر پکار

میری بہی جان تن سے ترے ساتھہ جائیگی
مرجاؤنگا یہین جو نہ آواز آئے گی

کچھہ ہوش دست و پا کا نہین بیحواس ہون
غمگین ہون مردہ دل ہون حزین ہون اداس ہون
زخمی ہے قلب کشتۂ اندوہ و یاس ہون
دم توڑو تم تو ہے غضب اور مین نہ پاس ہون

کیونکر قرار آئے دلِ ناصبور کو
لاؤن کہان سے ڈہونڈ کے آنکھون کے نور کو

دوڑے یہ بات کہکے جو سلطان بحر و بر
اٹھا یہ دل مین درد کہ خم ہوگئی کمر
بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی لہو مین تر
دیکھا جو زخم مُنہ کے قریب آگیا جگر

تڑپے جو گر کے اور تڑپ کر ٹھہر گئے
غل پڑگیا صفون مین کہ شبیر مرگئے

ہوش آیا تین ساعتِ کامل کے بعد جب
آنسو بہا کے رکھدیے بیٹے کے لب پہ لب
دیکھا کہ مٹ رہی ہے شبیہ رسولِ رب
چلاتے تھے کہ چھوڑ چلے ہمکو ہے غضب

دل سے گلے لپٹنے کی حسرت نکال دو

باہین اُٹھا کے باپ کی گردن مین ڈال دو

اکبرؑ نے آنکھین کھول کے دیکھا رخِ پدر
گالون پہ اشک آنکھون سے ٹپکے ادہر اُدہر
فرمایا شہ نے زانو پہ رکھہ کر سرِ پسر
روتے ہو کسکے واسطے اے غیرتِ قمر

یان سے اُٹھا کے آلِ پیمبر مین لے چلین
غم مان کا ہے تو آؤ تمھین گھر مین لے چلین

کی عرض مہلت اتنی کہان اے شہِ اُمم
اب کیجیے قبلہ رو کہ نکلتا ہے تن سے دم
دولت ملی کہ دیکھہ لیئے آپ کے قدم
غیر از غمِ فراق مجھے کچھہ نہین ہے غم

ساتھہ آئے تھے جو چاہنے والے وہ دور ہین
روتا ہون اس لیئے کہ اکیلے حضور ہین

شہ نے کہا مرے لیئے بیٹا نہ رو ؤ بس
ہوگا جہان سے جانے مین تھوڑا سا پیش و پس
دنیا کی آرزو ہے نہ جینے کی کچھہ ہوس
میرے لیئے ہے اب دمِ خنجر ہر اک نفس

اکبرؑ ترے الم سے جگر چاک چاک ہے
جب تو نہو تو باپ کے جینے پہ خاک ہے

یہ بات سُنکے لینے لگا ہچکیان پسر
سوکھی زبان دکھائی کہ پیاسا ہون اے پدر
زردی اجل کی چھا گئی چہرے پہ سر بسر
دو بار لی کراہ کی کروٹ ادہر اُدہر

دنیا سے انتقال ہوا نورِ عین کا
ہنگام ظہر تھا کہ لٹا گھر حسینؑ کا

نکلی ادہر تو جسم سے اکبرؑ کی جانِ زار
یان بیبیان ہوئین درِ خیمہ پہ بیقرار
فضّہ پکاری ڈیوڑہی سے بڑھکر یہ ایک بار
اکبرؑ پہ کیا گذر گئی اے شاہِ نامدار

چھریان غم والم کی کلیجے پہ چلتی ہین
جلد آیئے کہ حضرتِ زینب ؑ نکلتی ہین

گھبرا کے شاہ دین نے اُٹھائی پسر کی لاش
لپٹائے تھے کلیجے سے لختِ جگر کی لاش
لائے قریب خیمہ جو اُس سیمبر کی لاش
غل پڑ گیا کہ آتی ہے رشکِ قمر کی لاش
زہرا ؑ کی بیٹیان جو کھولے سر نکل پڑین
سب بیبیان خیام سے باہر نکل پڑین

سر ننگے شہ کے گرد تھین سیدانیان تمام
تھے بیچ مین شہید کا لاشہ لئے امام
بانو ؑ پکارتی تھی کہ یا شاہِ تشنہ کام
جیتا ہے یا جہان سے گیا میرا لالہ فام
منکا ڈھلا ہے ہونٹون پہ سوکھی زبان ہے
اے جانِ فاطمہ ؑ مرے بچے مین جان ہے؟

زینب ؑ تڑپ تڑپ کے یہ کہتی تھی بار بار
یہ لاش میری گود مین دیجے بہن نثار
طاقت نہین ہے آپ مین یا شاہِ نامدار
صدقے گئی لرزتا ہے فاقون سے جسم زار
شہ کہتے تھے یہ کام ہے مجھ خستہ جان کا
تجھ سے بہن اُٹھے گا نہ لاشہ جوان کا

لاشہ پسر کا خیمہ مین لائے امام پاک
مسند رسول ؐ حق کی بچھائی بروے خاک
شہ نے لٹا کے لاش جو کی آہِ دردناک
دل بی بیون کے ہو گئے سینے مین چاک چاک
پہلے گمان تھا غش مین وغا کر کے آئے ہین
آخر یقین سب کو ہوا مر کے آئے ہین ٭

لاشے کے پاس ہائے پسر کہہ کے مان گری
ہاتھون سے دل پکڑ کے پھوپھی نیمجان گری

دل پر ہر اک کے برق غم نوجوان گری — غش ہو کے یان گری کوئی اور کوئی وان گری

چھوٹی بہن جو لاشے سے آکر لپٹ گئی
اک حشر ہو گیا صف ماتم اولٹ گئی

مثال ۷ ۔ حضرت علی اکبرؑ نزع کی حالت مین امام حسین علیہ السلام کو پکارتے ہین اور وہ بدحواس قتلگاہ کی طرف جاتے ہین ۔ اُسوقت کی اضطرابی حرکات ، اور باپ بیٹے کی گفتگو

سُنکر یہ استغاثۂ فرزند خوشخصال — سیدؑ نے آہ کی کہ ہلا عرش ذوالجلال
کھولے جناب فاطمہؑ کی بیٹیون نے بال — بانوؑ پکاری خیر تو ہے اے علیؑ کے لال

ہے ہے پسر سے کونسی مادر بچھڑ گئی
صاحب بتاؤ کیا مری بستی اُجڑ گئی

نیزے سے کسکے لال کا زخمی ہوا جگر — کرتے ہین کسکی لاش کو پامال اہل شر
کہتا ہے کون رن مین تڑپ کر پدر پدر — اب گھر سے مین نکلتی ہون ہے ہے مرا پسر

پروا نہ مجھسے کیجیے سب جانتی ہون مین
آواز یہ اُسی کی ہے پہچانتی ہون مین

بانوؑ کو قسمین دے کے چلے شاہ نامدار — وہ پیاس اور وہ دھوپ کا صدمہ وہ اضطرار
دل تھا اُلٹ پلٹ تو کلیجہ تھا بیقرار — اُٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے باربار

چلاتے تھے شبیہ پیمبرؐ ہم آتے ہین
گھبرائیو نہ اے علی اکبرؑ ہم آتے ہین

آؤن کدھر کو اے علی اکبرؑ جواب دو — چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ مادر جواب دو
اکبرؑ برائے خالق اکبر جواب دو — بیٹا جواب دو مرے دلبر جواب دو

گرتے ہین ہم ثواب کا ہاتھون سے کام لو
بیٹا ضعیف باپ کے بازو کو تھام لو

کچھ سوجھتا نہین ہین کدہر جاؤن کیا کرون ۔۔۔ اے نور چشم تجکو کہان پاؤن کیا کرون
مضطر ہے جان و دل کسے سمجھاؤن کیا کرون ۔۔۔ کیونکر پسر کو ڈھونڈھ کے مین لاؤن کیا کرون

پایا تھا مدتون مین جسے خاک چھان کے
وہ لعل ہمنے کھو دیا جنگل مین آن کے

بس اب خبر حسینؑ کی لے جلد اے اجل ۔۔۔ اے جسم زار زیست کا باقی نہین محل
اے جان ناتوان، تن مجروح سے نکل ۔۔۔ ہان اے نفس چھری کی طرح سے گلے پہ چل

چھوٹے نہ اسکا ساتھ جو پیری کی آس ہو
لاشہ بھی لاشۂ علی اکبرؑ کے پاس ہو

جنگل سے جو اس پھرے نہر پر گئے ۔۔۔ وان بھی جو وہ گہر نملا سوے بر گئے
دوڑے کسی طرف تو کسی جا ٹھہر گئے ۔۔۔ تھامے ملے لہو کے برابر جدہر گئے

ٹپکا ہوا زمین پہ جگر کا لہو ملا
لیکن کہین نہ وہ پسر ماہرو ملا

جا کر صفون کے پاس پکارے بااشک و آہ ۔۔۔ ہے کسطرف مرے علی اکبرؑ کی قتل گاہ
اے ظالمون پہ شب ہے کہ دن ہو گیا سیاہ ۔۔۔ کس ابر مین چھپا ہے مرا چودہوین کا ماہ

بتلاؤ جان ہے کہ نہین جسم زار مین
زخمی پڑا ہے شیر مرا کس کچھار مین

لاش پسر کو ڈھونڈتے تھے شاہ بحر و بر ۔۔۔ سر پیٹنے کی جا ہے کہ سنتے تھے اہل شر

کہتا تھا شمر اے پسر سید البشر
کس کو حضور ڈھونڈتے ہین، مر گیا پسر
خود ڈھونڈھ لیجیے جسد پاش پاش کو
بتلائین گے نہ ہم علی اکبر کی لاش کو

یہ سُنکے کھینچ لی شہ والا نے ذوالفقار
شہ کو نظر پڑا علی اکبر کا راہوار
چمکی جو برقِ تیغ تو بھاگے ستم شعار
چلائے اے عقاب کدہر ہے ترا سوار
دکھلا دے مجھکو لاش مرے نور عین کی
کس دشت مین پڑی ہے بضاعت حسینؑ کی

ملنے دے ان رکابون کے حلقون سے چشم نم
بوسے تری لگام کے لون مین اسیر غم
ہے ہے اسی مین تھے مرے فرزند کے قدم
اکبر کے ہاتھ مین تھی یہی باگ ہے ستم
ہے ہے وہ ہاتھ پاؤن مرے آفتاب کے
قربان تری لگام کے صدقے رکاب کے

گھوڑے نے ہنہنا کے سوے دشت کی نظر
یعنے کہ لاش آپکے پیارے کی ہے ادہر
جاتا تھا آگے آگے وہ تازی بچشم تر
گھوڑے کے پیچھے پیچھے تھے سلطان بحر و بر
جنگل مین لاشۂ پسر نوجوان ملا
وہ مہ لقا ملا تو مگر نیم جان ملا

دیکھی عجیب حالتِ فرزند نوجوان
تن پر جراحتِ تبر و خنجر و سنان
پیکان گلے مین ہونٹون پہ نکلی ہوئی زبان
گردن تھی کج، پھری ہوئی آنکھون مین تپلیان
ٹاپون سے مرکبون کے جراحت پھٹے ہوئے
چہرہ سفید خاک مین گیسو اٹے ہوئے

ہچکی کے ساتھ کہتے ہین وا کرکے چشم تر
اے جان جسم زار مین اور ایک دم ٹھہر
اے موت بے وطن کی جوانی پہ رحم کر
اے درد تھم ذرا کہ پھٹا جاتا ہے جگر

پھر ایک بار سیدِ والا کو دیکھ لون
مہلت بس اتنی دے کہ مین بابا کو دیکھ لون

دشمن کو بھی نہ بیٹے کا لاشہ خدا دکھائے
حضرت زمین پہ گر کے پکارے کہ ہائے ہائے
زندہ ہے یہ پسر جوان یون جہان سے جائے
اے لال تین روز کے فاقے مین زخم کھائے

شاید جگر کے زخم سے تم بیقرار ہو
زخمی تمھاری چھاتی پہ بابا نثار ہو

کیون کھینچتے ہو پاؤن کو اے میرے گلعذار
کیون ہاتھ اٹھا اٹھا کے پٹکتے ہو بار بار
آنکھین تو کھولدو کہ مرا دل ہے بیقرار
بیٹا تمھاری مان کو تمھارا ہے انتظار

بہنین کھڑی ہین در پہ بڑے اشتیاق مین
اکبرؑ تمھاری مان نہ جیے گی فراق مین

غش مین سنا جو ہین علی اکبرؑ نے ان کا نام
کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سوئے خیام
سوکھی زبان دکھا کے یہ بولا وہ تشنہ کام
شدت یہ پیاس کی ہے کہ دشوار ہے کلام

اب اور کوئی دم کا پسر مہمان ہے
امداد یا حسینؑ کہ پانی مین جان ہے

فرمایا شہ نے اے علی اکبر مین کیا کرون
پانی نہین ہے مجھکو میسر مین کیا کرون
گھیرے ہین نہر کو یہ ستمگر مین کیا کرون
کچھ بس نہین مرا مرے دلبر مین کیا کرون

اعدا نہ دینگے بوند اگر لاکھ کد کرین

بیٹا تمھاری ساقی کوثر مدد کریں

حضرت یہ کہتے تھے کہ چلا خلق سے پسر
اتنی زبان ہلی کہ خدا حافظ اے پدر
ہچکی جو آئی تھام لیا ہاتھ سے جگر
انگڑائی لیکے رکھدیا شہ کے قدم پہ سر
آباد گھر لٹا شہ والا کے سامنے
بیٹے کا دم نکل گیا بابا کے سامنے

لکھتا ہے ایک راوی غمگین و پر ملال
یعنی ادھر ہوا علی اکبرؑ کا انتقال
نکلی حرم سے ایک زن فاطمہؑ جمال
گویا جناب سیدہؑ کھولے ہوئے تھیں بال
تھی اس طرح سے رخ پہ ضیا اس جناب کے
حلقہ ہو جیسے نور کا گرد آفتاب کے

چلاتی تھی ارے مرا پیارا ہے کس طرف
اے آسمان وہ عرش کا تارا ہے کسطرف
اے ابر شام چاند ہمارا ہے کسطرف
اے ارض کربلا وہ سہارا ہے کسطرف
ہے ہے سنان سے جان گئی مہمان کی
میت کدھر کو ہے مرے کڑیل جوان کی

اے میرے لمبے گیسوؤں والے کدھر ہے تو
ہے ہے مرے غریبی کے پالے کدھر ہے تو
واری کہاں لگے تجھے بھالے کدھر ہے تو
کیونکر پھوپھی جگر کو سنبھالے کدھر ہے تو
اٹھارہ ان برس تہا کہ موت آگئی تجھے
اے نور عین کس کی نظر کھا گئی تجھے

ہے ہے مرے سعید و رشید و متین جوان
خوشرو جوان غریب جوان مہ جبین جوان
صفدر جوان شکیل جوان نازنین جوان
کس نے تجھے مروڑ لیا اے حسین جوان

آغاز تھین سین ابھی ایسے مُسن نہ تھے
بچے مرے ابھی ترے مرنے کے دن نہ تھے

یہ بین کرتی جاتی تھی وہ سوختہ جگر
جاتی تھی بیحواس ادہر سے وہ نوحہ گر

سید انہون کا غول تہا پیچھے برہنہ سر
آئے اُدہر سے لاش لئے شاہ بحر و بر

دیکھا لہو روان جو تنِ پاش پاش سے
سب بی بیان لپٹ گئین اکبرؑ کی لاش سے

مناظر قدرت

عربی اور فارسی مین مناظرِ قدرت پر بہت کم لکھا گیا ہے، اور اُردو مین تو گویا سرے سے اس کا وجود ہی نہ تھا، میر ضمیر نے سب سے پہلے اس پر طبع آزمائی کی، لیکن وہ مضمون بندی اور استعارات کو کلام کا اصلی جوہر سمجھتے تھے، اسلئے اصلی حالت نہ ادا کرسکے، میر انیس نے اس صنف پر اگرچہ صرف دو تین مرثیے لکھے ہین، لیکن جو کچھ لکھا ہے، کمال کے درجہ پر پہنچا دیا ہے۔

صبح کا سماں،

طے کرچکا جو منزلِ شب، کاروانِ صبح
گردون سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح

ہونے لگا اُفق سے ہویدا نشانِ صبح
ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح

پنہان نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

خورشید نے جو رخ سے اُٹھائی نقابِ شب
انجم کی فرد سے لے کر حسابِ شب

در کُھل گیا سحر کا، ہوا بند بابِ شب
دفتر کشای صبح نے اُلٹی کتابِ شب

گردون پہ رنگ چہرۂ مہتاب فق ہوا ٭
سلطانِ غرب وشرق کا نظم ونسق ہوا

یون گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے عیان
آئی بہار مین گلِ مہتاب پر خزان،
چُن لے چمن سے پھولونکو جسطرح باغبان
مُرجھا کے رہ گئے ثمرِ شاخِ کہکشان ٭

دکھلائے طور، بادِ سحر نے سموم کے ٭
پژمردہ ہو کے، رہ گئے غنچے نجوم کے ٭

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ صبح کا ظہور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا، وہ فضا وہ نور
یادِ خدا مین زمزمہ پردازی طیور
خنکی ہو جس سے چشم کو، اور قلب کو سرور

انسان زمین پہ محو، ملک آسمان پر
جاری تہا، ذکرِ قدرتِ حق، ہر زبان پر

وہ سرخی شفق کی اُدہر چرخ پر بہار
شبنم کی وہ گلون پہ گُہرہائے آبدار
وہ بارور درخت، وہ صحرا وہ سبزہ زار
پھولون سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار

نافے کُہلے ہوئے، وہ گلون کی شمیم کے
آتے تہے سرد سرد وہ جہونکے نسیم کے

تھی دشتِ کربلا کی زمین رشکِ آسمان
چھٹکے ہوئے ستارون کا ذرّون پہ تھا گمان
تھا دور دور تک شبِ مہتاب کا سمان
نہر فرات بیچ مین تھی مثلِ کہکشان

سبزہ جو درخت تہا وہ نخلِ طور تھا
صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا

ایک اور موقع پر لکھتے ہین ؎

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح
کرنے لگا فلک زرِ انجم نثار صبح
گلزارِ شب خزان ہوا آئی بہارِ صبح
سرگرم ذکرِ حق ہوئے طاعت گزار صبح
تہا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن مین گلاب کا

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکون کا دمبدم
وہ آب و تابِ نہر وہ موجون کا پیچ و خم
مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیان بہم
سردی ہوا مین پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تہا موتیون سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ صبحِ نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار
تھے طائرونکے غول درختون پہ بیشمار
کوکو وہ قمریونکی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت مین جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سمان
ذرّون کی روشنی پہ ستارونکا تہا گمان
تہا جسکی ضو سے وجد مین طاؤسِ آسمان
نہرِ فرات بیچ مین تہی مثلِ کہکشان
ہر نخل پر ضیائے سرِ کوہِ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد
رکھتی تہی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد
مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز و سرخ و زرد
یہ خوف تہا کہ دامنِ گل پر پڑے نہ گرد
دھوتا تہا دل کے داغ چمن لالہ زار کا

سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

ایک اور موقع پر بھی یہی سمان باندھتے ہیں ؎

وہ صبح اور وہ چھانون ستارون کی اور وہ نور
دیکھے تو غش کرے، ارنی گوی اوج طور

پیدا گلون سے قدرت اللہ کا ظہور
وہ جابجا درختون پہ تسبیح خوان طیور

گلشن خجل تھے، وادی مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولون کی باس سے

ٹھنڈی ہوائین سبزۂ صحرا کی وہ لہک
شرمائے جس سے اطلس زنگاری فلک

وہ جھومنا درختون کا، پھولون کی وہ مہک
ہر برگ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک

ہیرے خجل تھے، گوہر یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا، وہ فضا
دراج و کبک، و تیہو و طاؤس کی صدا

وہ جوش گل، وہ نالۂ مرغان خوش نوا
سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا

پھولون سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبد گلفروش تھے

وہ دشت، وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار
پھولون پہ جابجا وہ گہرہائے آبدار

اُٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخون کا بار بار
بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار

خواہان تھے زیب گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریون کا چار طرف سرو کے ہجوم
کو کو کا شور، نالۂ حق سرہ کی دھوم

سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم | جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کی تھی رسوم

کچھ گُل فقط نہ کرتے تھے رب عُلا کی مدح
ہر خار کو بھی نوک زباں تھی خدا کی مدح

چیونٹی بھی ہاتھ اُٹھا کے، یہ کہتی تھی بار بار | اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق تری نثار
یا حی و یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار | تسبیح تھی کہیں، کہیں تہلیل کردگار

طائر ہوا میں مست، ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

گرمی کا سماں گرمی کا سماں شعراے فارس نے باندھا ہے لیکن نہایت مبالغہ اور دور از کار خیالات سے کام لیا ہے۔ طالب آملی کا ایک قصیدہ ہے جس میں قصیدہ کی تشبیب، گرمی کے بیان سے شروع کی ہے

چنان بخار زمین تیرہ ساخت آب زلال | کہ قطرہ بر لب جوی کند نیابت خال
ہواے مہر ز تفسیدگی چنان گردید | کہ شعلہ راز نسیم است بیم اضمحلال

مرزا صائب ایک قصیدہ مین گرمی کی شدت کا بیان کرتے ہوے لکھتے ہیں

نیست این فوارہ ہر سو جلوہ گر در حوض ہا | کردہ است از تشنگی بیرون زبان خویش آب

ایک اور شاعر نے فرضی توجیہ خوب کی ہے

گرد باد، از پے آن سے جہد از جا کہ براہ (بگولا) | پاے می سوزدش از بسکہ زمین شد سوزان

میر انیس بھی، اگرچہ رواج عام کے اثر سے، نیچرل حالت سے، جا بجا تجاوز کر گئے ہیں تاہم ان کا اصلی جوہر بھی نمایان ہے،

وہ لون، وہ آفتاب کی حدت، وہ تاب و تب | کالا تھا، رنگ، دھوپ سے دن کا مثال شب

خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب
خیمے جو تھے حبابون کے تپتے تھے سب کے سب
اڑتی تھی خاک، خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا، دہوپ سے پانی فرات کا

آب رواں سے منہ نہ اٹھاتے تھے جانور
جنگل مین چھپتے پہرتے تھے، طائر ادہر ادہر
مردم تھے سات پردون کے اندر عرق مین تر
خسخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جاے راہ مین
پڑ جائین لاکھ آبلے، پاے نگاہ مین

کوسون، کسی شجر مین نہ گل تھے نہ برگ و بار
ایک ایک نخل جل رہا تھا، صورت چنار
ہنستا تھا کوی گل، نہ لہکتا تھا سبزہ زار
کانٹا ہوی تھی پھول کی، ہر شاخ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتے بھی مثل چہرۂ مدقوق زرد تھے

شیر اٹھتے تھے نہ، دہوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے
گردون کو تپ چڑہی تھی زمین کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا، جو گرتا تھا، دانہ زمین پر

گرداب پر تھا، شعلۂ جوالہ کا گمان
انگارے تھے حباب، تو پانی شرر فشان
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان
تہ مین تھے سب نہنگ، مگر تھی لبون پہ جان
پانی تھا آگ، گرمی روز حساب تھی،
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب وتپ کی تاب سب سے سوا تھا گرم مزاجون کو اضطراب		چھپنے کو برق چاہتا تھا دامن سحاب کافور صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب	

بھڑکی تھی آگ گنبد چرخ اثیر مین
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر مین

جو لوگ کہتے ہین کہ میر انیس کے ہان خیال آفرینی اور مضمون بندی نہین ہے، وہ ان اشعار مین سے اُن شعرون کو دیکھین، جہان نیچرل حالت سے ہٹ کر، مبالغہ اور تکلف پیدا ہو گیا ہے۔

منظر

(یعنی سین)

کسی خاص واقعہ یا کسی خاص حالت کی تصویر کھینچنا جسکو انگریزی مین سین کہتے ہین، واقعہ نگاری کی ایک قسم ہے،

عام واقعہ نگاری اور سین مین یہ فرق ہے کہ واقعہ نگاری مین ہر واقعہ انفرادی حیثیت رکھتا ہے بخلاف اسکے سین اس کیفیت کا نام ہے جو متعدد واقعات یا واقعہ کے متعدد جزئیات کے مجموعہ سے پیدا ہوتی ہے، مثلاً اس شعر مین ؎

لو ن چلتی ہے خاک اڑتی ہے ظہر کا ہنگام	تنہا یہ چلی آتی ہے اُمنڈی سپہ شام

لو ن کا چلنا۔ خاک کا اُڑنا، ظہر کا وقت ہونا، فوجون کا اُمنڈنا۔ ہر چیز کو الگ الگ لیا جائے تو واقعہ ہے، اور ان سب کو مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو سین ہے۔

میر انیس نے شاعری کے اس صنف کو جس کمال تک پہنچایا اُردو کیا فارسی مین بھی اسکی بہت کم مثالین ملتی ہین، ہم چند مثالین ذیل مین درج کرتے ہین۔

مثال ۱ - حُرنزع کی حالت مین ہے، امام حسین علیہ السلام اس کے سرہانے موجود ہین اسوقت کی حالت اور گفتگو

نزع کی حالت

قبلہ رو کیجیے لاشہ مرا اے قبلۂ دین
کوچ نزدیک ہے اے بادشہِ عرش نشین

پڑھیے لیسین کہ اب ہے یہ دم بازپسین
لیجیے تن سے نکلتی ہی مری جانِ حزین

بات بہی اب تو زبان سے نہین کیجاتی ہے
کچھہ اُڑہا دیجیے مولا مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ گود مین شبیر کے لی انگڑائی
شہ نے فرمایا ہمین چھوڑ چلے اے بھائی

آیا ماتھے پہ عرق، چہرہ پہ زردی چھائی
چل بسے حُرِ جری پہر نہ کبہی آواز آئی

طائرِ روح نے پرواز کی طوبا کی طرف
پتلیان رہ گئین پہر کرشہ والا کی طرف

مثال ۲ -

گرمی کی شدت مین لوگون کی حالت

وہ گرمیون کے دن وہ پہاڑون کی راہ سخت
ڈوبے ہوئے پسینون مین ہین غازیون کے رخت

پانی نہ منزلون، نہ کہین سایۂ درخت
سونلا گئے ہین رنگ جوانانِ نیک بخت

راکب، عبا مین چاند سے چہرون پہ ڈالے ہین
تو سن ہوئے سمند زبانین نکالے ہین

وہ دن ہین جن دنون کوئی کرتا نہین سفر
رنج مسافرت مین ہین سلطانِ بحر و بر

صحرا کے جانور بہی نہین چھوڑتے ہین گھر
لب برگ گل سے خشک ہین چہرہ عرق مین تر

آتی ہے خاک اُڑ کے یمین و یسار سے

گیسوے مشکبار اٹے ہین غبار سے

اہل حرم ہین ہودج و محمل مین بیقرار
بانو پکارتی ہے کہ اے شاہِ نامدار
معصوم پانی مانگتے ہین رو کے باربار
گرمی سے جان بلب ہے مرا طفل شیرخوار

کیونکر یہ دُکھ اُٹھے چہ مہینہ کی جان سے
گرمی ہے یا برستی ہے آگ آسمان سے

چلاتی ہے سکینہ کہ اچھے مرے چچا
بابا سے کہدو اب کہین خیمہ کرین بپا
محمل مین گھٹ گئی مجھے گودی مین لو ذرا
ٹھنڈی ہوا مین لے کے چلو تم پہ مین فدا

سایہ کسی جگہہ ہے نہ چشمہ نہ آب ہے
تم تو ہوا مین ہو مری حالت خراب ہے

مثال ۳

صغیر السن بچہ نزع کی حالت مین

راوی نے یہ لکھا ہے کہ اسدم بحالِ زار
دن کو ہوا قرانِ مہ و مہر آشکار
لائے حسین ہاتھون پہ یک طفلِ شیرخوار
مرجھا گیا تھا پیاس سے لیکن وہ گلعذار

تھا فرطِ غش سے ننھا سا منہ کا ڈھلا ہوا
باندھے ہوے تھا مٹھیان اور منہ کھلا ہوا

چھوٹا سا ایک سبز عمامہ تھا دوش پر
جتنی ہوین وہ جن پہ تصدق دل پدر
ماتھا جھنڈولے بالون مین تاباں جون قمر
آنکھین تو نرگسی پہ نقاہت زیادہ تر

سایہ مین دامنِ خلفِ بوتراب کے
رخسار تھے کہ پھول کھلے تھے گلاب کے

پھیلا ہوا وہ آنکھون مین کاجل ادہر اُدہر ۔ خشکیدہ ہونٹھ سوے مژہ آنسوؤن سے تر
باچھون سے تہا نمود جیسے دودہ کا اثر ۔ ہاتھون مین نیلے ڈورے تھے ہیکل تہی سینہ پر

ننھے سے دل کو ان کے بچھڑنے کا درد تہا
رن کی ہواے گرم سے جسم اسکا سرد تھا

کرتا بدن مین آتا تہا اس رنگ سے نظر ۔ پڑتی ہے اوس پھولون پہ جیسے دم سحر
سینہ تہا صاف صورتِ آئینہ جلوہ گر ۔ گرمی سے ہوگیا تہا شلوکہ عرق مین تر

چہاتی مین دمبدم جو دم اسکا اٹکتا تھا
گھبرا کے ننھے ہاتھون کو دیدے پٹکتا تھا

مثال ۴

فوجون کی آمد و جنگ کی طیاری

ہے شور آمدِ آمدِ فوجِ فلک سریر ۔ فوجون کی ہر طرف سے چلی آتی ہے بھیر
دعوت کے واسطے ہین سنانین لئے شریر ۔ حضرت کی پیشکش کو کمانین ہین اور تیر

پانی پہ چوکیان ستم آرا بٹھاتے ہین
دریا کے گھاٹ برچھیون سے روکے جاتے ہین

ستے گئے ہین شام کے حاکم کے جابجا ۔ ہر پرگنہ سے ہے طلبِ لشکر جفا
آکر اترتی جاتی ہین فوجین جدا جدا ۔ لیتا ہے جایزہ عمر سعد بے حیا

غل ہے کرینگے قتل جو زہرا کے ماہ کو
انعام مین ملے گا دو ماہہ سپاہ کو

تیغین سلاح خانہ سے نکلی ہین بیشمار ۔ ہے جابجا درستی اسبابِ کارزار

ہوتے ہیں لیس تیروں کے دستے کئی ہزار
خنجر ہوئے ہیں ذبح کو پیاسوں کے آبدار
نوکیں نکالی جاتی ہیں تیروں کی سان پر
پھل برچھیوں پہ چڑھتے ہیں پرچم نشان پر

ولہ

نقارۂ دغا پہ لگی چوب، یک بیک
اٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگے فلک
شہپور کی صدا سے ہراساں ہوئے ملک
قرنا پھنکی کہ گونج اٹھا دشت دور تک
شور دہل سے حشر تھا افلاک کے تلے
مردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

حد سے فزوں تھی کثرتِ افواجِ نابکار
نیزہ پہ نیزہ تیغ پہ تھی تیغِ آبدار
ہر سمت تھی سناں پہ سناں مثلِ خارزار
ہر صف میں تھی سپر پہ سپر مثل لالہ زار
پیکاں بہم تھے جیسے ہوں گل بے کھلے ہوئے
گوشوں سے تھے کمانوں کے چلّے ملے ہوئے

امڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دل پہ دل
تھے برچھیوں کی صورت مقراض پھل پہ پھل
خنجر وہ جنکی آب میں تھے ملتی اجل
وہ گرز جنکے ڈر سے گرے دیو سر کے بل
دو دو تبر تھے پاس ہر اک خود پسند کے
حلقوں پہ تھے بچھے ہوئے حلقے کمند کے

مثال ۵۔

سفر کی طیاری

آراستہ ہیں بہرِ سفر سرو قبا پوش
عمامے سروں پر ہیں عبائیں لبِ سر دوش

یارانِ وطن ہوتے ہین، آپسمین ہم آغوش
حیران کوئی تصویر کی صورت کوئی خاموش

منہ ملتا ہے روکر کوئی سرور کے قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبر کے قدم پر

عباسؑ کا منہ دیکھکے کہتا ہے کوئی آہ
کہتے ہین گلے مل کے یہ قاسم کے ہواخواہ

اب آنکھون سے چھپ جائیگی تصویر ید اللہ
واللہ دلون پر ہے عجب صدمۂ جان کاہ

ہم لوگون سے شیرین سخنی کون کریگا
یہ اُنس یہ خلقِ حسنی کون کریگا

روتے ہین وہ جو عونؑ و محمدؑ کے ہین ہمسن
اس داغ سے چین آئے ہمین یہ نہین ممکن

کہتے ہین کہ مکتب مین نہ جی بہلیگا تم بن
گرمی کا مہینہ ہے، سفر کے یہ نہین دن

تم حضرت شبیرؑ کے سایہ مین پلے ہو
کیون دہوپ کی تکلیف اُٹھانے کو چلے ہو

ہم جولیون سے کہتے ہین وہ دونون برادر
پالا ہے ہمین شاہ نے ہم جائین نہ کیونکر

ہان بہائیو تم بھی ہمین یاد آؤگے اکثر
ماموں رہین جنگل مین تو اپنا ہے وہی گھر

وہ دن ہو کہ ہم حقِ غلامی سے ادا ہون
تم بھی یہ دعا مانگو کہ ہم شہ پہ فدا ہون

رخصت کیلئے لوگ چلے آتے ہین باہم
ایسا نہین گھر کوئی کہ جس مین نہین ماتم

ہر قلب حزین ہے تو ہر اک چشم ہے پرنم
غل ہے کہ چلا دلبرِ مخدومۂ عالم

خدام کھڑے پیٹتے ہین قبرِ نبیؐ کے
روضہ پہ اُداسی ہے رسولِ عربیؐ کے

ہم سنون کی ... (margin note, partially illegible)

سفر کی طیاری اور سواری کی تقسیم۔

تدبیر سفر مین ہے اُدہر سبط پیمبر
اسباب نکلواتے ہین عباس دلاور
گھر مین کبھی آتے ہین کبھی جاتے ہین باہر
تقسیم سواری کے تردد مین ہین اکبر
شہ کو جنھین لیجانا ہے وہ پاتے ہین گھوڑے
خالی ہوا اصطبل چلے آتے ہین گھوڑے

حاضر در دولت پہ ہین سب یاور و انصار
ہودج ہی کسے جاتے ہین محمل ہی ہین تیار
کوئی تو کمر باندہتا ہے، اور کوئی ہتیار
چلاتے ہین دربان کوئی آئے نہ خبردار
ہر محمل و ہودج پہ گھٹا ٹوپ پڑے ہین
پردے کی قناتین لئے فراش کھڑے ہین

عورتین کیونکر رخصت ہوتی ہین۔

عورات محلہ چلی آتی ہین، بصد غم
پُرسے کی طرح رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم
کہتی ہین، یہ دن رحلت زہرا سے نہین کم
فرش اُٹھتا ہے کیا، بچھتی ہے گویا صف ماتم
غل ہوتا ہے ہر سمت جدا ہوتی ہے زینب
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینب

عورتون کا سمجھانا کہ یہ سفر کے دن نہین۔

لے لے کے بلائین یہی سب کرتی ہین تقریر
سمجھاتی نہین بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر
اس گرمی کے موسم مین کہان جاتے ہین شبیر
مسلم کا خط آئے تو کرین کوچ کی تدبیر
للّٰلہ ابھی قبر پیمبر کو نہ چھوڑین
گھر فاطمہ زہرا کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑین

اُجڑے گا مدینہ جو یہ گھر ہوے گا خالی
کیا جانئین کہ پھر آئین نہ آئین شہ عالی
بربادی یثرب کی بنا چرخ نے ڈالی
حضرت کے سوا کون ہے اس شہر کا والی
زہرا ہین نہ حیدر نہ پیمبر نہ حسن ہین

اب اُن کی جگہہ آپ ہین یا شاہِ زمن ہین

گرمی کے یہ دن اور پہاڑون کا سفر آہ
رستے کی مشقت سے کہان ہین کبھی آگاہ

ان چہوٹے سے بچون کا نگہبان ہے للہ
ان کو تو نہ لیجایئن سفر مین شہ ذیجاہ

قطرہ بہی دمِ تشنہ دہانی نہین ملتا
کوسون تلک اس راہ مین پانی نہین ملتا

مُنہ دیکہہ کے صغرا کا چلا آتا ہے رونا
جہولا یہ کہان اور کہان نرم بچہونا

آرام سے مادر کی کہان گود مین سونا
لکہا تہا اسی سن مین مسافر انہین ہونا

کیا ہوگا جو میدان مین ہوا گرم چلے گی
یہ پہول سے کُمہلایئن گے مان ہاتہہ ملے گی

اُن بی بیون سے کہتی تہی یہ شاہ کی ہمشیر
اس شہر مین رہنا نہین ملتا کسی تدبیر

بہنون ہین نصیب سے لیے جاتی ہے تقدیر
یہ خط پہ خط آئے ہین کہ مجبور ہین شبیر

مجہکو بہی ہے رنج ایسا کہ کچہہ کہہ نہین سکتی
بہائی سے جدا ہو کے مگر رہ نہین سکتی

مثال ۶

گرمی اور گرمی کی شدت مین زن و مرد اور بچون کی حالت

گرمی کی شدت

مخفی تہے شرر شدتِ گرما سے حجر مین
نہ بحر مین راحت تہی کسی دل کو نہ برَ مین

جلتی تہی یہ لون آگ بہڑکتی تہی جگر مین
جہیلون مین نہ پانی تہا نہ پتے تہے شجر مین

پایاب تہے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تہے
سوتین بہی نہ آتی تہین کنوین خشک پڑے تہے

پتھر کی چٹانون سے نکلتے تھے شرارے
ناری تھی ہوا، سبز شجر زرد تھے سارے
ڈوبے تھے عرق مین اسد اللہ کے پیارے
دھڑکا تھا کہ یہ لون کسی بچے کو نہ مارے
ہوش آتا نہ تھا اصغرِ معصوم کو غش سے
اودے تھے لبِ لعل سکینہؑ کے عطش سے

گرمی کی شدت سے ایک ایک شخص کی حالت ۔

تھا مہر کی حدت سے یہ حالِ شہِ ابرار
ماتھے سے ٹپکتا تھا عرق، رخ تھے خسار
تحمید مین جنبان تھے لبِ لعلِ گہربار
بھر کر نفسِ سرد یہ فرماتے تھے ہر بار
اک پھول بھی زہراؑ کے چمن مین نہ ملے گا
کیا ہوگا جو پانی کسی بن مین نہ ملے گا

گرمی سے یہ تھا حضرت عباسؑ کا عالم
مُنہ سرخ تھا اور ہانپتے تھے صورتِ ضیغم
چہرہ بھی عرقناک تھا اور طبیعت بھی برہم
فرماتے تھے اشک آنکھون مین بھر کر شہِ عالم
تم شیر ہو راحت تمھین بھائی نہ ملے گی
جب تک کسی دریا کی ترائی نہ ملے گی

یون اکبرؑ مہرو تھے پسینے مین نہائے
جیسے تپِ محرق مین جوان کو عرق آئے
جب جھکنے لگا دل تو سخن لب پہ یہ لائے
ربِّ دو جہان حشر کی گرمی سے بچائے
گزرے گا ہر اک دم، تپشِ دل سے قلق مین
سب تا بہ کمر ڈوبے ہوے ہونگے عرق مین

حضرت کو سکینہؑ یہ صدا دیتی تھی پیہم
محمل مین گھٹا جاتا ہے گرمی سے مرا دم
سب ڈوب گئی ہون یہ پسینے کا ہے عالم
برسے گی یون ہی آگ تو جینے کے نہین ہم
ہین ابرِ کرم آپ کرم کیجیے بابا

سایہ کہیں مل جائے تو دم لیجیئے بابا

سُنکر یہ بھتیجی کی صدا حضرتِ عباسؑ — کہتے تھے چچا صدقے تھے ہو، رو و نہ بصد یاس
لو پانی پیو تم کو لگی ہو جو بہت پیاس — دم گھٹتا ہے محمل میں تو آجاؤ مرے پاس
تکلیف تمہاری ہمیں منظور نہیں ہے
دن ڈھلتا ہے، منزل بھی بس اب دور نہیں ہے

مشکیں لیے سقّے جو سواری کے تھے ہمراہ — بھر لاتے تھے پانی اپنے فوجِ شہ ذیجاہ
جسطرح کہ پیاسوں کا ہو مجمع بسرِ راہ — پانی پہ گرے پڑتے تھے یوں شہ کے ہوا خواہ
جنگل میں عطش کا جو تھا صدمہ کہ دم پر
چہرے پہ چھڑکتا تھا کوئی کوئی زرہ پر

گرمی سے بچنے کی تدبیریں

بھرتا تھا دمِ سرد، پریشان کوئی ہو کے — دامن سے ہوا دیتا تھا مُنہ کو کوئی دھو کے
بچتا تھا کوئی لُون سے، ردا چہرے پہ رو کے — رکھ لیتا تھا سر پر کوئی رومال بھگو کے
پڑتی تھیں جو چھینٹیں تو مزا دیتا تھا پانی
جھک کر کوئی چلّو ہی سے پی لیتا تھا پانی

کہتے تھے قرین ناقوں کے آکر شہِ ابرار — حاضر ہے جو پانی کسی بی بی کو ہو درکار
آندھی سے ہے گھٹا ٹوپ اُڑے جاتے ہیں پردار — اے بنت ید اللہ سکینہؑ سے خبردار
رستا یہ پہاڑوں کا ہے منزل یہ کڑی ہے
بچوں کو چھپائے رہو، لون آج بڑی ہے

محمل سے نظر کرکے یداللہ کی جائی نے — کہتی تھی کہ اللہ نے یہ شکل دکھائی
جس دن سے چھٹا گھر کہیں راحت نہیں پائی — فریاد بہن دھوپ میں سنولا گئی بھائی

کیا بن گئی جنگل میں امام دوسرا پر
سایہ بھی درختوں کا نہیں ظلِ ہما پر

صدقے گئی جنگل کی نہ اب دیر ہوئی چاہیے
دن کاٹیے سایہ میں کہیں رات کو چلیے
منہ دھوئیے دم لیجیے پوشاک بدلیے
لون چلتی ہے آفت کی پہاڑوں سے نکلیے

ناشاد بہن آپ کی غربت پہ فدا ہو
بچہ کوئی گر تونس کے مرجائے تو کیا ہو

مثال ۷ -

لڑائی کی طیاری

یہ ذکر تھا کہ بجنے لگا طبل اُس طرف
مشکل کشا کی فوج نے باندھی اُدھر بھی صف
تیروں نے رخ کیا سوئے ابن شہِ نجف
سینوں کو غازیوں نے اُدھر کر دیا ہدف

تھا بسکہ شوق جنگ ہر یک رشک ماہ کو
جوش آگیا وغا کا حسینی سپاہ کو

غصے سے آفتاب ہوئے مہوشوں کے رنگ
فوجوں پہ جا پڑیں یہ دلوں کو ہوئی اُمنگ
تن تن کے برچھیاں جو سنبھالیں برائے جنگ
بیچین ہو گئے فرسِ ابلق و سمند رنگ

پاس ادب سے شاہ کی اصمت پڑ کے تھم گئی
پٹری ہر اک سوار کی گھوڑے پہ جم گئی

تنتا ہوا بڑھا کوئی قبضہ کو چوم کے
بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے
بولا کوئی یہ غول ہیں کیا شام و روم کے
ٹکڑے اُڑائیں گے عمر و شمر شوم کے

نامرد جو ہیں آنکھ چُراتے ہیں مرد سے

طبل جنگ بجنے پر شجاعوں کی کیا حالت ہوتی ہے۔

دونون کو چار کرکے پھرے سگے بندرسے

دولا کہہ سے نظر کسی غازی کی لڑگئی
چتون کسی کی شور دہل سے بگڑ گئی
بل کھا کے زلف رخ پہ کسی کے اکڑ گئی
منہ سرخ ہو گیا شکن ابرو پہ پڑ گئی

نکلا کوئی سمند کو زانون مین داب کے
غصے سے رہ گیا کوئی ہونٹون کو چاب کے

بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کمان سے
نعرہ کسی کا پار ہوا آسمان سے
نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے
تلوار کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے

اک شور تھا کہ تلخ کیا ہے حیات کو
لاشون سے چل کے پاٹ دو نہر فرات کو

سنتے ہی یہ کلام جوانان نام ور
کہتے تے پیچھے لئے وہ غیرت قمر
لڑکے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھکر
یارب شکست کو فیون کو دے ہمین ظفر

سر کے نہ پھر وغا مین جو بڑھ کے قدم گڑے
جا کر در یزید پہ اپنا علم گڑے

مثال ۸

بیکسی اور تنہائی

حضرت پہ ادھر ہوتی ہے اعدا کی چڑھائی
سیدانیان دیتی ہین محمد کی دہائی
تنہا ہین نہ بیٹا نہ بھتیجا ہے نہ بھائی
اعدا مین یہ غل ہے کہ کرو فتح لڑائی

ڈوبے ہوئے خون مین شہدا گرد پڑے ہین

گھوڑے پہ اکیلے شہِ ابرار کھڑے ہین

ہے تابشِ خور سے عرق افشان رخِ گلفام — لب خشک ہین پانی کا میسر نہین اک جام
لون چلتی ہے خاک اُڑتی ہے ہے ظہر کا ہنگام — تنہا یہ چلی آتی ہے اُمنڈی سیہ شام

یہ شوقِ شہادت ہے شہنشاہِ زمن کو
بوچھار سے تیرون کے بچاتے نہین تن کو

ہین آگ مین تیغون کے کہڑی پر نہین کچھ غم — اُمت پہ نہ آنچ آئے دعا ہے یہی ہر دم
ہین گرد بیابانین اٹے گیسوے پُر خم — نیلے ہین لبِ لعل یہ ہے پیاس کا عالم

بو آتی ہے دریا سے برادر کے لہو کی
چھینٹین ہین قبا پر علی اکبرؑ کے لہو کی

ذکرِ غمِ عباسؑ بہی اصلا نہین کرتے — غیرت سے نظر جانبِ دریا نہین کرتے
خونِ علی اکبرؑ کا بہی دعوا نہین کرتے — امت کے یہ ہین ظلم پہ شکوا نہین کرتے

پانی کے بہی طالب نہین گو تشنہ دہن ہین
کلمے ہین نصیحت کے محبت کے سخن ہین

مثال ۹-

فوج کا داخلہ اور طیاری جنگ

خیمہ مین اُترے یان تو شہِ عرش بارگاہ — آ آ کے اُس طرف بہی اُترنے لگی سپاہ
کوسون علم کہلے تہے جدہر کیجیے نگاہ — یان تک کہ بند ہو گئی چارون طرف سے راہ

فوجون سے تا بہ صبح زمین رن کی بہر گئی
اک رات مین چڑہی ہوئی ندی اُتر گئی

اس کثرتِ سپاہ پہ ناگہ ہوئی یہ دھوم
آپہونچا شام سے پسرِ سعدِ نحس و شوم
جسکی جلو مین لاکھ سوارون کا ہے ہجوم
لشکر مین یکّہ تاز جوانانِ شام و روم
بس کھل گیا نہ طور صفائی کا ہووے گا
اب کل سے بندوبست لڑائی کا ہووے گا

یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوے نشان
اعدا زمین پہ ظلم کا دریاے بیکران
موجون کی طرح سب تھین صفین پیش و پس رواں
لہراتے تھے ہوا سے علم مثلِ بادبان
بجتا تھا دشتِ کین مین دہل اس طرح سے تھے
باجون کا تھا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

جنگی وہ رومیون کے پرے شامیون کے دل
خوفِ خدا نہ جن کو نہ اندیشۂ اجل
مکّار و اہلِ نار و دغا باز و پر دغل
شکلین مہیب دیو سے قد، ابرون پہ بل
بدخواہ خاندانِ رسالت پناہ سے تھے
ایسے جلے ہوے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

تلوارین کھینچے بڑھ کے جمے دو طرف سوار
غل ہو گیا سلامی کے باجون کا ایک بار
ڈنکے کی دمبدم تھی صدا آسمان کے پار
"آگے بڑھے چلو" یہ نقیبون کی تھی پکار
گھوڑون کے گرد و پیش رئیسانِ شام تھے
زرین کمر جلو مین کئی سو غلام تھے

مثال ۱۰ - حضرت عباسؑ نہر سے مشک بھر چکے ہین اور واپس آنا چاہتے ہین، دشمن یہ دیکھ کر ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے ہین حضرت عباسؑ اس کشمکش مین ہین کہ آپ کو بچائین یا مشک کو سنبھالین اس وقت کے مضطربانہ حرکات کی تصویر ہے

اِک تشنہ کام لاکھون مین کس کس کو دے جواب
شل ہو گیا تھا بازوے فرزندِ بوتراب
کہتا تھا ہات اُٹھنے کی مجھ مین نہین ہے تاب
لڑنے مین فکر تھی کہ نہ ضایع ہو مشکِ آب
پروانہ تھی جو بازوٴن پر تیر کھاتے تھے
لیکن سپر سے مشکِ سکینہؑ بچاتے تھے

برچھی سے چھد گیا کبھی دل اور جگر کبھی
اِک شیر سے ادہر کبھی جھپٹے اُدہر کبھی
چھاتی تلے تھی مشک کبھی دوش پر کبھی
سینہ کبھی تھا مشک کے اوپر سپر کبھی
رہوار پر سنبھلتے تھے جب جھوم جھوم کے
روتے تھے بازوٴن کو علیؑ چوم چوم کے

تکتے تھے مُسکرا کے سوے آسمان کبھی
ہونٹون پہ پھیر لیتے تھے سوکھی زبان کبھی
لگتا تھا تن پہ تیر کبھی اور سنان کبھی
جھکتے تھے خود فرس سے کبھی ور نشان کبھی
گھوڑے کو جب بڑہاتے تھے رانون مین داب کے
قدمون سے نکلے جاتے تھے حلقے رکاب کے

چھینٹین لہو کی اُڑ کے جو پڑتی تہین مشک پر
دامن سے پوچھتے تھے علمدار نامور
یہ پاس تھا کہ تیغون سے ٹکڑے ہو میرا سر
شُقّہ مگر علم کا لہو سے نہ ہووے تر
اقبال بادشاہِ زمین و زمان رہے
دنیا مین مین رہون نہ رہون یہ نشان رہے

ولہ

گر گر کبھی اُٹھے ؟ کبھی رکھا زمین پہ سر
اُبلا کبھی لہو، تو سنبھالا کبھی جگر
حسرت سے کی خیام کی جانب کبھی نظر
کروٹ کبھی تڑپ کے ادہر لی کبھی اُدہر

اُٹھہ بیٹھے جب، تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے
تیر اور تن مین گڑ گئے، جب مُنہ کے بل گرے

مثال ۱۱-

پردہ کا اہتمام

بیت الشرف خاص سے نکلے شہ ابرار
فراشون کو عباسؑ پکارے یہ بہ تکرار
روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترت اطہار
پردے کی قناتون سے خبردار خبردار
باہر حرم آتے ہین رسول دوسرا کے
شقّہ کوئی جھک جائے نہ جھونکے سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو وہ اُتر جائے
ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے
آتا ہو ادہر جو وہ اُسی جا پہ ٹھہر جائے
دیتے رہو آواز جہان تک کہ نظر جائے
مریم سے سوا حق نے شرف ان کو دئیے ہین
افلاک پہ آنکھون کو ملک بند کئے ہین

آ پہونچی جو ناقہ کے قرین دختر حیدرؑ
فضہ تو سنبھالے ہوئے تھی گوشۂ چادر
خود ہاتھہ پکڑنے کو بڑھے سبط پیمبر
تھے پردۂ محمل کو اُٹھائے علی اکبرؑ
فرزند کمربستہ چپ و راس کھڑے تھے
نعلین اُٹھا لینے کو عباسؑ کھڑے تھے

مثال ۱۲-

مستورات کا محمل سے اُترنا

جمّازہ کہ زینبؑ جو قرین ڈیوڑھی کے پہونچا
کُرسی سے اُٹھے آپ شہ یثرب و بطحا

گرد آکے کیا قاسمؑ و عباسؑ نے پردا — محمل سے اُترنے جو لگی دخترِ زہراؑ

اک ہاتھ علی اکبرؑ ذی جاہ نے تھاما
اک ہاتھ جگر بندِ ید اللہ نے تھاما

چھاتی سے سکینہ کو لگائے ہوئے اُتریں — آنسو رخِ انور پہ بہائے ہوئے اُتریں
شہزادی کو چادر میں چھپائے ہوئے اُتریں — پردا تھا مگر سر کو جھکائے ہوئے اُتریں

مثال ۱۳۔ عونؑ و محمدؑ میدانِ جنگ میں لڑ رہے ہیں، سیدانیاں دروازہ پر جو اس کھڑی ہیں حضرت زینبؑ فضہ سے پوچھتی ہیں کہ میرے بچے کیا کر رہے ہیں؟ وہ جواب دیتی ہے ۵

سیدانیاں دروازہ پہ تھیں کھولے ہوئے سر — اصغرؑ کو لئے کانپتی تھی بانوئے بے پر
فضہ تھی پریشان کئے موُ خیمہ کے اندر — پردہ سے لگی کہتی تھی یہ شاہ کی خواہر

بتلا مجھے بچے مرے کیا کرتے ہیں دونوں
وہ کہتی تھی لاکھوں سے دغا کرتے ہیں دونوں

وہ رُخ پہ نظر آتے ہیں، اُڑتے ہوئے گیسو — وہ تیغ بجلی کی طرح گرتے ہیں ہر سو
ڈھالیں لئے وہ بھاگتے پھرتے ہیں جفا جو — وہ ابر میں چھپ چھپ کے نکل آتے ہیں مہ رو

بہتا ہے لہو چھاتیوں سے۔ چور ہیں دونوں
کس طرح پکاروں کہ بہت دور ہیں دونوں

مثال ۱۴۔ حضرت عباسؑ نہر کے کنارے پہنچے ہیں۔ گھوڑا کئی دن کا پیاسا تھا۔ پانی دیکھ کر بیتاب ہو گیا ہے، لیکن چونکہ تمام قافلہ پیاسا ہے، حضرت عباسؑ اسکو پانی پینے سے روکتے ہیں۔ اس وقت گھوڑے کی حالت ۵

دو دن سے بے زباں پہ جو تھا آب و دانہ بند — دریا کو ٹھنکا کے لگا دیکھنے سمند

ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند | چمکارتے تھے حضرت عباسؑ ارجمند

تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا مُنہ سوار کا

مثال ۱۵۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا میدان کربلا میں داخلہ، رُفقا سے خطاب، اور نوجوانوں کی سیر و تفریح

اُترا یہ کہہ کے کشتی امت کا ناخدا | جتنے سوار تھے وہ ہوئے سب پیادہ پا
حضرت نے مُسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا | دیکھو تو، کیا ترائی ہے؟ کیا نہر؟ کیا فضا

اکبر شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباسؑ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہ سر بلند | کیوں یہ مقام ہے تمہیں شاید بہت پسند
کی مُسکرا کے، عرض کہ اے شاہِ ارجمند | بس یاں تو خود بخود ہوئی جاتی ہیں آنکھ بند

شبیر اب یہیں رہیں گے عنایت جو رب کی ہے
میں کیا کہوں حضور، ترائی غضب کی ہے

روتے ہوئے وہاں سے بڑھے آپ چند گام | گویا زمیں کی سیر کو اُترا مہ تمام
انجم کی طرح گرد تھے حیدرؑ کے لالہ فام | شکلیں وہ نور کی وہ تجمل وہ احتشام

زلفیں ہوا میں اُڑتی نہیں؟ ہاتوں میں ہاتھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

مثال ۱۶

تمام رفقا کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ کی بیکسی اور دشمنوں کا نرغہ

مومنو خانۂ زہرؑا پہ تباہی ہے آج | گھر پہ سادات کے بانی کی مناہی ہے آج

تن تنہا خلفِ شیرِ الٰہی ہے آج
خلق سے سبط نبیؑ خلد کو راہی ہے آج

قتل کی بیکس و مظلوم کی تدبیرین ہین
اِک نبیؑ زادہ ہے اور سیکڑون شمشیرین ہین

نیزے تانے ہوئے اُمڈے چلے آتے ہین سوار
تیغین کھینچے ہوئے جو گرد کھڑے ہین جرّار
ہین کماندار پرا باندھے ہوئے تیس ہزار
غل ہے مہلت نہ ملے سبط نبیؑ کو زنہار

برق شمشیر ہر اک جا پہ چمک جاتی ہے
جسطرف دیکھتے ہین موت نظر آتی ہے

نہ ہے غمخوار نہ ہمدرد نہ یاور کوئی
نہین اتنا ہے خبر پوچھے جو آکر کوئی
نہ بھتیجا ہے نہ بیٹا نہ برادر کوئی
ایک اللہ تو ہے اور نہین سر پر کوئی

تھے جو غمخوار وہ ریتی پہ پڑے سوتے ہین
اپنی تنہائی پہ شاہ دوجہان روتے ہین

جسم پر تیغ لگاتا ہے کوئی اور کوئی تیر
روکے فرماتے ہین اعدا سے کہ اے قوم شریر
خون مین سر تا بقدم تر ہین جناب شبیرؑ
کیا گنہ ہے مجھے کیون مارتے ہو بے تقصیر

یون ستاؤ نہ کہ مین مرگ پہ آمادہ ہون
رحم لازم ہے کہ سید ہون نبیؐ زادہ ہون

کوئی سنتا نہین فریاد امام عالی
ماہ زہرا پہ فلک نے یہ مصیبت ڈالی
برچھیان چلتی ہین اور ہوتے ہین ترکش خالی
خون مین تر زلفین ہین یا تنگ ہے پریشان حالی

زخم تلوارون کے خاموش ہم کھاتے ہین
غش مین جھکتے ہین کبھی گاہ سنبھل جاتے ہین

لاشۂ اکبرؑ و عباسؑ جو آتا ہے نظر
روکے فرماتے ہین بیٹے سے کہ ای جانِ پدر
تھام لیتے ہین کلیجہ کبھی اور گاہ جگر
ایسے غافل ہو کہ لیتے نہین بابا کی خبر
مرے پیارے مرے جانی مرے دلبر اٹھو
ہم پہ تنہائی ہے اٹھو علی اکبرؑ اٹھو

لاشِ عباسؑ سے کرتے ہین بصد یاس بیان
وقتِ امداد و اعانت ہے برادر قربان
اے مرے یار وفادار مرے شیر جوان
چھوڑ کر ہمکو لعینون مین سدہارے ہو کہان
لاکھ ملعونون نے میدان مین ہمین گھیرا ہے
تمنے بھائی سے عجب وقت مین مُنہ پھیرا ہے

کہتے تھے اہلِ ستم حال سُناتے ہو کسے
کون ہے بیکس و مظلوم دکھاتے ہو کسے
مر گئے اکبرؑ و عباسؑ بلاتے ہو کسے
چونکتے ہین کہین مردے بھی جگاتے ہو کسے
حلق پر خنجرِ خونخوار پھرا دیتے ہین
اب تمہین بھی اسی مقتل مین گرا دیتے ہین

روکے فرماتے ہین یہ فوجِ ستمگار سے شاہ
غم مین اپنون کے کیونکر نہ کرون نالہ و آہ
ذبح ہونے کی مجھے عید ہے خالق ہے گواہ
اُن کو روؤن گا مین جبتک کہ جیون گا واللہ
بھولتا ہے کوئی اس طرح کے غمخوارون کو
یاد کرتے ہین وفادار وفادارون کو

دشت مین جلتی ہین لون دہوپ کی شدت سے کمال
سُرخ ہے خون سے قبا دہوپ سے رخسار ہے لال
جیٹھ بیساکھ کے ایام ہین اور وقتِ زوال
نکلی آتی ہے زبان مُنہ سے یہی پیاس کا حال
تن جلا جاتا ہے جب گرم ہوا آتی ہے

ریت اوڑا وڑ کے ہر اک زخم مین بھر جاتی ہے

تیر بیٹھا ہے جو اس چاند سی پیشانی پر — خون کی چادر سی ہے اک چہرۂ نورانی پر
ہے عجب بیکسی اُس فاطمہؑ کے جانی پر — کبھی اعدا پہ نظر ہے تو کبھی پانی پر

تیغین کہا کہا کے لبِ خشک جو دکہلاتے ہین
تیر اُدہر سے عوضِ جرعۂ آب آتے ہین

جون کمان کٹ کے لٹک آئے ہین ابروئے خمدار — ہین لہو رونے سے وہ نرگسی آنکہین گلنار
بوسے جن ہونٹون کے لیتے تہے رسولِ مختار — پیاس سے سوکہ گئے ہین وہ لبِ گوہربار

چاند شرمندہ تہا جن پہول سے رخسارون سے
چاک ہین مثلِ کتان ظلم کی تلوارون سے

زخمی ہین ابن ید اللہ کے دونون بازو — ہاتہہ حیہات کہ یکدست ہین اب بے قابو
تیغ شانے پہ کبھی لگتی ہے ساعد پہ کبھو — اونگلیان ایسی ہین زخمی کہ ٹپکتا ہے لہو

پر یہ ہے امتِ محبوبِ خدا کی خاطر
زخمی ہاتہون کو اُٹہائے ہین دعا کی خاطر

سخت آفت مین ہے وہ پشت و پناہ عالم — کمرِ پاک ہے بارِ غمِ عباس سے خم
علی اکبرؑ کی جوانی کا ہے جانکاہ الم — زانو پر مارتے ہین دستِ تاسف ہر دم

وار سے تیغون کے اعضا سے بدن کٹتے ہین
کہیت سے پر کہین شیرون کے قدم ہٹتے ہین

ساتہہ اسوار کے زخمی ہے سراپا رہوار — کئی سو تیر ہین گردن سے بہی پہلو ہی پار

یاں سے خون کی بوندین ہین ٹپکتی ہر بار
نہ کھڑے رہنے کی طاقت ہے نہ تاب رفتار

تیر جب لگتا ہے کچھ کہہ تو نہین سکتا ہے
پھیر کر منہ شہ والا کی طرف تکتا ہے

شاہ فرماتے ہین اے میرے رفیق و ہمدم
ہے مجھے اپنے عزیزون کے برابر ترا غم
ہمسے تو چھٹتا ہے اب تجھسے جدا ہوتے ہین ہم
مرکے بھی تجھکو نہ بھولون گا مین خالق کی قسم

خلق سے سوے عدم کوچ کی تیاری ہے
آخری اب ترے آقا کی یہ اسواری ہے

دیکھ لے تیری طرح مین بھی ہون زخمی واللہ
فاقہ مجھپر بھی ہے اور تو بھی ہے بے دانہ و کاہ
ہے اگر تشنہ دہانی سے ترا حال تباہ
تین دن گذرے ہین پانی سے نہین ہون آگاہ

تو زبان خشک جو منہ پھیر کے دکھلاتا ہے
پسر ساقی کوثر کو حجاب آتا ہے

مثال ۱۷ - اس سین کو ایک دوسرے موقع پر دکھایا ہے ؎

آج شبیر پہ کیا عالم تنہائی ہے
ظلم کی چاند پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہے
اس طرف لشکر اعدا مین صف آرائی ہے
یان نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہے

برچھیان کھاتے چلے جاتے ہین تلوارون مین
مار لو پیاسے کو ہے شور ستمگارون مین

زخمی بازو ہین کمر خم ہے بدن مین نہین تاب
ڈگمگاتے ہین نکل جاتی ہے قدمون سے رکاب
پیاس کا غلبہ ہے لب خشک ہین آنکھین ہین پر آب
تیغ سے دیتے ہین ہر وار کا اعدا کو جواب

شدت ضعف مین جس جا پہ ٹھہر جاتے ہین

سیکڑون تیر ستم تن سے گذر جاتے ہین

گیسو آلودۂ خون لپٹے ہین رخسارون سے
شانے کٹ کٹ کے لٹک آئے ہین تلوارون سے
تیر پیوست ہین خون بہتا ہے سوفارون سے
لاکھہ آفت مین ہے اک جان دل آزارون سے
فکر ہے سجدۂ معبود مین سر دینے کی
وار سے تیغون کے فرصت نہین دم لینے کی

خون مین تر پیچ عمامے کے ہین سر زخمی ہے
ہے جبین چاندسی پر نور مگر زخمی ہے
سینہ سب برچھیون سے تابہ کمر زخمی ہے
تیر بیداد سے دل زخمی جگر زخمی ہے
ضرب شمشیر سے بیکار ہین بازو دونون
ظلم کے تیرون سے مجروح ہین پہلو دونون

برچھی آکر کوئی پہلو پہ لگا جاتا ہے
مارتا ہے کوئی نیزہ تو غش آجاتا ہے
بڑھتے ہین زخم بدن زور گھٹا جاتا ہے
بند آنکھین ہین سر پاک جھکا جاتا ہے
گرد زہرا و علی گریہ کنان پھرتے ہین
غل ہے گھوڑے سے امام دوجہان گرتے ہین

گرتے ہین قطرۂ خون زخم جبین سے پیہم
دست مجروح سے کچھ سکتے نہین تیر ستم
فکر ہے بخشش امت کی کچھ اپنا نہین غم
کرتے ہین حمد خدا خشک زبان ہے ہردم
ہے عبا تیرون سے غربال قبا گلگون ہے
ہونٹ یاقوت سے زخمی ہین دہن پر خون ہے

زین سے ہوتا ہے جدا دوش محمد کا مکین
ہے چمن فاطمہ کا سرو ہے مائل بہ زمین
برچھیان گرد ہین اور بیچ مین ہے سرور دین
ہے یہ نزدیک گرے مہر نبوت کا نگین

پانون ہر بار رکابون سے نکل جاتے ہین
یاعلیؑ کہتی ہے زینبؑ توسنبھل جاتے ہین

لاکھہ شمشیرزن ہین اور ایک تن اطہر ہے
سیکڑون خنجر فولاد ہین اور اک سر ہے
ایک مظلوم ہے اور ظالمون کا لشکر ہے
نہ کوئی یار نہ ہمدم نہ کوئی یاور ہے

باگ گھوڑے کی لٹکتی ہے اُٹھا سکتے نہین
سامنے اہل حرم روتے ہین جا سکتے نہین

کوئی سید کا نہین آہ بچانے والا
پیاس مین کوئی نہین پانی پلانے والا
حربے لاکھون ہین اور اک زخم اُٹھانے والا
سنبھلے کسطرح بھلا برچھیان کھانے والا

چرخ سے آگ برستی ہے زمین جلتی ہے
مارے گرمی کے زبان خشک ہے لون چلتی ہے

کہین دم لینے کو سایہ نہین ہے وقت زوال
کبھی زینبؑ کا ہے غم گاہ سکینہؑ کا خیال
اینٹھی جاتی ہے زبان پیاس کی شدت سے کمال
دن جو ڈھلتا ہے تو حضرت ہوئے جاتے ہین نڈھال

مثل خورشید بدن ضعف سے تھراتا ہے
نیّر برج امامت پہ زوال آتا ہے

کہتے ہین ظالمون سے خشک زبان دکھلا کر
اہل کین کہتے ہین یہ تیغ ستم چمکا کر
بہر حق پانی کا اک جام پلا دو لا کر
آب شمشیر پیو برچھیون کے پھل کھا کر

یہ سخن سُنکے بھی غصہ نہین فرماتے ہین
یاس سے سوے فلک دیکھکے رہ جاتے ہین

عرض کرتے ہین یہ خالق سے کہ اے رب غفور
تو ہے عالم کہ نہین کچھہ ترے بندے کا قصور

ہاتھ امت پہ اُٹھانا نہین مجھکو منظور	کرتے ہین یہ سب مجھے بیجرم و خطا تیغون سے چور

جانتے ہین کہ محمدؐ کا نواسا ہون مین
پانی دیتے نہین دو روز کا پیاسا ہون مین

واقعہ نگاری

اُردو زبان کا ایک مشہور انشا پرواز لکھتا ہے۔

"فارسی مین صدہا نظم و نثر کی کتابین ہین جن کے خیالات، باریکی اور تاریکی عبارت مین جگنو سے اُڑتے نظر آتے ہین لیکن کیا حاصل؟ اس انداز مین اصلی ماجرا ادا کرنا چاہو تو ممکن نہین، ایسی ان کا دودھ پی کر اُردو نے پرورش پائی تو اسکا کیا حال ہوگا"

فارسی کے متعلق تو یہ الزام تسلیم نہین کیا جا سکتا، لیکن کچھ شبہہ نہین کہ اُردو مین جس چیز کی بڑی کمی ہے وہ یہی واقعہ نگاری ہے، شاعری کی جو صنفین اُردو مین آئین، وہ قصیدہ اور غزل تھی، ان دونون کو واقعہ طرازی سے کوئی نسبت نہ تھی، مثنویان جو لکھی گئین وہ مورخانہ نہین بلکہ عاشقانہ تھین، اس لئے اصلی واقعات کے اظہار کی چندان ضرورت پیش نہین آئی اُردو زبان کی نسبت جو کم مایگی کی شکایت ہے، وہ زیادہ تر اسی لحاظ سے ہے کہ وہ ہر قسم کے واقعات، معاملات، کاروبار۔ معاشرت، کے جزئیات کے ادا کرنے پر قادر نہین، اسی بنا پر، اگر اُردو نظم مین، کوئی تاریخ کی کتاب لکھنا چاہین تو نہین لکھہ سکتے،

واقعہ نگاری کی دو قسمین ہین،

(۱) واقعہ نگار کسی تاریخی واقعہ کو بے کم و کاست نظم کر دے، اسکے لئے صرف زبان پر قدرت درکار ہے شاعری کی چندان ضرورت نہین۔

(۲) واقعہ، اجمالاً معلوم ہے، لیکن واقعہ نگار، واقعہ کے تمام جزئیات اور حالات، اپنی طبیعت سے پیدا

کرتا ہے، وہ واقعہ کی نوعیت کو دیکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس قسم کے موقع پر فطرت کا اقتضا کیا ہے،
ان تمام چیزون کو وہ موجود فرض کرلیتا ہی اور ان کو ادا کرتا ہے۔

اس قسم کی **واقعہ نگاری** کا کمال یہ ہے کہ جو کچھ بیان کیا جائے بالکل بیان واقعی ہو، اور تمام واقعات
مین اس قسم کا تناسب، ربط، اور موزونی ہو کہ کسی واقعہ کی نسبت، شک کا احتمال بھی نہ آنے پائے۔
اس قسم کی واقعہ نگاری کے لیئے صرف قدرت زبان کافی نہین، بلکہ فطرت کا بڑا نکتہ دان ہونا درکار ہے،
مثلاً شاعر احباب کی جدائی کا واقعہ لکھنا چاہتا ہے تو اُسکو اُن تمام جزئی کیفیتون پر نظر ہونی چاہیئے
جو اس حالت مین پیش آتی ہین مثلاً یہ کہ اس حالت مین ایک دوسرے کو کس حسرت آمیز نگاہ سے دیکھتا
ہے؟ کس قسم کی باتین کرتا ہے؟ کن باتون سے دل کو تسلی دیتا ہے؟ رخصت کے وقت بے اختیار
کیا حرکات صادر ہوتے ہین، آغاز کی کیفیت، کس طرح بہ تدریج ترقی کرتی جاتی ہے؟ حاضرین پر ان سے
کیا اثر پڑتا ہے؟ پھر جُدای جُدای مین بھی فرق ہی، باپ بیٹے کی جدای، بھائی بھائی کی جدائی، زن وشو کی
جدائی۔ احباب کی جُدائی، ان مین سے ہر ایک کی الگ الگ خصوصیات ہین، اُن مختلف، اور کثیر الانواع
خصوصیات کا احاطہ کرنا، اور ان کو موثر پیرایہ مین ادا کرنا شاعرانہ واقعہ نگاری ہے،

اسی طرح لشکر کشی، معرکہ آرائی، فتح و شکست، سفر و حضر۔ بیماری و موت، قید و بند۔ دشت نوردی و
بادیہ پیمائی، سیکڑون ہزارون واقعات ہین، اور ہر واقعہ کی سیکڑون جزئیات ہین، ان تمام کا احاطہ کرنا، اور اُن کو
ہو بہو ادا کرسکنا، کمال شاعری ہے۔

اُردو زبان مین چونکہ ایک مدت تک بیہودہ مبالغہ اور خیال بندی کی گرم بازاری رہی، اس لیئے
واقعات کے ادا کرنے کے لیئے جو الفاظ۔ ترکیبین، اصطلاحات مقرر ہین، استعمال مین نہین آئین اس لیے
آج نئے سرے سے ان کو استعمال کیا جائے تو یا ابتذال یعنی عامیانہ پن یا غرابت یعنی روکھا پن پیدا ہو جاتا
ہے، نظیر اکبرابادی کے کلام مین جو صوفیانہ پن ہے، اسکا یہی راز ہے۔ میر حسن نے اپنی مثنوی مین

اکثر واقعات کا سمان دکھانا چاہا ہے اور یہ ان کی صحیح المذاقی کا نتیجہ ہے لیکن اکثر جگہہ ابتذال پیدا ہو گیا ہے،

ع کرتے کو کرتے سے بجاتی چلی، اگر واقعہ نگاری ہے، تو شعرا نے اچھا کیا کہ واقعہ نگاری سے الگ رہے-

واقعہ نگاری جب کمال کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے تو اُسکو مُرقع نگاری کہتے ہین جسکو آج کل کی زبان مین کسی چیز کا سمان دکھانا، یا سین دکھانا کہتے ہین-

میرانیس نے، واقعہ نگاری کو جس کمال کے درجہ تک پہنچایا ہے، اُردو کیا فارسی مین بھی اسکی نظیر بمشکل سے مل سکتی ہین، اُنکے کمال کی خصوصیات حسب ذیل ہین-

(۱) ہر قسم کے واقعات ومعاملات وحالات اس کثرت سے نظم کیے ہین کہ واقعہ نگاری کی کوئی صنف باقی نہین رہی جو اُنکے کلام مین نہ پائی جاتی ہو-

(۲) کوئی واقعہ جب سامنے آتا ہے تو عام نگاہین، صرف نمایان باتون پر پڑتی ہین اور اس سلئے جب لوگ اُن کو بیان کرنا چاہتے ہین، تو انھی نمایان باتون کو بیان کرتے ہین، لیکن ایک دقیق النظر اُن تمام جزئیات پر بھی نظر ڈالتا ہے، اور اُن کو ظاہر کرتا ہے یہ جزئیات جب ادا کئے جاتے ہین تو سامعین پر اسطرح کا اثر پڑتا ہے گویا کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی، اسکے علاوہ واقعہ کی پوری پوری تصویر کھینچنے سے دل پر ایک خاص اثر پڑتا ہے - یہ جزئیات، اکثر شعرا نظرانداز کرجاتے ہین جسکی وجہ اکثر تو یہ ہوتی ہے کہ اُن پر عام نگاہین پڑ نہین سکتین، اور زیادہ تر یہ کہ ہر شخص اُن کے ادا کرنے پر قادر نہین ہوتا، لیکن میرانیس چونکہ فطرت اور معاشرت انسانی، کے بہت بڑے رازدان ہین، اس لئے دقیق سے دقیق، اور چھوٹے سے چھوٹا نکتہ بھی اُنکی نظر سے بچ نہین سکتا اسکے ساتھ زبان پر یہ قدرت ہے کہ کہین اُنکو دقت پیش نہین آتی،

مثلاً ایک موقع پر گھوڑے کی تیزروی کو لکھا ہے قاعدہ ہے کہ گھوڑا جب حد سے زیادہ تیز دوڑتا ہے تو اکثر اُسکی دونو کنوتیان کھڑی ہو کر مل جاتی ہین، اسکو بعینہ اسطرح ادا کیا ہے،

ع دونون کنوتیان بھی کھڑی ہوکے مل گئین-

حضرت عباسؑ، جب نہر کے پاس پہنچے ہین، تو گھوڑا جو کئی دن کا پیاسا تھا، پانی دیکھکر بیتاب ہوگیا ہے لیکن حضرت عباسؑ اسکو پانی پینے سے روکتے ہین، اس موقع پر واقعہ کی اصلی صورت کھینچنے کے لئے یہ ضرور ہے کہ اس کشمکش کے موقع پر جو اضطرابی حالت پیش آسکتی تھی، وہ دکھائی جائے چنانچہ میر انیس کہتے ہین ؎

واقعہ کی جزئیات

دو دن سے بیزبان پہ جو تھا آب و دانہ بند — دریا کو ھنھنا کے لگا دیکھنے سمند
ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند — چمکارتے تھے حضرت عباسؑ ارجمند

تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا منہ سوار کا

یا مثلاً حضرت امام حسینؑ کے سامنے اُن کے ترسانے کو جب عمر بن سعد نے پانی منگوا کر پیا ہے اس موقع پر کہتے ہین، ع ظالم نے ڈگڈگا کے پیا سامنے جو آب،

ڈگڈگا کے پانی پینا، ایک معمولی اور غیر مہتم بالشان واقعہ ہے لیکن ایک تشنہ لب کے ترسانے کے مضمون مین اسکا اظہار حسن بلاغت کا ایک بڑا ضروری نکتہ ہے۔

یا مثلاً ایک موقع پر گھوڑے پر سوار ہونے کی حالت کو لکھا ہے؛ ع وہ ہاتھ ہٹکے آپنے رکھا ایال پر، گھوڑے سے ذرا ہٹ کر ایال پر ہاتھ رکھنا، اور سوار ہونا، سواری کی مخصوص حالت ہے، اس لئے واقعہ کی تصویر کھینچنے کے لئے اس حالت کا دکھانا ضرور تھا۔

یا مثلاً حضرت شہربانوؑ جب اپنی بیٹی صغراؑ سے رخصت ہونے لگی ہین، تو اصغرؑ کی طرف سے جو صرف چھ مہینے کے تھے، رخصت کے معمولات ادا کرائے ہین اس موقع پر اکثر مستورات کا دستور ہے کہ بچے کا ہاتھ اُسکی پیشانی پر رکھکر کہتی ہین کہ دیکھو یہ تمہین سلام کرتے ہین اس حالت کو بعینہ ادا کیا ہے ؎

بانو نے کہا دست پسر ماتھے پہ رکھ کر — لو آخری تسلیم بجا لاتے ہین اصغرؑ

یا مثلاً جوانان اہل بیت کی سیر و خوش خرامی کے موقع پر لکھتے ہین ؎

زلفین ہوا مین اُڑتی تہین ، ہاتہون ہاتہے	لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتہہ ساتہہ تھے

یا مثلاً جب رفقاے امام علیہ السلام صف نماز سے لڑائی کے لیے اُٹھے ہین اس موقع پر لکھتے ہین ؎

طیار جان دینے پر چھوٹے بڑے ہوئے	تلوارین ٹیک ٹیک کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے

یا مثلاً حضرت عباسؑ ، جب گہوڑا اُڑاتے ہوئے نہر کی طرف گئے ہین ، تو دریا کے نگہبانون سے جو نشیب مین تہے اُسوقت آنکھ چار ہوجاتی تھی ، جب گھوڑا زیادہ اُنچا اُڑ جاتا تھا اس حالت کو اسطرح ادا کیا ہی ؎

برچھیون اُڑتا تھا دب دب کے فرس رانون سے	آنکھ لڑ جاتی تھی دریا کے نگہبانون سے

یا مثلاً سکینہؑ جب قید خانہ مین دربانون سے اپنا حال کہنے گئی ہین وہان لکھا ہے ، ؎

بولا نہ جب کوئی تو ہوا غم زیادہ تر	دیوار پکڑ کے پکڑے گئی وہ قریب در
پٹ کو ہلا ہلا کے پکاری وہ نوحہ گر	دربانون جاگتے ہو کہ سوتے ہو بے خبر

بیکس ہون ، تشنہ لب ہون ، فلک کی ستائی ہون
کچھ تم سے اپنا حال مین کہنے کو آئی ہون

دو حریفون کی معرکہ آرائی کو جہان مرزا دبیر وغیرہ لکھتے ہین ، صرف عام طرح پر اوپری اوپری باتین لکھہ دیتے ہین یہ مطلق پتہ نہین چلتا کہ دونون نے فن جنگ کے کیا کیا ہنر دکھائے ، لیکن میر انیس اکثر جگہہ اُن خصوصیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہین ، اور یہ انکی قدرت زبان ، کی سب سے بڑی دلیل ہے ، مثالین رزمیہ کے عنوان مین آئینگی ، اب ہم ہر قسم کی واقعہ نگاری کی چند مثالین درج کرتے ہین ،

۱ حضرت امام حسینؑ ، کا کربلا مین داخلہ ، دشمنون کی روک ٹوک ، رفقاے امام کی برہمی ، امام علیہ السلام کی صلح پسندی اور درگذر وغیرہ وغیرہ ؎

اُترا یہ کہکے کشتی امت کا ناخدا	جتنے سوار تھے وہ ہوے سب پیادہ پا

حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا — دیکھو تو کیا ترائی ہے کیا نہر کیا فضا

اکبرؑ شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباسؑ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہ سربلند — کیون یہ مقام ہے تمھین شاید بہت پسند
کی مسکرا کے عرض کہ یا شاہ ارجمند — بس یان تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند

شبیرؑ اب یہین رہین گے عنایت جو رب کی ہے
بس کیا کہون حضور ترائی غضب کی ہے

روتے ہوئے وہان سے بڑھے آپ چند گام — گویا زمین کی سیر کو اُترا مہ تمام
انجم کی طرح گرد تھے حیدرؑ کے لالہ فام — شکلین وہ نور کی وہ تجمل وہ احتشام

زلفین ہوا مین اُڑتی تھین ہاتھون مین ہاتھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

تکنے لگے پہاڑون کو مسلمؑ کے دونون لال — پھولون سے کھیلنے لگے زینبؑ کے نونہال
سبزے سے وان کے ابن حسنؑ خوش ہوئے کمال — کی عرض اس زمین کا ہر اک گل ہے بےمثال

اے خسرو زمین یہ جگہ ہے جلوس کی
خوشبو ہے یان کی خاک مین عطر عروس کی

صحرا سے آئے پھر سوئے دریا شہ امم — الیاس شاد ہو کے پکارے بصد حشم
اُچھلین درود پڑھتی ہوئی مچھلیان بہم — بولے جناب آنکھون پہ شاہا ترے قدم

پانی مین روشنی ہوئی حسن حضور سے
لے لین بلائین پنجۂ مرجان نے دور سے

ٹھہرے کنارے نہر جوانانِ ماہرو
دہویا کسی نے رخت کسی نے کیا وضو
گھوڑے جو آئے پیاس بجھانے کنار جو
بھر لائے اشک آنکھوں مین شبّیر نیکخو

کھینچی اک آہ سرد ترائی کو دیکھکر
ہاتھوں سے دل پکڑ لیا بھائی کو دیکھکر

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسِ نامور
خیمہ کہان بپا کرین یا شاہ بحر و بر
ایذا ہے محملون مین بہت اہلبیت پر
بچے ہین نازکی مین گلون سے زیادہ تر

کب سے عماریون کے ہین پردے چھٹے ہوئے
گرمی کے مارے دم ہین سبھون کے رُکے ہوئے

کچھ سوچ کر امامِ دو عالم نے یہ کہا
زینبؑ جہان کہین وہین خیمہ کرو بپا
پیچھے ہٹے یہ سنتے ہی عباسؑ باوفا
جا کر قریبِ محملِ زینبؑ یہ دی صدا

حاضر ہے جان نثار امامِ غیور کا
برپا کہان ہو خیمۂ اقدس حضور کا

بولی یہ سُنکے دخترِ خاتونِ روزگار
اس امر مین بھلا مجھے کیا دخل مین نثار
خشکی ہو یا ترائی چمن ہو کہ سبزہ زار
ہر جا مسافرون کا نگہبان ہے کردگار

مختارِ کائنات کے تم نورِ عین ہو
اُترو وہان جہان مرے بھائی کو چین ہو

آرام کو ترس گئے جب سے چھٹا ہے گھر
کن آفتون مین پانچ مہینے ہوئے بسر
یہ آندھیان یہ گرمی کے ایام یہ سفر
دن بھر چلے ہین دھوپ مین جاگے ہین رات بھر

گرمی سے کھیت خشک تھے جنگل اُجاڑ تھا

ایک ایک کوس راہ جبل مین پہاڑ تھا

آج اس زمین پر ہمین لایا ہے آسمان — اب دیکھیے دکہاتی ہے تقدیر کیا یہان
آقا کی خیریت کی دعا مانگو بھائی جان — یارب مسافرون کو مبارک ہو یہ مکان
دشمن بہت ہین بادشۂ خوشخصال کے
بھائی بہن نثار ذرا دیکھہ بھال کے

بھائی سے اس زمین کی سُنی ہے بہت صفت — ہے وہ امام واقفِ اسرارِ شش جہت
جو جو مسن ہین اُن سے بھی لازم ہے مصلحت — صدقے گئی حبیب سے بھی کر لو مشورت
ساحل یہ دشمنون مین کسی کا عمل نہو
بھیّا مجھے یہ ڈر ہے کہ ردّ و بدل نہو

دستِ ادب کو جوڑ کے اُس شیر نے کہا — تشویش کچھہ نہ کیجیے اے بنت مرتضا
ہر چند مصلحت مری کیا اور عقل کیا — لیکن ترائی سے کوئی بہتر نہین ہے جا
جوہر فاطمہؑ مین ہے یہ وہ فرات ہے
گرمی مین قرب نہر کا آبِ حیات ہے

حضرت کے حکم کا مترصد ہے جان نثار — ارشاد یہ ہوا کہ دیا تم کو اختیار
آیا حضور سبطِ پیمبرؐ وہ ذی وقار — کی عرض خیمہ نہر پہ کرتا ہے خاکسار
اُترین یہین یہ مرضیِ آلِ رسول ہے
بولا وہ بحرِ فیض کہ اچھا قبول ہے

یہ سُن کے خادمون کو پکارا وہ مہ جبین — فرّاش آ کے جلد مصفا کرین زمین
حاضر ہون آب پاش محل دیر کا نہین — یان ہوگا خیمۂ حرمِ بادشاہِ دین

جلد اُن کو بھیجو لوگ ہین جو کاروبار کے
لے آؤ اشترون سے قناتین اُتار کے

بولے زہیر قین کہ حاضر ہین سب غلام
کُرسی منگا کے بیٹھ گئے اک طرف امام
بڑھ کر حبیب بھی ہوئے مصروفِ اہتمام
رتبے مین ہوگئی وہ زمین عرش احتشام

پرتو فگن تھا نور رسالت مآب کا
سر پر لگا تھا چتر زری آفتاب کا

تھا فکر مین خموش دو عالم کا تاجدار
ناگہ اُٹھا شمال کی جانب سے اک غبار
کھُلوا رہے تھے خیمون کو عباسِ نامدار
رایات سیاہ و سرخ نظر آئے تین چار

مڑ کر کہا حبیب نے کچھ رنگ اور ہے
بولا کوئی یہ شام کے لشکر کا طور ہے

یہ ذکر تھا کہ بن مین سیاہی سی چھاگئی
گھوڑون کے دوڑنے سے زمین تھرتھرا گئی
ڈنکے کی دشت ظلم سے کوسون صدا گئی
جنگی سپاہ گھاٹ کے نزدیک آگئی

اک ایک پیل زور تہمتن شکوہ تھا
ابن رکاب سبز قدم سرگروہ تھا

بولے ملازمون سے یہ عباسؑ باوفا
آتے ہی سرکشی یہ طریقہ ہے کونسا؟
دریافت تو کرو کہ ارادہ ہے اُنکا کیا؟
کہدو کہ اہلبیت کے خیمہ کی ہے یہ جا

لازم رسول زادیون کا احترام ہے
اُترین الگ کہین یہ ادب کا مقام ہے

کرسی نشین ہے لختِ دلِ سید البشر
آئینِ خسروی سے یہ واقف نہین مگر

آتی ہے اُڑ کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے گرد ادہر
کیا ہے جو روکتے نہیں باگیں یہ خیرہ سر
بھولے ہوئے ہیں اسپ کہ ہم خاکسار ہیں
شاید ہوا کے گھوڑوں پہ ظالم سوار ہیں

اُس فوج کے رئیس نے بڑھکر کیا کلام
حکم امیر ہے یہیں اُترے سپاہ شام
چھوڑینگے ہم اُسے کہ جو راحت کا ہے مقام
دریا سے ہٹ کے آپ بپا کیجیے خیام
لشکر کشی ہے بادشہ کائنات پر
کل مورچے سپاہ کے ہونگے فرات پر

کوفے سے کُل جوان ادہر آئے ہیں دس ہزار
رستے میں شام کے ابھی فوجیں ہیں بیشمار
خالی ہیں منزلیں نہ بیابان نہ کوہسار
شہروں سے پرگنوں سے چلے آتے ہیں سوار
لاکھوں ہیں کوئی قبل کوئی بعد آئے گا
گیتی ہلیگی جب پسر سعد آئے گا

فوجوں کا جائزہ تھا وہاں ہم چلے تھے جب
گردے میں بیس کوس کے لشکر پڑا تھا سب
دستوں کی روم وشام کے آمد ہے روز وشب
اس ارض پر نہ ہو جو سمائی تو کیا عجب
کیجیے مقام گر کوئی گوشہ جدا ملے
ممکن نہیں کہ نہر پہ خیمے کی جا ملے

ہم گھاٹ روکنے کے لئے آئے ہیں ادہر
ہے آج شب کو داخلہ شمر کی خبر
سنتے ہی یہ ترائی میں گونجا وہ شیر نر
تیوری چڑھا کے تیغ کے قبضہ پہ کی نظر
کم تھا نہ ہمہمہ اسد کردگار سے
نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے

غصّے میں رکھہ کے دوش پہ شمشیر برق دم
نعرہ کیا اسد نے کہ تم سے چھٹینگے ہم
گر فوج قاہرہ کی ہے آمد تو کیا ہے غم
گرتا ہے کٹ کے سر وہیں جس جا جمے قدم
پھیرے جو شیر سامنے آتا نہیں کوئی *
یہ آنکھہ وہ ہے جس میں سماتا نہیں کوئی

تم کون ہو حسینؑ ہے مختار خشک و تر
ان کے سوا ہے کون شہنشاہِ بحر و بر
دیکھو فساد ہوگا بڑہو گے اگر ادھر
شیروں کا یاں عمل ہے تمہیں کیا نہیں خبر
سبقت کسی پہ ہم نہیں کرتے لڑائی مین
بس کہہ دیا کہ پاؤں نہ رکھنا ترائی مین

ظالم بگڑ بگڑ کے بڑھے ایک بار سب
بلوہ جو ہو گیا سمٹ آئے سوار سب
نیزے علم کیے ہوئے تھے نیزہ دار سب
باندھے تھے ایک غول ضلالت شعار سب
لیکن ملا نہ سکتے تھے آنکھہ اُس دلیر سے
ایک شور تھا کہ چھین لو دریا کو شیر سے

بگڑے ابو ثمامہ و سعدِ فلک سریر
تولی زہیر قین نے شمشیر بے نظیر
جوڑا کمان میں ابن مظاہر نے ایک تیر
بولے اسد کہ زجر کے قابل ہیں یہ شریر
عابس کو غیظ لشکر بدخو پہ آگیا
غصے سے بل ہلال کے ابرو پہ آگیا

اُلٹی جناب قاسمؑ ذیشان نے آستین
قبضے پہ ہاتھہ رکھکے بڑھے اکبرؑ حسین
بولے پکڑ کے پنجے زینبؑ کے مہ جبین
شیروں سے کیا ترائی کو لیں گے یہ اہل کین
کیسے تو نیزہ بازوں کو ہم دیکھہ بھال لیں

تیوری کوئی چڑہائے تو آنکھین نکال لین

آگے تھے سب کے حضرت عباسؑ ذی حشم — بڑہ بڑہ کے روکتے تھے دلیرونکو دمبدم
تیغین جو تولتے تھے ادہر بانی ستم — کہتے تھے سر نہوگا بڑہایا اگر قدم
لرزہ تہا رعب حق سے ہراک نابکار کو
روکے تہا ایک شیر جری دس ہزار کو

بڑہتا تہا جھومتا ہوا جس دم وہ شیر نر — گرتا تہا کوئی ڈر کے ادہر اور کوئی اُدہر
تیغین جو کہچ گئین تو ہوا اور شور و شر — گھبرائے اہلبیت شہنشاہ بحر و بر
آغوش مین پھوپی کے سکینہ دہل گئی
غل پڑگیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی

چلائی رو کے زینبؑ ناشاد و نامراد — ہے ہے خبر تو لو کہ یہ کس سے ہوا فساد
غربت زدون سے کیا سبب کینہ و عناد — دیکھے کوئی کدہر ہین شہنشاہ خوش نہاد
ہمشیر کو نثار امام امم کرو
لوگو دعائین اکبرؑ مہرو پہ دم کرو

محمل سے مُنہ نکال کے فضہ نے یہ کہا — بلوہ کنار نہر ہے اے بنت مرتضیٰؑ
نیزے بڑہا بڑہا کے ہٹاتے ہین اشقیا — قبضے پہ ہاتہ رکہے ہین عباسؑ باوفا
کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہے دلیر کو
سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو

زینبؑ پکارین پیٹ کے زانو بصد ملال — ہے ہے غضب ہوا اگر آیا اُنھین جلال
کہدے کوئی کہ اے اسد کبریا کے لال — غربت پہ ابن فاطمہؑ کی تم کرو خیال

قربان ہوگئی نہ لڑائی کا نام لو
مین ہاتھہ جوڑتی ہون کہ غصے کو تھام لو

یہ بات کہکے رونے لگی خواہر امام
عباس ادھر غضب مین بڑھے سوی فوج شام
کرسی سے جلد اٹھہ کے پکارے شہ انام
بھیا ہمارے سر کی قسم روک لو حسام
یکسان ہے بر و بحر ہماری نگاہ مین
غیظ و غضب کو دخل نہ دو حق کی راہ مین

آؤ تمھین قسم ہے جناب امیر کی
بگڑو نہ سرکشی پہ سپاہ شریر کی
ہمراہ بیبیان ہین شہ قلعہ گیر کی
سب سے جدا ہی چاہیئے منزل فقیر کی
کیا دشت کم نہے صابر و شاکر کے واسطے
یہ اہتمام ایک مسافر کے واسطے؟

آقا نے دی جو اپنے سر پاک کی قسم
بس تھرتھرا کے رہ گیا وہ صاحب کرم
پر تھی شکن جبین پہ نہ ہوتا تھا غیظ کم
چپ ہو گئے قریب جب آئے شہ امم
گردن جھکا دی تا نہ ادب مین خلل پڑے
قطرے لہو کے آنکھون سے لیکن نکل پڑے

غیظ اور ادب -

تیغ و سپر کو پھینک کے بولا وہ نامور
کہدیجیے ان سے کاٹ کے لیجائین میرا سر
حکم خدا ہے حکم شہنشاہ بحر و بر
اب کچھہ کہون زبان سے کیا تاب کیا جگر
مین ہون غلام آپ کے ادنی غلام کا
آقا مجھے خیال تھا بابا کے نام کا

گردن مین ہاتھہ ڈال کے حضرت نے یہ کہا
کیون کانپتے ہو غیظ سے بھائی یہ کیا یہ کیا

لو اب اُٹھاؤ تیغ و سپر تم یہ ہین خدا ۔ دریا کو تم تو لے چکے اے میرے دلربا

وہ شمشیر ہو کہ دہاک ہے ساری خدائی مین
دیکھو کوئی تمھارے سوا ہے ترائی مین ٭

۴ حضرت عباسؑ جب میدان جنگ مین گئے ہین تو شمر نے یہ ترغیب دی کہ ناحق آپ اپنی جان کیون گنواتے ہین اُدہر سے ٹوٹ کر ہماری طرف آ جایئے تو منصب اور جاگیر اور کیا کچھہ نہ ملے گا حضرت عباسؑ نے نہایت برہم ہو کر اسکی درخواست کو رد کیا یہ سوال و جواب ہو رہے تھے کہ دشمنون نے یہ خبر اُڑا دی کہ عباسؑ ہماری طرف آ گئے اہل بیت اور خاص کر حضرت عباسؑ کی بیوی پر اس وقت جو اثر ہوا اور جو باتین ہوئین ان کو کس خوبی سے ادا کیا ہے ٥

وان شمر و علمدار مین ہوتی تھی یہ تقریر ۔ یان خیمے کی ڈیوڑہی پہ کھڑے تھے شہ دلگیر
خیمے کے قریب آن کے اک ظالم بے پیر ۔ چلّایا کہ لو ٹوٹ گئے بازوے شبیر

اس فوج مین فرزند امیر نجف آیا
عباسؑ علمدار ہماری طرف آیا ٭

اکبر سے یہ بولا پسر مخبر صادق ۔ کاذب ہین جفا کار ہین مفسد ہین یہ فاسق
یہ بات نہین رتبۂ عباسؑ کے لائق ۔ وہ ہے مرا شیدا مرا یاور مرا عاشق

بھائی سے کنارا کبھی بھائی نہ کرے گا
عباسؑ علی مجھہ سے بُرائی نہ کرے گا

ناموس نبی مین بھی یہ چرچا ہوا اک بار ۔ زینبؑ نے کہا یہ تو نہ مانونگی مین زنہار
کہنے لگی تب زوجۂ عباسؑ علمدار ۔ کیا ماجرا ہے بی بی ہو مجھہ سے کرو اظہار

ہے دیر[۵۱] سے اک شور بپا لشکر کین مین
وارث مرا کیا قید ہوا لشکر کین مین

بولی یہ سکینہ[۵۲] کہ چچی تم سے کہون کیا
روتے ہین کمر پکڑے ہوے ہاتھونسے بابا
اور کہتے ہین آپسمین خوشی ہوکے یہ اعدا
عباسؑ ملا ہمسے شہ دین ہوئے تنہا
اس صدمے سے ننھا سا کلیجہ مرا شق ہے
مین پیاس بھی بھولی ہون یہ عمو کا قلق ہے

چپکے سے سکینہ نے کہا جب یہ بصد یاس
غرق عرق شرم ہوئی زوجۂ عباسؑ
گھبرائی ہوئی خیمے کی ڈیوڑھی کے گئی پاس
پھر سوچ کے کہتی تھی کہ بیجا ہے یہ وسواس
قوت شہ والا کی اُنہین سے تو فقط ہے
عباسؑ پھرے شہ سے؟ نہ مانونگی غلط ہے

بھائی کو وہ پیارے ہین اُنہین بھائی ہے پیارا
عاشق کہین معشوق سے کرتے ہین کنارا
یہ ننگ علمدار کو ہوگا نہ گوارا
قسمت ہی اولٹ جائے تو اسکا نہین چارا
لیکن فلک اسطرح سے گرتے نہین دیکھا
بھائی کو کبھی بھائی سے پھرتے نہین دیکھا

اس سوچ مین پھرتی تھی سراسیمہ و مضطر
اسکا بھی نہ تھا ہوش کہ کب گر گئی چادر

[۵۱] یہان عجب بلاغت کا اظہار کیا ہے، حضرت عباسؑ کی بیوی لوگون سے، واقعہ کو تحقیق کرنا چاہتی ہین لیکن یہ اُن کے زبان سے نہین نکل سکتا کہ "کیا درحقیقت، عباسؑ دشمنون سے مل گئے" اس لئے انھون نے اس پیرایہ مین سوال کیا کہ کیا دشمنون نے اُنکو قید کر لیا یعنی اگر وہ دشمنون کے مجمع مین چلے بھی گئے تو قید ہو کر گئے ہونگے ورنہ یہ امر بالکل ناممکن ہے کہ وہ دشمنون سے جاکر مل جائین۔ منہ

[۵۲] اس بلاغت کو دیکھو کہ اہل حرم سے کسی نے، اس جھوٹی خبر کا زبان پر لانا بھی نہ چاہا لیکن سکینہؑ بالکل بچی تھین اسلئے اُنہون نے جو سُنا تھا بیان کر دیا

رخ زرد تھا دل کانپتا تھا سینہ کے اندر
دھڑکا تھا کہ اب کیا کھینگے آن کے سرور

یارب نہ سنون مین کہ جدا ہو گئے عباسؑ
یہ غل ہو کہ بھائی پہ فدا ہو گئے عباسؑ

آخر کہا بیٹے سے کہ واری ادھر آؤ
باندھو کمر اور جنگ کے ھتیار لگاؤ
تم شیر کے فرزند ہو میدان مین جاؤ
بیتاب ہون اے لال خبر باپ کی لاؤ

تھے پانی کو دریا کے کنارے گئے عباسؑ
دیکھ آؤ تو کہتے ہین کہ مارے گئے عباسؑ

غیرت سے موئی جاتی ہون مین بیکس و ناچار
کہتے ہین عدو پھر گیا بھائی سے علمدار
صدقے گئی کہو مری جانب سے بتکرار
کیا قہر ہے تم شمر سے کیون کرتے ہو گفتار

وہ تفرقہ انداز ہے مردود خدا ہے
شبیرؑ کے دشمن سے علاقہ تمھین کیا ہے

۴۔ ابن سعد کربلا مین داخل ہوتا ہے، اور خولی سے حالات دریافت کرتا ہے، خولی ایک ایک چیز کی تفصیل بیان کرتا ہے ؎

یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوئے نشان
اُمڈا زمین پہ ظلم کا دریا ہے بیکران
موجون کی طرح تھین صفین پیش و پس روان
لہراتے تھے ہوا سے علم مثل بادبان

ہلتا تھا دشت کین دہل اس طرح بجتے تھے
باجون کا تھا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

جنگی وہ رومیون کے پرے شامیون کے دل
خوفِ خدا نہ جنکو نہ اندیشۂ اجل
مکار و اہل نار و دغا باز و پُر دغل
شکلین مہیب دیو سے قد ابرؤن پہ بل

بدخواہ خاندان رسالت پناہ تھے
ایسے جلے ہوئے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

تلوارین کھینچے بڑھ کے جمے دو طرف سوار
غل ہوگیا سلامی کے باجون کا ایک بار
ڈنکے کی دمبدم تھی صدا آسمان کے پار
آگے بڑھے چلو، یہ نقیبون کی تھی پکار
گھوڑون پہ گرد و پیش رئیسان شام تھے
زرین کمر جلو مین کئی سو غلام تھے

اُترا قریب خیمہ فرس سے وہ خیرہ سر
سر پر لگایا دوڑ کے خادم نے چتر زر
پہلے تو اپنی فوج پہ ظالم نے کی نظر
بولا کسی سے پھر وہ سوئے نہر دیکھکر
خیمہ ہے کس طرف کو شہ خوش خصال کا
دریا پہ تو عمل نہین زہرا کے لال کا

خولی نے تب کہا کہ ہماری طرف ہے نہر
آئے تھے یان اُترنے کی خاطر امام دہر
فرماتے تھے یہ نہر تو ہے میری مان کا مہر
ہمنے اُٹھا دیا اُنھین لیکن بجبر و قہر
عباس مستعد تھے سبھون سے لڑائی کو
شبیر پھیر لے گئے سمجھا کے بھائی کو

وہ دھوپ مین ہے خیمۂ زنگاری حسین
راحت نہ رات کو ہے کوئی دم نہ دن کو چین
پہرون علی کی بیٹیان روتی ہین کرکے بین
آفت مین مبتلا ہے محمد کا نور عین
بچون کی مارے پیاس کے حالت عجیب ہے
خیمہ نہ سایہ مین ہے نہ دریا قریب ہے

بولا شقی کہ کتنی ہے فوج شہ امم
سُنتے تھے وان سپاہ حسینی کی دہوم ہم

اسنے کہا حسینؑ کے یاور بہت ہین کم — فاقون کے مارے دم ہین کسی کے نہین ہے دم
ایسی نہ فوج کچھ ہے نہ ایسے نشان ہین
مین نے تو خود گنا ہے اکاسی جوان ہین

ہے ایک علم یہ قلتِ لشکر کا ہے نشان — یہ حال ہے لٹا ہوا جیسے ہو کاروان
اُردو مین جنس غم کے سوا جنس ہی گران — غلّہ کی یہ کمی ہے کہ ہے قحط آب و نان
اسوار بھی قلیل پیادے بھی تھوڑے ہین
کُل سترہ تو اونٹ ہین اور بیس گھوڑے ہین

مطبخ ہے سرد آگ کا اُس مین نہین ہے نام — بچے ہوائے گرم سے بیتاب ہین تمام
خاک آبدار خانے مین اُڑتی ہے صبح و شام — کیونکر لڑینگے بیکس و مظلوم و تشنہ کام
یان سیکڑون کمانین ہین فوجِ امیر مین
دو دو گرینگے خاک پہ ایک ایک تیر مین

یہ سب غلط سنا تھا کہ ہے لشکرِ کثیر — کچھ نوجوان ہین طفل ہین کچھ اور کچھ ہین پیر
ہین اُن مین سات آٹھ تو لڑکے کئی صغیر — بس جائینگے وہ ٹاپون سے ہنگام دار و گیر
کیا چھوٹے چھوٹے ہاتھونکی طاقت دکھائینگے
اِن سے تو نیزے بھی سنبھالے نہ جائین گے

کیا جانے دل مین سوچے تھے کیا شاہِ کربلا — مقتل مین کھینچکر اُنھین لے آئی ہے قضا
لشکر تو یہ قلیل اور اِس فوج سے وغا — عمرین ہین چھوٹی چھوٹی بھلا وہ لڑینگے کیا
کچھ آزمودہ کار نہین کچھ سن نہین
اُنکے ابھی تو گھر سے نکلنے کے دن نہین

ہمشکل مصطفیٰ کو تو اٹھارواں ہے سال
تیرہ برس کا ہے ابھی شبّر کا نونہال
نو دس برس کے ہوئینگے زینب کے دونون لال
ہان اک جوان ہین حضرت عباس خوش خصال
چھوٹے ہین اور سب کوئی اُن مین جوان نہین
خط اک طرف مسین بھی کسیکی عیان نہین

سنتا ہون مین ہین دو پسرِ شاہ نامدار
بیمار اُن مین ایک ہے اور ایک شیرخوار
زینب کے دو ہین تین حسن کے ہین گلعذار
دس ہین عقیل و مسلم و حیدر کے یادگار
زہرا کے جان و دل ہین محمد کے پیارے ہین
یہ سترہ تو چاند ہین باقی ستارے ہین

بتیس سب سوار شہ دین کے پاس ہین
اب رہ گئے پیادے سو دو کم پچاس ہین
آفت مین مبتلا ہین مگر باحواس ہین
غازی ہین سرفروش ہین اور حق شناس ہین
کھانے کا ہے خیال نہ پانی کی فکر ہے
سجدے ہین اور دعائین ہین اور حق کا ذکر ہے

بولا وہ تب کہ ہونگے جوان بانکے کئے ہزار
خولی نے کی یہ عرض کہ ممکن نہین شمار
ہین تین چار کوس کے گردے مین سب سوار
اک اک جوان ہے رستمِ میدانِ کارزار
کیا کوئی لڑ سکے گا قیامت کی فوج ہے
لشکر کی ہین صفین کہ سمندر کی موج ہے

پیدل ہین اک طرف تو رسالے ہین اک طرف
خنجر ہین ایک سمت تو بھالے ہین اک طرف
جانباز ہاتھ قبضون پہ ڈالے ہین اک طرف
اور دس ہزار برچھیون والے ہین اک طرف
سب لوگ فکرِ قتل شہنشاہِ دین مین ہین

کھینچے ہوئے کمانون کو سرکش کمین مین ہین

ہاتھون مین پہلوانون کے ہین گرز گاؤ سر
ضرب سے جنکے ٹوٹتی ہے کوہ کی کمر
ہر جا بچھی ہوئی ہین کمندین ادھر اُدھر
کالی گھٹا سی چھائی ہے ڈھالون کی نہر پر
سب لوگ جا بجا پئے قتل و ستیز ہین
تیغین بھی ہین اوپی ہوئی خنجر بھی تیز ہین

بھالا ہلا کے کوئی یہ کہتا ہے بار بار
نوک اِسکی سینۂ علی اکبرؑ کے ہوگی پار
کہتا ہے کس غرور سے اک شام کا سوار
آئے نہ رن مین حضرتِ شبیرؑ کا یادگار
اب کوئی دم مین گھر کے حسنؑ کی صفائی ہے
تلوار آج زہر مین نے بجھائی ہے

۴ - فوج آراستہ ہو رہی ہے، اور علم لا کر رکھا گیا ہے۔ عون و محمد جو امام علیہ السلام کے بھانجے اور حضرت زینبؑ کے صاحبزادے ہین، علم کے استحقاق کے دعویدار ہین اور چاہتے ہین کہ امام علیہ السلام سے اس منصب کی درخواست کرین۔ اسوقت کی گفتگو، حضرت زینب کی آزردگی، اور فہمایش اور دیگر واقعات

زینبؑ کے پسر مشورہ کرتے تھے یہ باہم
کیون بھائی علم لینے کو مامون سے کہین ہم؟
تائید خدا چاہیئے گو عمر مین ہین کم
عہدہ تو ہمارا ہے یہ آگاہ ہے عالم
واقف ہین سبھی حیدرؑ و جعفرؑ کے شرف سے
حق پوچھو تو حقدار ہین ہم دونون طرف سے

دادا بھی علمدار ہے نانا بھی علمدار
ہم اپنے بزرگون کے ہین منصب کے طلبگار
کتنا تھا بڑا عرض کا موقع نہین زنہار
ہین بادشہ کون و مکان مالک و مختار
عہدہ تو بڑا یہ ہے کہ مامون پہ فدا ہون

چپکے رہو اماں نہ کہیں سُنکے خفا ہون

مطلب نہ علم سے نہ حشم سے ہمین کچھ کام
مِٹ جائیں نشان بس یہی عہدہ یہی نام
یہ سر ہون نثارِ قدمِ شاہِ خوش انجام
عزت ہے یہی بھائی یہ دعا ہے سحر و شام
آقا جسے چاہین علمِ فوجِ خدا دین
مشتاق اجل ہین ہمین مرنے کی رضا دین

روتی تھی جو پردے کے قرین زینبؑ دلگیر
سب اُسنے مفصل یہ سُنی بیٹون کی تقریر
فضہؓ سے یہ کہنے لگی وہ صاحبِ توقیر
دونون کو اشارے سے بُلا لے کسی تدبیر
کچھ کہنا ہے سُن لین اُسے فرصت اُنہین گر ہو
عباسؑ نہ دیکھین نہ شہِ دین کو خبر ہو

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ خود آئے وہ نکوکار
چھوٹے سے یہ فرمانے لگین زینبؑ ناچار
کیا باتین ابھی بھائی سے تھین اے مرے دلدار
اسوقت مین ہو کون سے منصب کی طلبگار
سمجھے نہ کہ مادر عقبِ پردہ کھڑی ہے
گھر لُٹتا ہے میرا تمھین منصب کی پڑی ہے

اللہ ترا عزم کیا باندھ کے تلوار
بچو تمھین ایسا نہ سمجھتی تھی مین زنہار
دیکھو ابھی تم دونون سے ہو جاؤن گی بیزار
کچھ کہیو نہ ماموں سے خبردار خبردار
کیا دخل تمھین امر مین سلطانِ اُمم کے
دیکھون گی نہ پھر مُنہ جو گئے پاس علم کے

کچھ اور ہی تیور ہین علم نکلا ہے جب سے
تم کون ہو جو آگے بڑھے جاتے ہو سب سے
استادہ ہو جا کر عقبِ شاہ ادب سے
عہدہ ہے یہ جس کا تجھے معلوم ہے نسب سے

اس امر مین خاطر نہ کرین اور کسی کی
مین خوش ہون بجالائین وصیت کو علیؑ کی

مانا کہ پہونچتا ہے تمھین منصب جعفرؑ
چھوٹا مرا بھائی بھی ہے بیٹون کے برابر
آقا کی غلامی سے ہے عہدہ کوئی بڑھکر
عاشق کا تو عاشق ہے برادر کا برادر

بگڑون گی گلہ گر کسی اسلوب کروگے
عباسؑ سے کیا تم مجھے محجوب کروگے

زینبؑ نے عتابانہ جو کی اُن سے یہ گفتار
شاہون سے غلامون نے بھی کی ہے کبھی تکرار
یون کہنے لگے جوڑ کے ہاتھون کو وہ دلدار
مالک ہین سب جسے چاہین علم دین شہ ابرار

رخصت کے لئے تیغ و سپر باندھے ہوئے ہین
ہم صبح سے مرنے پہ کمر باندھے ہوئے ہین

زینبؑ نے کہا لیکے بلائین کہ سدھارو
مان صدقے گئی سر قدم شاہ پہ وارو
بس اب مرا دل شاد ہوا اے مرے پیارو
ہو عید مجھے گر عمر و شمر کو مارو

یہ وقت ہے امداد امام ازلی کا
دے چھوٹے سے ہاتھون مین خدا زور علیؑ کا

۵۔ حضرت علی اکبرؑ میدان جنگ مین جانے کے لئے پھوپھی اور امان سے اجازت طلب کرتے ہین۔ ان دونون کا اضطراب۔ اور سوال وجواب ۵

خیمے مین آئے روتے ہوئے اکبرؑ حزین
اک آہ بھر کے یہ بولا وہ مہ جبین
چھاتی لگا یا مان نے پھوپھی نے بلائین لین
نرغے مین ظالمون کے اکیلے ہین شاہ دین

روتے ہین غیر سید والا کے حال پر

اماں مقام رحم ہے بابا کے حال پر

اعدا کا ظلم بھائی کا غم تین دن کی پیاس
بازو شکستہ ضعف بصارت ہجوم یاس
اب میں ہوں اور کوئی نہیں شاہ دیں کے پاس
اس پر بھی اضطراب نہیں کچھ نہ ہے حواس
گھیرے ہیں سب امام غریب الدیار کو
تنہا کھڑے ہیں تولے ہوئے ذوالفقار کو

تنہا کہاں امام کہاں وہ ہجوم عام
میں یاں ہوں اب تو اور بڑھی ہوگی فوج شام
فریاد ہے کوئی نہیں آتا ہمارے کام
مٹتا ہے صفحۂ دو جہاں سے پدر کا نام
مظلوم باپ آنکھوں کے آگے ہلاک ہو
بیٹا جوان ہم سا نہ پیوند خاک ہو

تقدیر نے کیا نہ شہادت سے بہرہ یاب
اچھا مریں گے بعد شہ آسماں جناب
ہم بھی نہیں اگر نہیں فرزند بوتراب
ذرہ کہاں غروب ہوا جب کہ آفتاب
دنیا کا نور نیر اعظم کے ساتھ ہے
اپنی تو زندگی شہ عالم کے ساتھ ہے

مجھکو تو آرزو ہے کہ سر کو فدا کروں
راہ خدا میں فوج سے تنہا وغا کروں
سب یہ حقوق والد ماجد ادا کروں
مالک مرے اگر نہ رضا دیں تو کیا کروں
واں اُقتلوا الحسینؑ[1] کا اعدا میں شور ہے
پر کچھ ہمارا پالنے والوں سے زور ہے

تم دونوں صاحبوں سے مرے اب ہیں دو سوال
اول تو یہ کہ دیجیے مجھے رخصت جدال

[1] یعنی قتل کرو تم سب حسینؑ کو ۱۲

رکھ لیجے آبرو سے پسر بہرِ ذوالجلال — آگے مرے شہید نہ ہو فاطمہؑ کا لال
للہ ہاتھ اُٹھایئے اب نورِ عین سے
اماں ہمیں عزیز نہ کیجے حسینؑ سے

ہے دوسری یہ عرض جو رخصت نہیں قبول — جلدی ہو کربلا سے روانہ یہ دل ملول
یثرب سے کیا علاقہ ہے بطحا سے کیا حصول — نہ جائینگے نجف نہ سوئے روضۂ رسولؐ
جنگل کی راہ لینگے گریبان کو پھاڑ کے
کافی ہیں مُنہ چھپانے کو دامن پہاڑ کے

پوچھیں جو دوستانِ مدینہ مری خبر — کہہ دیجیے نہ آئینگے اب وہ کبھی ادھر
صدقے امامِ دین پہ ہوئے سارے نامور — کچھ اُن سے ہو سکی نہ مددگاری پسر
بستی بسا کے رن میں شہِ کربلا رہے
کنبہ سے مُنہ چھپا کے وہ جنگل میں جا رہے

رونے لگا یہ کہہ کے جو وہ چودھویں کا ماہ — بنت علیؑ کی آنکھوں میں دنیا ہوئی سیاہ
بھاوج کے مُنہ پہ پاس سے زینبؑ نے کی نگاہ — گردن ہلا کے ماں نے بھری ایک سرد آہ
بنت علیؑ تو خاک پہ تھرا کے گر پڑی
بانوؑ پسر کے پاؤں پہ غش کھا کے گر پڑی

ماں کو اُٹھا کے خاک سے رونے لگا پسر — بیٹے کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
مجھکو بھی لے لو ساتھ جو منظور ہے سفر — زینبؑ پکاریں چھوڑ کے ہمکو چلے کدھر
اچھا رضا حسینؑ سے لے لو تو جائیو
کاندھا مرے جنازے کو دے لو تو جائیو

اک دن وہ تھا کہ سوتے تھے چھاتی پہ رات بھر
یاد آتی ہین وہ ھنسلیان وہ کان کے گہر
کُرتہ وہ پہنے دوڑتے پھرنا اِدھر اُدھر
یا آج تیغ ہاتھ مین ہے دوش پر سپر
غازی ہو صف شکن ہو سعادت نشان ہو
کیا کام ہم سے نام خدا اب جوان ہو

دادا کا مرتبہ تمھین دے رب ذوالجلال
قایم تمھارے سر پہ رہے فاطمہؑ کا لال
قابل ہے رحم کرنے کے وارے ہمارا حال
بچپن کی دایئون کا بھی رکھیے ذرا خیال
کس سے ہو پھر امید اگر تم سے یاس ہو
اب تو تمھین ہمارے بوڑھاپے کی آس ہو

قوت تمھین ہو دل کی تمھین پارۂ جگر
لاشین بھی گھر مین آئین تو بیٹا نہ بین سر
یہ بھی خبر نہین مجھے کب مر گئے پسر
مین کہتی تھی جیے یہ مرا غیرت قمر
اکبرؑ تو ہے اگر مرے پیارے نہین نہین
روشن ہے گھر مین چاند ستارے نہین نہین

باتین یہ کر کے مُنہ پہ لیا گوشۂ ردا
بس گر پڑا پھوپھی کے قدم پہ وہ مہ لقا
سر جو تب پٹک کے کہا واحسرتا
کی عرض رو کے اے پھوپھی اماں کرونین کیا
مین بے وفا نہین ہون یہ روشن ہے آپ پر
نرغہ ہے فوج کا مرے مظلوم باپ پر

مُنہ سے ہٹایئے تو ذرا بھر کر دگار
چادر ہٹا کے مُنہ سے یہ بولی وہ دلفگار
اچھا نہ جایئنگے سوے میدان کارزار
مین کون؟ صدقے جاؤن تمھین کو ہے اختیار
اصغرؑ ہو یا کہ تم ہو مجھے سب کا پاس ہے

رخصت گلا کٹانے کی لو ماں تو پاس ہے

اکبر نے ماں کے چہرۂ اقدس پہ کی نظر
تم سے پھوپھی خفا ہیں جھکا دو قدم پہ سر
ماں نے کیا اشارہ کہ اے غیرت قمر
قربان جاؤں عذر کرو ہاتھ باندھ کر

سر کی نہ کچھ خبر ہے نہ چادر کا ہوش ہے
واری یہ پالنے کی محبت کا جوش ہے

جلدی سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام
بس اب زبان سے کچھ نہیں کہنے کا یہ غلام
تقصیر عفو کیجیے اے خواہر امام
میری تو ماں ہیں آپ مجھے کیا کسی سے کام

بندے پہ کی ہے ماں نے یہ شفقت نہ باپ نے
راتوں کو جاگ کر مجھے پالا ہے آپ نے

اکبر نے یہ کلام کیے جب بصد ادب
لیکر بلائیں چہرے کی بولی وہ تشنہ لب
الفت کا جوش آگیا بنت علی کو تب
کرتے ہو کس لیے میں تمھیں روکتی ہوں کب

سچ ہے جہان میں تم سا کوئی باوفا نہیں
واری تمھارے سر کی قسم میں خفا نہیں

کیوں کانپتے ہو اشک ہیں آنکھوں سے کیوں رواں
لو میں نے دی رضا تمھیں اے میرے نوجواں
تم راست گو ہو سچ ہے تمھارا یہ سب بیان
تم جاؤ آگے صدقے گئی اور تمھاری ماں

یوں تو تمام گھر کو محبت ہے آپ سے
کچھ ماں کا حق بھی کم نہیں ہوتا ہے باپ سے

آنکھیں بچھائیں ماں نے جو تم گھٹنیوں چلے
نازوں سے منتوں سے مرادوں سے تم پلے
تلووں سے اسنے دیدۂ حق بیں سدا ملے
صدقے ہوئی کبھی تو لگایا کبھی گلے

مادر نے اپنی عمر مصیبت مین کھوئی ہے
برسون یہ بی بی ایک ہی کروٹ سوئی ہے

بانوؑ نے ہاتھ جوڑ کے زینبؑ سے یہ کہا
اس قافلہ مین آپ ہین اب فاطمہؑ کی جا
صدقے گئی کنیز کی خدمت کا ذکر کیا
مین نے بھی دی جو آپ نے بیٹے کو دی رضا

صدقے ہے یہ بھی صورتِ پروانہ آپ پر
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

یہ ذکر تھا کہ آئے شہنشاہ بحر و بر
بانوؑ بھی روئی شہ کے قدم پر جھکا کے سر
لے لین بلائین بھائی کی زینبؑ نے دوڑ کر
بولی لپٹ کے بالی سکینہؑ کہ اے پدر

سنتی تھی مین کہ رن سے علمدار آتے ہین
لو اب تو گھر سے رہر یہ بھتیا بھی جاتے ہین

بانوؑ کے منہ کو دیکھ کے حضرتؑ نے یہ کہا
وہ چپ ہوئی تو بولے بہن سے شہ ہدا
کیون سچ ہے تمنے بیٹے کو مرنے کی دی رضا
کہیے پھوپھی بھتیجون مین کیا فیصلہ ہوا

راہین سب انکے روکنے کی بند ہو گئین
سنتا ہون مین کہ تم بھی رضامند ہو گئین

ہاتھون کو جوڑ کر علی اکبرؑ نے عرض کی
زہراؑ کی وہ بہو ہین تو یہ دخترِ علیؑ
امان نے بھی رضا ہمین دی اور پھوپھی نے بھی
آقا سوال رد نہین کرتے کبھی سخی

رویا جو مین تو مان نے گلے سے لگا لیا
مرنے کا اذن دے کے پھوپھی نے جلا لیا

مان نے کہا پسر کی فصاحت تو دیکھیے
نامِ خدا زبان کی طاقت تو دیکھیے

زینبؑ یہ بولیں ذہن کی جودت تو دیکھیے
ہر بات میں ثبوتِ اجازت تو دیکھیے

کیا بات بھائی ان کی بھلا بول چال کی
گویا زبان ہے مصحفِ ناطق کے لال کی

رومال رکھ کے آنکھوں پہ بولے امام دین
سچ ہے اجل سے کچھ کسی انسان کا بس نہیں
تم دو گی رخصت انکو مجھے یہ نہ تھا یقین
آیا تھا اتنی عمر ہی لیکر یہ مہ جبین

بیجا ہے روکنا جو یہ طالب رضا کے ہیں
اے بنتِ فاطمہؑ یہ کرشمے قضا کے ہیں

۷۔ عون اور محمد زخمی ہو کر قریب المرگ ہیں، حضرت علی اکبرؑ اُن کی لاش اُٹھانے کیلیئے جانا چاہتے ہیں، حضرت زینبؑ (عون و محمد کی ماں) ان کو روکتی ہیں، لاشیں گھر میں آتی ہیں حضرت زینبؑ لوگوں کو رونے سے منع کرتی ہیں، لیکن آخر ضبط نہیں ہو سکتا، اور خود بین کرتی ہیں ۵

گھبرا کے درِ خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری
اولاد مجھے تم سے زیادہ نہیں پیاری
سر ننگے میں نکلوں گی جو تم جاؤ گے واری
تبلاؤ تو میں اُنکی ہوں عاشق کہ تمھاری

میدان کی طرف قاسمؑ سے برچھی نہ جائیں
تلواروں میں عباسؑ دلاور بھی نہ جائیں

بیٹوں سے ہوئی گر تو ہوئی آج جدائی
اک دولتِ اولاد لٹائی تو لٹائی
سر پر مرے دنیا میں سلامت رہیں بھائی
کیا لٹ گیا وہ کون سی ایسی تھی کمائی

کیوں روؤں میں دنیا میں جو دلبند نہیں ہیں
کیا اکبرؑ و اصغرؑ مرے فرزند نہیں ہیں

یہ ذکر ابھی تھا کہ ستمگار پکارے
لو شاہ کی ہمشیر کے بیٹے گئے مارے
ٹکڑے کیا معصوموں کو تلواروں کے مارے
وہ لوٹتے ہیں خاک پہ دو عرش کے تارے
پامال کو ان دونوں کے اسوار بڑھیں گے
بچوں کے سر اب کٹ کے نشانوں پہ چڑھیں گے

یہ سنتے ہی تھرانے لگے حضرت عباسؑ
گھبرا کے اُٹھے خاک سے شبیرؑ بصد یاس
سر کھولے ہوئے بیبیاں ڈیوڑھی کے جو تھیں پاس
سب نے کہا لو شہ کی بہن ہو گئی بے آس
ٹوٹا ہے فلک بنت شہنشاہ نجف پر
زینبؑ کو چلو لے کے بس اب ماتمی صف پر

ہے ہے کا ہوا اک شور ہوا رانڈوں میں برپا
زینبؑ بھی ہٹی چھوڑ کے دروازے کا پردا
چلائی ارے چپکے رہو غل ہے یہ کیسا
بھائی ہیں سلامت مجھے کیوں دیتی ہو پرسا
ہے ہے نہ کرو صاحبو گھبرائیں گے شبیرؑ
پھر کون ہے زینبؑ کا جو مر جائیں گے شبیرؑ

باتیں یہ کہیں سب سے پہ سنبھلا نہ دل زار
تڑپا یہ کلیجہ کہ گری خاک پہ اک بار
واں لاشوں پہ روتے ہوئے پہنچے شہ ابرارؑ
مہمان کوئی ساعت کے ملے وہ جگر افگار
کس عمر میں ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

رُخ زرد تھے اور خاک میں آلودہ تھے گیسو
جھک آئے تھے کٹ کٹ کے منہ پہ وہ ابرو
تلواروں سے ٹکڑے تھے وہ بلور سے بازو
مہتاب سی وہ چھاتیاں اور تیر سے پہلو
گھلتا تھا جگر آنکھ نہ کھل سکتی تھی غش سے

ہونٹوں پہ زبانین نکل آئین تھین عطش سے

ٹکڑے ہوا سینہ مین دل سبط پیمبرؐ — ہے ہے کہا اور لاشون سے لپٹے شہ صفدر
چھوٹے سے بڑے نے یہ کہا ہوش مین آ کر — بالین پہ حضور آئے ہین چونکو تو برادر

مشتاق تھے تم سید ذیجاہ کو دیکھو
مرتے ہوئے دیدار شہنشاہ کو دیکھو

سُنکر یہ صدا غش سے جو چونکا دل افگار — دونون نے رکھا سر قدم شاہ پہ اک بار
اکبرؑ سے یہ کی عرض کہ اے شاہ کے دلدار — دشمن ہین بہت قبلۂ عالم سے خبردار

ہم دونون غلامون کا نہ غم کھائیو بھائی
سر پیٹین جو امان اُنھین سمجھائیو بھائی

حضرت کے جو رونے کی صدا خیمے مین آئی — رانڈون نے اُدھر ماتمی صف گھر مین بچھائی
زینبؑ نے کہا ہائے غضب روتے ہین بھائی — فضہ یہ پکاری کہ دوہائی ہے دوہائی

لو چاک گریبان کئے آتے ہین شبیرؑ
معصومون کی لاشون کو لئے آتے ہین شبیرؑ

بیٹھی صف ماتم پہ ادھر شاہ کی خواہر — سیدانیون نے اُٹھ کے اُدھر کھولدیے سر
لاشون کو لئے آئے جو گھر مین شہ صفدرؑ — زینبؑ کے قرین بیٹھ گئے سر کو جھکا کر

فرمایا کہ لختِ جگر آئے تمھارے
لو ڈھونڈو انھین بخشو پسر آئے تمھارے

دیکھا جو لہو بچون کا چھاتی اُمنڈ آئی — نزدیک تھا مر جائے ید اللہ کی جائی
پر فاطمہؑ کے صبر کی شان اُس نے دکھائی — سب سے یہ کہا نیک لگی میری کمائی

بچّے مرے قربان ہوے احسان خدا کا
اے بی بی یہ صدقہ ہے یہ شاہِ شہدا کا

روکر شہ والا نے کہا صدقے مین تیبر
بانوؑ نے اشارا کیا اے سبط پیمبرؐ
دم بھر اُنھین رو لو کہ یہ مہمان ہین خواہر
قربان گئی آپ بس اب جائیے باہر

گر ضبط اسی طرح سے فرمائین گی زینبؑ
یہ ماتم اولاد ہے مرجائین گی زینبؑ

روتے ہوئے خیمہ سے جو ڈیوڑھی پہ گئے شاہ
یہ نیند ہے کیسی کہ خبر تم کو نہین آہ
فرزندون کو چلّانے لگی زینبؑ ذیجاہ
صدقے گئی جاؤ شہ کونین کے ہمراہ

زخمی ہوئے شبیرؑ تو جان اپنی مین دون گی
اچھا مین تمھین دونون سے مانجائے کو لونگی

لو نیمچے کاندھون پہ دھرلے مرے پیارو
گو پیاسے ہو دودن کے پہ ہمت کو نہ ہارو
تنتے ہوئے شبیرؑ کے ہمراہ سدھارو
یہ خون مین ڈوبے ہوئے کپڑے تو اُتارو

اُٹھ بیٹھو مین صدقے گئی اتنا نہین سوتے
اسطرح تو جاگے ہوئے دولھا نہین سوتے

سوتا ہے لڑائی کے دن ایسا کوئی غافل
دیکھو کہ تڑپتی ہے یہ ماں صورتِ بسمل
بچو تمھین کیا سن کے کہین گے شہ عادل
سلجھاؤ یہ زلفین کہ اُلجھتا ہے مرا دل

کیا ف غش مین ہو یہ سونے کا نقشا نہین ہوتا
ایسا تو کوئی نیند کا ماتا نہین سوتا

ف یہ اشعار جذبات کے عنوان مین بھی داخل ہو سکتے ہین۔

مثال ۱۸۔ شیرین کو خبر ہوئی کہ امام حسین علیہ السلام مع تمام خاندان کے اسکے گھر تشریف لاتے ہین اور وہ مہمانی کا سامان کرتی ہے اور اپنے عزیزون کو خوشخبری دیتی ہے ۔

یہ کہکے اُسنے فرش کیا گھر مین سبز | مومن کے دل کیطرح مصفا ہوا وہ گھر
مسند بچھائی بہرِ شہنشاہ بحر و بر | تکیون کو صاف کرکے لگا یا ادھر اُدھر
کہتی تھی میرے گھر مین ابھی سے جو نور ہے
یہ آمدِ امام زمن کا ظہور ہے ٭

دالان ہے یہ شاہ کی خواہر کے واسطے | یہ نرم فرش ہے علی اکبرؑ کے واسطے
جھولے کی جا یہ ہے علی اصغرؑ کیواسطے | یہ گھر ہے شاہ دین کے برادر کے واسطے
راحت سے شہ نشین پہ امام زمن رہین
حُجرہ یہ اس لئے ہے کہ دولھا دلہن رہین

کرسی کو لاکے جلد کسی جا بچھاتی تھی | تحفون کو کشتیون مین کبھی وہ لگاتی تھی
سجدے مین بہر شکر کبھی سر جُھکاتی تھی | گھبرا کے صحن سے کبھی ڈیوڑھی پہ جاتی تھی
چہرے پہ اِک خوشی تھی پہ دل بیقرار تھا
فرزند فاطمہؑ کا اُسے انتظار تھا

جا کر کبھی خواصون سے کرتی تھی یہ کلام | کھانا پکاؤ جلد کہ آتے ہین اب امام
بھر بھر کے آب سرد کے رکھدو ہوا مین جام | لبریز آبِ گرم کے کردو سبو تمام
پردیسیون کو خیر سے جب گھر مین لاؤن گی
ہاتھون سے اپنے پانون سبھون کے دھلاؤنگی

ہمسائیون سے کہتی تھی ہنس ہنس کے بار بار | اب کیجیو زیارت سلطان نامدار

ہے باغِ فاطمہؑ یہ عجب حسن کی بہار
رشکِ ریاضِ خلد ہے ایک ایک گلعذار

سب نونہالِ گلشنِ دین لاجواب ہین
قد سرو باغِ حسن ہین رُخ آفتاب ہین

شمشادِ بوستانِ پیمبرؐ کو دیکھیو
سروِ ریاضِ حضرتِ شبرؑ کو دیکھیو
کیا نوجوان ہین شہ کے برادر کو دیکھیو
سب ایک سمت تم علی اکبرؑ کو دیکھیو

ہوگا کبھی یہ حُسن ملک کا نہ حور کا
جلوہ ہے اُس جری مین محمدؐ کے نور کا

خالق رکھے اُسے صد و سی سال برقرار
نام خدا ہے شادی کے قابل وہ گلعذار
بہنین فدا ہین باپ تصدق ہے مان نثار
سر پہ پھوپھی نے پیار سے گیسو رکھے ہین چار

چہرے کے آگے نیّرِ تابان بھی ماند ہے
عالم کی روشنی ہے اندھیرے کا چاند ہے

اب خیریت سے گذرے گا اٹھاروان جو سال
شادی کرینگی بیٹے کی بانو سے خوشخصال
زینبؑ کو اُس کے بیاہ کا ارمان ہے کمال
ہر دم یہی دعا ہے کہ دولھا بنے یہ لال

آتی ہین نسبتین حلب و شام و روم سے
شادی خدا جو چاہے تو ہووےگی دھوم سے

جب ڈھل گئی اُسے انھین باتونمین دوپہر
شوہر سے پھر یہ کہنے لگی وہ نکو سیر
اب تک نہ آئے گھر مین شہنشاہ بحر و بر
اُترے کہان کسی سے مفصل کہی خبر

بستی سے ساتھ لے کے ہر اک اپنے بھائی کو
جا پیشوا ہے خلق کی تو پیشوائی کو

کہیو مری طرف سے یہ تو چوم کر قدم
کرتے ہین اغنیا غربا پر سوا کرم
لونڈی کو سرفراز کرو یا شہ امم
اب بے حضور چین نہین مجھکو ایکدم

کچھ آج سے تپش نہی دل بیقرار مین
آنکھین سپید ہو گئی ہین انتظار مین

قربان ہو گئی مر اگھر کچھ نہین ہے دور
ہم لوگ مشت خاک ہین حضرت خدا کے نور
خاصہ تناول آن کے اس جا کرین حضور
ہوگا یہ گھر آپ کے آنے سے رشک طور

کہنا حضور راہ ہدایت کی شمع ہین
پروانے یان سحر سے زیارت کو جمع ہین

عرصہ ابھی ہے آپ کے آنے مین کچھ اگر
ڈیوڑھی پہ بند و بست ہے یا شاہ بحر و بر
آنے مین کیون حرم کے ہوئی دیر اسقدر
گرد وارکھی ہین مین نے قناتین ادھر ادھر

محمل مین گھٹتی ہونگی زہرا کی پیاریان
عباسؑ لے کے آئین زنانی سواریان

رزمیہ

رزمیہ شاعری اگرچہ واقعہ نگاری ہی کی ایک قسم ہے لیکن وسعت اور اہمیت کے لحاظ سے اسکے لئے بھی جداگانہ عنوان درکار ہے

اُردو بلکہ عربی مین بھی رزمیہ شاعری کو چندان ترقی نہین ہوئی، عربی مین مثنوی سرے سے مفقود ہے، اور مسلسل واقعات مثنوی کے سوا، اور کسی صنف مین ادا نہین ہو سکتے، شعراے جاہلیت لڑائی کے بستہ جستہ واقعات، قصائد مین ادا کر لیا کرتے تھے، لیکن اس تمام شاعری مین، کوئی مسلسل رزمیہ نظم ۵۰ شعرون کی بھی نہین مل سکتی،

فارسی مین، شاہ نامہ، اور سکندر نامہ کو الگ کر لیا جاسے، تو کچھہ باقی نہین رہتا لیکن ایک شاہ نامہ ہزار کتابون پر بھاری ہے اس لئے فارسی شاعری کا رتبہ اس حیثیت مین، عربی سے بڑھا رہا۔ اور اسکو خود زباندانان عرب نے تسلیم کیا چنانچہ ابن الاثیر نے مثل السایر مین صاف لکھدیا کہ عربی زبان باوجود اسقدر وسعت اور رما یہ داری کے، شاہ نامہ کی نظیر نہین پیش کر سکتی،

اُردو مین سے دیکر، میر تقی ہوس کے چند اشعار ہین جو نوفل اور لیلی کے قبیلہ کی لڑائی کے موقع پر لکھے ہین اسکا نمونہ یہ ہے

شانون سے گذرکے رُمح چالاک	تھے ہوش رُبا سے مارضحاک

مرثیہ مین، میر ضمیر نے رزمیہ کی ابتدا کی، لیکن وہ بالکل نقش اولین تھا، میر انیس نے جس طرح اس صنف کو کمال کے درجہ تک پہنچایا اسکے لحاظ سے، اُردو شاعری گو فارسی کے برابری کا دعوی نہین کر سکتی لیکن عربی سے کسی طرح پیچھے نہین،

رزمیہ شاعری کا کمال، امور ذیل پر موقوف ہے۔ سب سے پہلے لڑائی کی طیاری، معرکہ کا زور شور، تلاطم، ہنگامہ خیزی، ہل چل، شور و غل، نقارون کی گونج، ٹاپون کی آواز، ہتیارون کی جھنکار، تلوار کی چمک دمک، نیزون کی لچک، کمانون کا کڑکنا، نقیبون کا گرجنا، ان چیزون کا اس طرح بیان کیا جائے کہ آنکھون کے سامنے معرکہ جنگ کا سمان چھا جاسے، پھر بہادرون کا میدان جنگ مین جانا، مبارز طلب ہونا، باہم معرکہ آرائی کرنا، لڑائی کے داؤن پیچ دکھانا، ان سب کا بیان کیا جائے، اسکے ساتھہ، اسلحہ جنگ، اور دیگر سامان جنگ کی الگ الگ تصویر کھینچی جاسے، پھر فتح یا شکست کا بیان کیا جاسے اور اسطرح کیا جاسے کہ دل دہل جائین، یا طبیعتون پر اُداسی اور غم کا عالم چھا جاسے۔

فردوسی کے ہان یہ تمام باتین پائی جاتی ہین، مثلاً وہ معرکہ جنگ کا سمان اسطرح کھینچتا ہے

جہان لرز لرزان شد و دشت و کوہ	زمین شد زنعل ستوران ستوہ
	گھوڑے عاجز

برآمد ز ھر سو ز لشکر خروش ۔۔۔ ھمی پیل را زان بدرید گوش

ز بس نیزہ و گرز و گوپال و تیغ ۔۔۔ تو گفتی ھمہ ژالہ بارد ز میغ

بلند آسمان چون زمین شد ز خاک ۔۔۔ ز ہر سو ہمی بر شدہ چاک چاک [بادل]

درخشیدن تیغ ہاے بنفش ۔۔۔ ازان سایۂ کاویانی درفش [علم]

ق

تو گفتی کہ اندر شبِ تیرہ چہر ۔۔۔ ستارہ ہمی برفشاند سپہر

سیہ شد ز گردِ سپہ آفتاب ۔۔۔ ز پیکان پولاد و پرِ عقاب

دل کوہ گفتی بدرّد ھمی ۔۔۔ زمین با سواران بپرد ہمی

تو گفتی کہ ابرے برآمد سیاہ ۔۔۔ بباریدہ خون اندران رزمگاہ

ز گردِ سپہ روشنائی نماند ۔۔۔ ز خورشید شب را جدائی نماند

ز جوشش سواران و زخم تبر ۔۔۔ دگر کوہ خارا برآورد سر

زمین شد ز نعل ستوران ستوہ ۔۔۔ ہمان کوہ دریا شد و دشت کوہ

ز بس نعرہ و نالۂ کرناے ۔۔۔ ہمی آسمان اندر آمد ز جاے

سنان ہاے رخشان و تیغِ سران ۔۔۔ درفش از بر و زیر گرز گران

بجوشید دشت و بجنبید کوہ ۔۔۔ ز بانگِ سواران ھر دو گروہ

ز آہن زمین بود و از گرز میغ ۔۔۔ ستارہ سنان بود و خورشید تیغ

زمین لالہ گون شد ہوا نیلگون ۔۔۔ برآمد ھمی موج دریاے خون

اسکے مقابلہ میں میر انیس کا رزمیہ دیکھو ۔ ؎

ہنگامۂ جنگ

نقارۂ وغا پہ لگی چوب یک بیک ۔۔۔ اُٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگا فلک

شہپور کی صدا سے ہراسان ہوے ملک ۔۔۔ قرنا پھنکی کہ گونج اُٹھا دشت دور تک

شورِ دُہل سے حشر تھا افلاک کے تلے
مُردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

گھوڑوں سے گونجتا تھا وہ سب وادیِ نبرد
گردون مین مثلِ شیشۂ ساعت بھری تھی گرد
تھا چرخِ چار مین بہ رُخِ آفتاب زرد
ڈر تھا گرے زمین پہ نہ مینائے لاجورد

گرمی ہجومِ فوج سے وہ چند ہو گئی
خاک اسقدر اُڑی کہ ہوا بند ہو گئی

کانپے طبقِ زمین کے، ہلا چرخِ لاجورد
مانندِ کہربا ہوا مٹی کا رنگ زرد
اُٹھ کر زمین سے بیٹھ گئی زلزلہ مین گرد
تیغون کی آنچ دیکھ کے بھاگی ہوائے سرد

گرمی سے رن کے ہوش اُڑے وحش و طیر کے
شیر اس طرف اُتر گئے دریا کو پیر کے

اللہ رے زلزلہ کہ لرزتے تھے دشت و دَر
جنگل مین چھپتے پھرتے تھے ڈر ڈر کے جانور
جنات کانپ کانپ کے کہتے تھے الحذر
دنیا مین خاک اُڑتی ہے اب جائین ہم کدھر

اندھیر ہے، اُٹھی برکت اب جہان سے
لو مل گیا زمین کا طبق آسمان سے

تھرا رہا تھا خوف سے مینائے لاجورد
ہلتے تھے کوہ، کانپتا تھا وادیِ نبرد
تھا دن بھی زرد، دھوپ بھی زرد، اور زمین بھی زرد
خورشید چھپ گیا، یہ اُٹھی کربلا مین گرد

اک تیرگی غبار سے تھی چشمِ مہر مین
ٹاپو پڑے ہوے تھے محیطِ سپہر مین

فوج کی طیاری اور سامان

اُمڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دَل پہ دَل
تھے برچھیون کی صورت مقراض پھل پہ پھل
خنجر وہ جنکی آب مین تھی تلخی اجل
وہ گرز جنکے ڈر سے گرے دیو مُنہ کے بھل
دو دو سپر تھے پاس ہر اک خود پسند کے
حلقون پہ تھے کھچے ہوئے حلقے کمند کے

وہ دھوم طبل جنگ کی، وہ بوق کا خروش
کر ہو گئے تھے شور سے کرّوبیون کے گوش
تھرّائی یون زمین کہ اُڑے آسمان کے ہوش
نیزے ہلا کے نکلے سواران درع پوش
ڈھالین تھین یون سرون پہ سواران شوم کے
صحرا مین جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

حد سے فزون ہے کثرتِ افواجِ نابکار
نیزہ پہ نیزہ، تیغ پہ ہے تیغ آبدار
ہر سمت ہے سنان پہ سنان مثل کارزار
ہر صف مین ہے سپر پہ سپر مثل لالہ زار
پیکان باہم ہین جیسے ہون گُل بے کھلے ہوئے
گوشون سے ہین کمانون کے گوشے ملے ہوئے

دریا کی طرح لشکر کین مارتا ہے جوش
نیزے ہلا رہے ہین جوانان درع پوش
هل من مبارز کا ہر اک صف مین ہے خروش
چلّے کھچے ہوئے ہین کمانون کے تا بگوش
ہر صف مین برچھیان بھی ہزارون لچکتی ہین
نوکین وہ تیز ہین کہ دلون مین کھٹکتی ہین
نیزے تُلے ہوئے ہین، سنانین چمکتی ہین
ترکش کھلے ہوئے ہین کمانین کڑکتی ہین
سنگین دلون نے ہاتھون مین تبر اُٹھائے ہین
تیغون کے ساتھ گرز گران، سر اُٹھائے ہین

سپاہیون کی آمادگی جنگ

تمنتا ہوا بڑھا کوئی قبضہ کو چوم کے		بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے
چتون کسی کی شور وہل سے بگڑ گئی	ولہ	منہ سُرخ ہوگیا شکن ابرو پہ پڑ گئی
نکلا کوئی سمند کو زانو مین داب کے	ولہ	غصہ سے رہ گیا کوئی ہونٹون کو چاب کے
پاس ادب سے شاہ کے صف بڑھ کے تھم گئی	ولہ	پٹری ہر اک سوار کے گھوڑے پہ جم گئی

حملہ کا زور شور اور فوجون کی ہل چل

نکلی جو رن مین تیغ حسینیؑ غلاف سے
اُڑنے لگے شرر دم خارا شگاف سے
بجلی تڑپی چمک کے جو دشت مصاف سے
صاف آئی الامان کی صدا کوہ قاف سے
طبقے فلک کے صورت گہوارہ ہل گئے
دب کر پہاڑ خاک کے دامن سے مل گئے

لرزہ تھا تحت و فوق و جنوب و شمال مین
سُکان غرب و شرق تھے بیم زوال مین
مضطر تھے شش جہت کے مکین ایک حال مین
غل تھا کہ گھر گئے غضب ذو الجلال مین
شہ کا غضب نمونۂ قہر اِلٰہ تھا
تلوار کیا علم تھی کہ عالم تباہ تھا

جنگل مین تھی علم جو وہ تیغ شرر فشان
تھرا کے آسمان مین چھپتا تھا آسمان
غار اثر درون سے جھٹ گئے شیرون سے نیستان
برپا تھا بر و بحر مین اک شور الامان
مانند موج مچھلیون مین اضطراب تھا
زہرہ ہر ایک سنگ کا پانی مین آب تھا

اٹھا جو الحفیظ کا روحانیون مین شور
مُردے دہل کے چونک پڑے سب میان گور

چلّاے گرگ دشت و شیر و غزالان و مار و مور — ہے بازوے حسینؑ مین دستِ خدا کا زور

اُلٹے ہین مثل شیر جو آستین کو
اے کردگارِ عرش بچالے زمین کو

تھا فوج قاہرہ مین تلاطم کہ الحذر — تھین موج کی طرح سب اُدھر کی صفین اِدھر
چکر مین تہی سپاہ کہ گردش مین تہا بھنور — پانی مین تھے نہنگ، ابھرتے نہ تھے مگر

فوجین فقط نہ بہاگی تہین منہ موڑ موڑ کے
دریا بھی ہٹ گیا تھا، کنارہ کو چھوڑ کے

تہا شور شش جہت مین غُل کہ یہی روز انقلاب — اُلٹے گا اس زمین کا ورق ابن بوترابؑ
اس شیر پر نہوگی کوئی فوج فتحیاب — بس اب بناے عالم امکان ہوئی خراب

حملہ غضب ہے بازوے شاہ حجاز کا
لنگر نہ ٹوٹ جاے زمین کے جہاز کا

ملتی تہی جاے امن نہ زیر فلک کہین — غُل تہا کہ مل نہ جاے سما سے سمک کہین
جنات بے حواس کہین تہے ملک کہین — سایہ کہین تہا، تیغ کہین تہی چمک کہین

پانی سے جل بجھا تھا کوئی کوئی نار سے
گرتی تہین تین بجلیان اک ذوالفقار سے

پریون سے قاف چھوٹ گیا، اژدہون سے گھر — شیرون سے دشت، گرگ سے بن، اژدرون سے در
شاہین و کبک چھپ گئے، اک جا ملا کے سر — اُڑ اُڑ گرے جزیرون مین جنگل کے جانور

سمٹے پہاڑ منہ کو جو دامن سے ڈھانپ کے
سیمرغ نے گرا دئے پر کانپ کانپ کے

فوجون کی ابتری اور ہل چل

گرتی تھی برق تیغ جو ہر پل ادہر اُدھر
شبدیز تھا کہ پھر رہی تھی کل ادہر اُدہر
سمٹے ہوے تھے ڈہالون کے بادل ادہر اُدہر
بھاگڑ تھی قلب فوج مین ہل چل ادہر اُدہر
ہر جا تنون کے ڈھیر سرون سے بلند تھے
بھاگین کہان، گریز کے کوچے تو بند تھے

تیغین سپر کے ساتھ کٹین، خود سر کے ساتھ
سینہ کمر کے ساتھ کٹا۔ دل جگر کے ساتھ
ہل چل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھیرا پسر کے ساتھ
اِس معرکہ مین چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ
بھاگے شریر خلعت و منصب کو چھوڑ کر
جانین روانہ ہوگئین قالب کو چھوڑ کر

سرہنگ شام ٹھوکرین کھا کھا کے مر گئے
کتنے جوان سمون کے تلے آکے مر گئے
جو بچ گئے ادہر سے اُدہر جا کے مر گئے
پس پس کے سرمہ ہوگئے ٹکرا کے مر گئے
ہل چل نے استخوان بدن چور کر دیے
بیٹون نے پاٗون باپ کی چھاتی پہ دھر دیے

تھا الامان کا شور پریشان تھے اہل شر
ماتھے علم رگڑتے تھے جھک جھک کے خاک پر
تیغون کے پیچھے ڈر کے چھپی تھی ہر اک سپر
پرچم نے بال کھولے تھے فریادیون نے سر
دانتون مین خس، ہراس سے تھے ہر جوان کے
چادر ہلا رہے تھے پھریرے نشان کے

بے رخ کمانین تیرون سے اچھلے کمان سے دور
برچھے سے پھل گرے ہوئی ہر نیزہ سنان سے دور
مرغان تیر سہمے ہوے آشیان سے دور
پیرون سے عقل دور، تہور جوان سے دور

تیغون کی کچھ خبر تھی نہ ڈھالون کا ہوش تھا
نیزہ ہر اک سوار کو اک بار دوش تھا

در پے تھی سرکشون کی جو وہ تیغ جان ستان
ترکش سے تیر بھاگتے تھے، تیر سے کمان
گوشون سے تھی بلند صداے امان امان
گردن سے سر، رگون سے لہو اور تنون سے جان
یارا عقاب تیر کو پرواز کا نہ تھا
رن مین کہین نشان قدر انداز کا نہ تھا

ملتا نہ تھا صفون مین علم کا نشان کہین
نیزے کہین تھے، ڈانڈ کہین تھی، سنان کہین
چلّے کہین تھے، شست کہین تھی، کمان کہین
جمدھر کہین، کمر کہین، برچھیان کہین
اک اک سیاہ رو کا جگر داغ داغ تھا
جنگل تمام ڈھالون کے پھولون سے باغ تھا

وہ گھاٹ باڑھ اور وہ اسکی چمک دمک
شعلہ مین یہ چمک تھی نہ بجلی مین یہ لپک
کانپی کبھی زمین، کبھی تھرا گئے فلک
ہر ضرب مین سما سے تلاطم تھا تا سمک
کونین مین حواس بجا تھے نہ ایک کے
گاو زمین سمٹتی تھی گھٹنون کو ٹیک کے

ڈر ڈر کے پچھلے پاؤن سپاہ لعین ہٹی
سہمے جبال، نہر کہین سے کہین ہٹی
یہ صف سوے یسار وہ سوے یمین ہٹی
دہشت سے آسمان ہوا اونچا، زمین ہٹی
بھاگڑ پڑی کہ ایک سے ایک آگے بڑھ گیا
دریا لہو کا کشتی گردون پہ چڑھ گیا

نعرہ جدا، صداے بگیر و بدہ جدا
گوشے کمان سے دور تھے، گوشون سے زہ جدا

بکتر جدا زمین پہ ٹکڑے، زرہ جدا — نیزون کو دیکھیے تو گرہ سی گرہ جدا

اللہ رے فرق، گردن و سر بھی بہم نہ تھے
کشتون کا ذکر کیا ہے کہ تیغون مین دم نہ تھے

مغفر نہ سر کے پاس، نہ خنجر کمر کے پاس — بیٹے کے پاس باپ، نہ بیٹا پدر کے پاس
قبضہ کے پاس تیغ، نہ دستہ تبر کے پاس — کڑیان زرہ کے پاس نہ دامن سپر کے پاس

نیزے نہ تھے سنان پہ نہ پرچم نشان پر
پیکان نہ تیر پر تھا، نہ چلہ کمان پر

معرکہ آرائی، اور فنون جنگ کا اظہار قدیم زمانہ مین جنگ کا دستور تھا کہ عام لڑائی سے پہلے، دونون طرف سے پہلے، ایک ایک شخص میدان مین نکلکر حریف سے معرکہ آرا ہوتا تھا، اس بنا پر تمام مرثیہ گویون نے اس قسم کی معرکہ آرائیان بیان کی ہین۔ لیکن مرزا دبیر وغیرہ یہ واقعہ اسطرح لکھتے ہین کہ یہ نہین اندازہ ہوتا کہ حریفون نے فن جنگ کے کیا کیا ہنر دکھائے، بخلاف اسکے میر انیس اسکو اسطرح ادا کرتے ہین کہ گویا فن جنگ کا بڑا ماہر، لڑائی کے تمام داؤن پیچ بتا رہا ہے چونکہ عرب مین سب سے پہلے لڑائی کی ابتدا رجز سے ہوتی تھی اس لیے پہلے ہم رجز کا انداز دکھاتے ہین۔

رجز عرب مین سب سے پہلے حریف میدان مین نکل کر رجز پڑھتا تھا یعنی اپنی شجاعت، اور دلیری کا خود اظہار کرتا تھا، اس بنا پر میر انیس نے جابجا رجز لکھا ہے لیکن چونکہ امام حسین علیہ السلام کی زبان سے پہلوانی کا اظہار، ان کے رتبہ کے شایان نہ تھا، اسلئے اکثر رجزون مین پہلوانی اور بہادری کے بجائے فضیلت اور شرف کا اظہار کیا ہے مثلاً

مین ہون سروارِ شباب چمن خلد برین	مین ہون انگشترِ پیغمبرِ خاتم کا نگین
مین ہون خالق کی قسم دوشِ محمدؐ کا مکین	مجھ سے روشن ہے فلک مجھ سے منور ہے زمین

ابھی نظرون سے نہان نور جو میرا ہو جائے
محفلِ عالمِ امکان مین اندھیرا ہو جائے

پھر یہ بیان کر کے کہ جناب رسول اللہ صلعم اور جناب امیرؑ و حمزہ سید الشہداء کے تمام تبرکات مجھی کو وراثت مین ملے ہین، فرماتے ہین ؎

یہ قبا کسکی ہے بتلاؤ یہ کسکی دستار	یہ زرہ کسکی ہے پہنے ہون جو مین سینہ فگار
بر مین کسکا ہے یہ چار آئینہ جوہر دار	کسکا رہوار ہے یہ آج مین جسپر ہون سوار

کسکا یہ خود ہے، یہ تیغ دو سر کسکی ہے
کس جری کی یہ کمان ہے، یہ سپر کسکی ہے

لیکن عام رجز کے قاعدہ کے لحاظ سے، بعض بعض جگہ شجاعت اور زور و قوت کا بھی اظہار کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہین ؎

بخشا ہے مجھکو حق نے شہِ لافتی کا زور	اس دستِ مرتعش مین ہے دستِ خدا کا زور
ہے انگلیون کے بند مین خیبر کشا کا زور	پانی ہے میرے زور کے آگے ہوا کا زور

اُلٹون فلک کو یون، جو ہو قصد انقلاب کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے ساغر حباب کا

آگے بڑھون جو تیر کو چلّہ مین جوڑ کے	بھاگین خطا شعار کمانون کو چھوڑ کے
بیکار کر دون شیر کا پنجہ مروڑ کے	پٹکون زمین پر درِ خیبر کو توڑ کے

اُلٹون طبق زمین کے یون جھک کے زین سے

جس طرح جھاڑ دیتے ہین گرد آستین سے

دنیا ہو اک طرف تو لڑائی کو سر کرون
آئے غضب خدا کا اُدھر رخ جدھر کرون
بے جبرئیل کار قضا و قدر کرون
اُنگلی کے اک اشارے مین شق القمر کرون

طاقت اگر دکھاؤن رسالتؐ مآب کی
رکھدون زمین پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

یہ تیغ سر پہ گر کے ٹھہرتی ہے زین پر
جب ہاتھ اُٹھائے برق گری ہر زمین پر
خیبر مین کیا گذر گئی روح الامین پر
کاٹے ہین کس کی تیغ دو پیکر نے تین پر

گھوڑے پر سوار ہونا

لو اب سوار ہوتے ہین عباسؑ نامور
لو دامن قبا نے لیا بوسۂ کمر
لو ہٹ کے ہات آپ نے رکھا ایال پر
لو آفتاب خانۂ زین مین ہے جلوہ گر

برچھا لیا سمند مین زانو کو داب کے
لو دو ہلال بن گئے حلقے رکاب کے

دو حریفون کی معرکہ آرائی اور فنون جنگ **فردوسی** کا یہ بڑا کمال خیال کیا جاتا ہے کہ وہ لڑائی کے تمام جزئیات داؤن پیچ، اور فنون جنگ کا نقشہ کھینچتا ہے، لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ سرسری اور معمولی باتون کے سوا، لڑائی کے ہر قسم کے تمام کرتب نہین دکھاتا، سب سے بڑا سین جو اُسنے دکھایا ہے وہ رستم اور اشکبوس کا معرکہ ہے اس موقع کے اشعار یہ ہین ؎

خدنگے برآورد پیکان چو آب
نہادہ بر وچار پر عقاب
بمالید چاچی کمان را بدست
بچرم گوزن اندر آمد شکست
ستون کرد چپ را و خم کرد راست
خروش از خم چرخ چاچی بخاست

چو زد تیر بر سینۂ اشکبوس — سپہر آن زمان دست او داد بوس
چو پیکان ببوسید انگشت اوے — گذر کرد از مہرۂ پشت اوے

اِن اشعار مین تیر اندازی کا وہی معمولی طریقہ ادا کیا ہے، البتہ نہایت شاندار اور پُر زور الفاظ مین ادا کیا ہے۔ لیکن میر انیس، لڑائی کے ہر قسم کے کرتب اور ہنر اس تفصیل سے بیان کرتے ہین کہ عربی اور فارسی مین اسکی نظیر نہین مل سکتی، ملاحظہ ہو:

یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزہ کو دی تکان — چمکی انی تو برق پکاری کہ الاماں
اک بندہ باندھ کر جو فرس سے کہا کہ ہان — ڈانڈا کی ڈانڈ پر تو سنان سے لڑی سنان
بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

جھنجلا کے چوب نیزہ کو لایا وہ فرق پر — قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ مارا بچا کے سر
دو انگلیون مین نیزۂ دشمن کو تھام کر — جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر
نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
دو انگلیون سے کام لیا ذوالفقار کا

سنبھلا وہ بے شعور یہ جھٹکا اٹھا کے جب — قبضہ مین لی کمان کیانی بہ صد غضب
چلہ مین تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب — تیوری چڑھائی قاسم نوشاہ نے بھی تب
تیرِ نگاہ سے وہ خطا کار ڈر گیا
کانپے یہ دونون ہات کہ چلہ اُتر گیا

ہر بار جانبین سے ہوتے تھے وار رد — تھا حرب و ضرب مین وہ شقی بھی بلا سے بد
جب بڑھ کے وار کرتا تھا وہ بانی حسد — کہتا تھا بازوے شہ دین، یا علیؑ مدد

یون روکتے تھے ڈھال پہ تیغ جہول کو
جسطرح روک لے کوئی سشہ زور بھول کو

لایا جو حرف سخت زبان پر وہ بدخصال
گھوڑے سے بس ملادیا گھوڑا الصمد جلال
جھپٹا مثال شیر درندہ حسنؑ کالال
اتنے بڑھے کہ اڑگئی اسکی سپر سے ڈھال

اوجھڑ لگی کہ ہوش اُڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پانون رکھدیے سر پر سمند کے

عباسؑ نامدار نے پہلو سے دی صدا
دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا
ہان اب نہ جانے دیجیو احسنت مرحبا
سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا

گھوڑا ابھی اسطرف کو، اُدھر ہو کے پھر پڑا
مارا کمر پہ ہات، کہ دو ہو کے گر پڑا

ایک اور موقع، ۵

نیزے ہلے، وہ چل گئین چوٹین کہ الامان
چنگاریان اُڑین جو سنان سے لڑی سنان
ہر طعن قہر کی تھی، قیامت کے تھے نکان
دواژہے گھٹے تھے نکالے ہوئے زبان

بھلے شرر، پرندون کی جانین ہوا ہوئین
شمعون کی تھین لون کہ ملین اور جدا ہوئین

اٹکا نہ ایک وار، نہ اس کے ہزار بند
کیا دنیزہ بازی مین تھا بار بار بند
بڑہ بڑہ کے کھول دیتا تھا یہ شہسوار بند
جوشن سے نیلگون تھے جفا جو کے چار بند

خالی گئی نہ فرق کی نہ دست و پا کی چوٹ
کھلتی بھی ہے، بندھی ہوئی مشکلکشا کی چوٹ

ڈوبی گرہ میں نیزۂ ظالم کی جب سنان
اللہ رے زور اُٹھ گیا گھوڑے سے پہلوان
گھوڑا اُڑا کے ہات کو اکبر نے دی تکان
دستِ شقی سے چھوٹ گئی ڈانڈ تا کمان

نیزہ کے ساتھ شور اُٹھا اس گروہ سے
لو اژدہے کو لے گیا سیمرغ کوہ سے

ظالم نے ڈھال دوش سے لی اور کھینچی تیغ
دو چار بار ڈوب کے نکلی سپر سے تیغ
بدلا تھا اسنے ٹھاٹ کہ چمکی ادھر سے تیغ
چلنے میں گھٹتی بڑھتی تھی اکس کس ہنر سے تیغ

ولہ

چمکی سپر کے پاس، کبھی برق کی مثال
سر کو بچا کے کاٹ گئی، وہ زرہ کا جال
شانے پہ آئی سینہ پہ لی جب شقی نے ڈھال
چوٹیں کڑی پڑی تھیں کہ مضطر تھا بدخصال

روکے کسے؟ جواب لگے دے تو کدھر پھرے؟
بجلی کے ساتھ ساتھ کہاں تک سپر پھرے

چمکی جو تیغ، ڈھال وہ لایا قریب سر
مغفر سے سر میں تھی، سر و گردن سے صدر پر
اک برق سی گری کہ دوپارہ ہوئی سپر
سینہ سے جب بڑھی تو ہوا تب وہ باخبر

سب نشۂ غرورِ جوانی اُتر گیا
تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُتر گیا

ایک اور موقع ۵

تولا شقی نے سنتے ہی یہ گرز گاؤ سر
آیا اُدھر سے گرز ادھر سے چلا تبر
اکبرؑ نے دوشِ پاک سے لی ہاتھ میں سپر
دو ہوگیا ثمودِ مثال خیار تر

گرز اس طرح نکل گیا پنجے سے چھوٹ کے
سمجھے یہ سب زمین پہ گرا ہاتھ ٹوٹ کے

بھالا سنبھالا دشمن ایمان نے ملکے ہاتھ   نیزے کے چار پانچ نکالے سنبھلکے ہاتھ
پہلے ہی بک چکا تھا ستمگر اجل کے ہاتھ   بڑھتا نہ تھا جو پانوں تو رکتا تھا چل کے ہاتھ
کم تھے نہ یہ بھی زور میں گرد زیاد تھا
نیزے کے بند بند کا توڑ اُن کو یاد تھا

رکھکر تبر نیام سے لی تیغ شعلہ ور   تھرا کے خود امان نے صدا دی کہ الحذر
بھالے کے ہاتھ بھول گیا سب وہ خیرہ سر   یہ بھی اُدھر تھے پھرتا تھا نیزہ جدھر جدھر
جاتا کدھر یہ تیغ سے جائے امان نہ تھی
دیکھا جو غور سے تو سنان کی زبان نہ تھی

بالائے سر جو ڈانڈ کو لایا وہ خود پسند   کھوئے تمام نیزۂ بیداد گر کے بند
پھینکی شقی نے فرق پہ جھنجھلا کے پھر کمند   سر کو بچا کے شیر نے تلوار کی بلند
گردش تھی ہاتھ کی نہ بڑھے کچھ نہ ہٹ گئے
حلقے کھلے تھے جو وہ اشارے میں کٹ گئے

ہٹکر خطا شعار نے جوڑا کمان میں تیر   تیر افگنی میں شہرۂ آفاق تھا شریر
سرکش خدنگ مرگ سے کیونکر ہو گوشہ گیر   چلّہ کٹا کمان کا زہے تیغ بے نظیر
قربان زور ضربت نصرت نشان کے
کھلکر قفا پہ بندھ گئے بازو کمان کے

خادم نے تیر جوڑ کے دی دوسری کمان   نیزہ اُٹھا کے شیر نے آواز دی کہ ہان
سپر اودھر اٹھی تھی کہ چمکی اُدھر سنان   بھالے کی نوک جھوک نئی تھی نئی نکان
سہما یہ دل کہ بن گئی موذی کی جان پر

ناوک زمین پہ تھا تو کمان آسمان پر

ایک اور موقع ع

پیہم ہوئیں کمان پہ تکانین جو یکدگر +
کس نوک جھوک سے وہین نیزے کو پھیر کر

ظالم کبھی ادھر تھا تو حضرت کبھی اُدھر
فرزند شیر حق نے دکھایا عجب ہنر

ظالم پہ آسمان سے بلا ناگہان گری
دو تین نیزہ اُڑ کے زمین پر سنان گری

چلہ مین رکھہ کے تیر بڑے قبلۂ اُمم
کچھہ کہہ کے گوش شہ مین چلا تیر تیز دم

اک ہات راست کر کے کیا دوسرے کو خم
آواز دی کمان نے زہے شاہ باکرم

چلہ تو شست شاہ زمن سے نکل گیا +
وان تیر دل کو توڑ کے سن سے نکل گیا

گھوڑا | فردوسی کے ہان گھوڑے کی تعریف مین جستہ جستہ دو چار شعر پائے جاتے ہین، لیکن متاخرین نے اس مضمون کو بہت وسعت دی، اور مبالغہ کو حد سے بڑھا دیا، سب سے پہلے عبد الواسع جبلی نے ایک قصیدہ کی تشبیب، گھوڑے کی مدح سے کی ع

اے بہ بالا ہمچو آتش وے بسوے پستی چو آب
گر گنی پویہ بناشد ابر با تو ہم عنان

خاک وصفی در درنگ و باد رنگے در شتاب
گر بری حملہ، بناشد برق با تو ہم رکاب

مبالغہ ملاحظہ ہو ع

از جبل نہان شوی در سایۂ پرّ پشہ
وز سپہر جولان کنی، در گوشۂ چشم ذباب

"ایک شعر کے بعد لکھتے ہین کہ جب تو بلندی سے پستی کی طرف آتا ہے، یا پستی سے بلندی پر چڑھتا ہے تو ع

نسبتی داری ہمانا با قضاے آسمان ۔۔۔ قربتے داری ہمانا با دعاے مستجاب

عرفی نے بھی ایک قصیدہ گھوڑے کی مدح مین لکھا ہے

اے طعن فلک نوشتہ بر سم ۔۔۔ وے زلف صبا بریدہ از دم

بر غنچہ سبک روی بدانسان ۔۔۔ کش خندہ نزاید از تبسم

تازی بہ لب فسانہ پرداز ۔۔۔ زان گونہ کہ نشکنی تکلم +

ایک اور قصیدہ مین لکھتا ہے

آن سبک سیر کہ گر گرم عنانش سازی ۔۔۔ از ازل سوے ابد و ز ابد آید بہ ازل

قطرہ ہا کش دم رفتن چکد از پیشانی ۔۔۔ شبنم آسائش نشیند گہ رجعت بہ کفل

گر سر خصم تو بندند بہ پالش دم نزع ۔۔۔ تا قیامت بہ گلویش نرسد دست اجل

زلالی لکھتا ہے

ز جستن جستن او سایہ در دشت ۔۔۔ چو زاغ آشیان گم کردہ می گشت

یعنی گھوڑا اسطرح جنگل مین اُڑتا پھرتا تھا کہ خود اس کا سایہ اس کو یون ڈھونڈھتا پھرتا تھا جس طرح کوا اپنے گھونسلے کو ڈھونڈھتا پھرے -

اُردو مین مرزا سودا نے کہا ہے

روبرو سے اگر آئینہ کے اس گلگون کو ۔۔۔ پھینکدے لیکے کبھی شرق سے تو غرب تلک

اتنے عرصہ مین پھر آئے تو اسے باور کر ۔۔۔ عکس بھی آئینہ سے ہونے نہ پاے منفک

مرزا دبیر صاحب فرماتے ہین ع سرعت کا یہ عالم ہے کہ سن بڑھ نہین سکتا +

ان تمام اشعار کے نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ فارسی اور اُردو مین، جو کچھہ گھوڑے کی مدح مین لکھا گیا، وہ صرف ناممکنات کے افسانے تھے، کسی نے یہ نہین کیا کہ گھوڑے کا اصلی خدوخال، ڈیل ڈول

چہرہ مہرہ، چل پھر، اُڑ جاؤ، کا نقشہ دکھاتا،

میرانیس صاحب بھی اگرچہ مذاق عام کی پیروی سے اکثر بہکے ہین چنانچہ فرماتے ہین

ع آنکھون مین یون پھرے کہ مژہ کو خبر نہ ہو ؎

تنگی سے آسمان کی خفا یہ سمند ہے | کیونکر اُڑے، پری ہے کہ شیشہ مین بند ہے

تاہم ان کا اصلی جوہر بھی ہر جگہ نمایان ہے، ملاحظہ ہو، ؎

باریک جلد وہ کہ نظر آئے تن کا خون | گنڈے کو دیکھ کر مہ نو ہووے سرنگون
رفتار مین وہ سحر کہ پریون کو ہو جنون | غنچے بھی کچھ بڑے ہین کنوتی کو کیا کہون

قربان ہزار جان فرس بے نظیر پر
پیکان دو جڑے ہوے ہین ایک تیر پر

نازک مزاج، خوش قد، وطناز و سربلند | وہ پیش و پس، وہ سم وہ کنوتی، وہ جوڑ بند
کوتاہ و گرد، وصاف، کنوتی، کمر، کفل | **ولہ** کیا خوشنما کشادگی سینہ و بغل
وہ تھوتنی، وہ ابلی ہوئی انکھڑیان اُڑیان | **ولہ** گویا کھلے تھے، حور کے گیسو پری کے بال
وہ جلد، وہ دماغ، وہ سینہ، وہ سم، وہ چال | **ولہ** دم مین کبھی ہما، کبھی ضیغم، کبھی غزال

وہ قصر آسمان پہ بھی جانے مین طاق تھا
دو پر خدا اگر اسے دیتا براق تھا

وہ جست و خیز و سرعت و چالاکی سمند | سانچے مین تھے ڈھلے ہوئے سب اسکے جوڑ بند
سُم ترص ماہتاب سے روشن ہزار چند | نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سربلند

پتلی جدھر سوار نے پھیری وہ مُڑ گیا
اُترا براق بنکے پری ہو کے اُڑ گیا

جرأت میں رشکِ شیر، تو ہیکل میں پیل تن
بجلی کسی جگہ تو کہیں ابرِ قطرہ زن
پوئیہ کے وقت کبک دری اَجست میں ہرن
بن ٹھن کے آنے جانے میں طاؤس کا چلن

سیماب تھا زمیں پہ، فلک پر سحاب تھا
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

افزوں ہے زلف حور سے خوشبو ایال کی
پریاں خرام ناز میں شاگرد چال کی +
دیکھیں تو لیں بلائیں سدا بال بال کی
غصہ میں جست شیر کی، شوخی غزال کی

وہ حُسن تن پہ ساز کا - جوبن یراق کا
دُلدُل کے ہات پانوں تو چہرہ براق کا

غصے میں انکھڑیوں کے اُبلنے کو دیکھیئے
سانچے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھیئے
جوبن میں جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھیئے
تھم کر کنوتیوں کے بدلنے کو دیکھیئے

وہ تھوتنی کہ غنچۂ سوسن سے تنگ تر
وہ انکھڑیاں خجل ہوں ہرن جسکو دیکھ کر

ع وہ شوخیاں فرس کی، وہ سرعت، وہ آؤ جاؤ،

گھوڑے کے غیظ کی تصویر

مانند شیر غیظ میں آیا وہ پیل تن
ماری زمیں پہ ٹاپ کہ لرزا تمام بن
آنکھیں اُبل پڑیں صفتِ آہوے ختن
غل پڑ گیا کہ گھوڑے پہ بھی لوچڑھا ہے رن

میخیں زمیں کی اسکی تگاپو سے ہل گئیں
دونوں کنوتیاں بھی کھڑی ہو کے مل گئیں

گھوڑے کی تیز روی اور چل پھر

سمٹا جما اُڑا، اُدھر آیا اِدھر گیا
چمکا بھرا، جمال دکھایا ٹھہر گیا
تیرون سے اُڑکے برچھیون مین بے خطر گیا
برہم کیا صفون کو، پرے سے گذر گیا
گھوڑون کا تن بھی ٹاپ سے اس کے فگار تھا
ضربت تھی نعل کی کہ سروہی کا وار تھا

پھرتا تھا کیا، صفون مین فرس جھوم جھوم کے
سرعت بلائین لیتی تھی منہ چوم چوم کے
پامال تھے پرے سپہ شام و روم کے
غل تھا یہ غول مین پسر سعد شوم کے
رخش ایسا روم و رے مین نہین شام مین نہین
یہ شوخیان تو ابلق ایام مین نہین

آہو کی جست، شیر کی آمد، پری کی چال
کبک دری خجل، دلِ طاؤس پائمال
سبزہ سبک روی مین قدم کے تلے نہال
اک دو قدم مین بھول گئے چوکڑی غزال
جو آگیا قدم کے تلے گرد برد تھا
چھل بل غضب کی تھی کہ چھلاوہ بھی گرد تھا

بجلی کبھی بنا، کبھی رہوار بن گیا
آیا عرق تو ابرِ گہربار بن گیا
گہ قطب، گاہ گنبد دوار بن گیا
نقطہ کبھی بنا، کبھی پرکار بن گیا
حیران تھے اسکے گشت پہ لوگ، اُس ہجوم کے
تھوڑی سی جا مین پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

تلوار مرثیہ گویون کا سب سے بڑا موضوع شاعری یہی ہے، اور مرزا دبیر صاحب تو اس عالم مین لامکان تک پہنچ جاتے ہین، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ سب کچھ کہتے ہین اور غور سے دیکھیے تو (تلوار کے متعلق

کچھ نہین کہتے، چنانچہ فرماتے ہین۔

مرزا دبیر ؎

مدِ نگہ چشم نیام اوج پر آیا + | اور صاف ہر اک فرد بشر کو نظر آیا

خط کھینچنے کو کلک دوات ظفر آیا | وله | یا دوڑ کے ظلمت کے گلے سے خضر آیا

ظلمات مین یہ فتح یہ قبضہ سے کیئے پھری | وله | یونس کو جیسے بطن مین ماہی سلئے پھری

مثل ہوا سرون مین سمائی چلی گئی | وله | بو کی طرح دماغون مین آئی چلی گئی

ذات اک حرف مٹا دیا اسکے صفات کو | وله | کیسی زبان، زبان مین یہ کاٹ آئی بات کو

کاف شگاف بن کے درون جگر گئی | وله | مانند میم مرگ، میانِ کمر گئی

لفظ شکم مین دینے کو زیر و زبر گئی | وله | مانند پیش ہر جزو کل سے گذر گئی

تلوارون پر وہ سیف جو شعلہ فشان ہوئی | وله | جل بھن کے آب تیغون کی زمین دہواں ہوئی

گیا جو فوق سے تحت الثریٰ کو آب حسام | وله | بنا خزانۂ قارون خرابۂ حمام

فلک نے تختۂ یونان رکھا زمین کا نام | | ہوا رطوبت اطراف سے زمین کو زکام

دماغ خاک پہ نزلہ بصد وفور گرا +

کیا جو عطسہ تو قارون نکل کے دور گرا +

خود انصاف کرو، یہ تلوار کی تعریف ہے یا ہوائی طلسم ہے۔

میر انیس صاحب بھی اگرچہ سامعین کی بدمذاقی کے اثر سے کہین کہین بے راہ نکل جاتے ہین، تاہم واقعیت اور اصلیت کا جوہر ہر جگہ نمایان رہتا ہے، سب سے پہلے، دیکھو تلوار کا سراپا کسطرح کھینچتے ہین ؎

پشت وہ اس کا اور وہ باریکی خمیر | | کس بل مین بے مثال اصالت مین بے نظیر

دلسوز شعلہ خو شرر انداز و جانگداز | وله | لشکر کش و شکست رسان و ظفر نواز

خونخوار و کج ادا و دل آزار و سرفراز
حاضر جواب، تیز طبیعت زبان دراز

تیغ اس کی ہے پسند جہان گو سجی نہ ہو
معشوق بھسر نہین کہ جو اتنی کجی نہ ہو

ذوالفقار سے تشبیہ، ۵

جوہر وہی، برش کا وہی طور، خم وہی
تیزی وہی غضب کی، وہی گھاٹ، دم وہی
چلنا اسی طرح کا، چمک دمبدم وہی
رنگت زمردی وہی، پانی مین سم وہی +

تلوار کا کاٹ اور اسکی تعریف

چمکی، گری، اُٹھی، ادھر آئی اُدھر گئی
خالی کیے پرے، تو صفین خون مین بھر گئی
کاٹے کبھی قدم، کبھی بالا سے سر گئی
ندی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اُتر گئی

غل تھا یہ کیا ہے، جو قہر صمد نہین
ایسا تو رود نیل مین بھی جزر و مد نہین

بجلی گری کہ فوج پہ تیغ دو سر گری
کٹ کر کسی کی تیغ، کسی کی سپر گری
چمکی کبھی فلک پہ، کبھی فرق پر گری
سر کاٹ کر، ادھر سے جو اُٹھی اُدھر گری

زرہین تنون مین مثل کفن چاک ہو گئین +
اک آن مین صفین کی صفین خاک ہو گئین

اک شور تھا کہ تیغ ہے یہ یا خدا کا قہر
بہتی ہے جسکی آگ سے کوسون لہو کی نہر
ناگن ہے یہ کہ کاٹے کی جسکی نہین ہے لہر
اُتری گلے سے چڑھ گیا سارے بدن مین زہر

زخمون سے جسم، ڈر سے کلیجے فگار ہین +
جوہر نہین ہین تیغ مین، دندان مار ہین

یکتا برش مین جوہر ذاتی مین قدر مین
چمکی احد مین خیبر و خندق مین بدر مین
تیزی وہی تھی سان کی اس آشوب غدر مین
بڑھ کر سپر سے سر مین گئی اس سے صدر مین
کھچتی ہوئی سپر سے نیا رنگ ڈھنگ تھا
راکب تھا نہ فرس تھا نہ زین تھا نہ تنگ تھا

غل تھا کہ وہ چمکتی ہوئی آئی، یہ گری
برچھی سے اُڑ گئی وہ سنان، یہ گرہ گری
ترکش کٹا کمان کیانی سے زہ گری
یہ سر اُڑا، وہ خود اُڑا، یہ زرہ گری
آتی ہے لشکرون پہ تباہی اسی طرح
گرتی ہے برق قہر الٰہی اسی طرح

سر لوٹتے تھے برچھیون والون کے ہر طرف
ٹکڑے پڑے تھے دشت مین بھالون کے ہر طرف
پامال تھے سوار رسالون کے ہر طرف
پرکالے اُڑتے پھرتے تھے ڈھالون کے ہر طرف
خاطر نشان نہ تھی کسی آفت نشان کی
انبار تھین کٹی ہوئین شاخین کمان کی

کیا کیا چمک دکھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے
تنتی تھی بس تنون سے زمین پاٹ پاٹ کے
پانی وہ خود پیے ہوئے تھی گھاٹ گھاٹ کے
دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
کیا جانیے ملا تھا مزا کیسا زبان کو
کھا جاتی تھی ہما کی طرح استخوان کو

ہر ہات مین اُڑا کے کلائی نکل گئی
کوندی، گری - زمین مین سمائی نکل گئی
کاٹی زرہ دکھا کے صفائی نکل گئی
مچھلی تھی اک کہ دام مین آئی نکل گئی
چار آئینہ کے پار تھی اس آب و تاب سے

جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر
پہنچوں سے ہات، شانوں سے بازو، تنوں سے سر
قبضہ سے تیغ، بر سے زرہ، ہات سے سپر
برچھی سے پھل، کمان سے زہ، زین سے تبر
ترکش کہیں پڑے تھے، نشان زری کہیں
پیکان کہیں تھی، شست کہیں تھی، سری کہیں

جب صف پہ وار کرتے تھے سلطان بحر و بر
اُڑتی تھی کٹ کے صورت کاغذ ہر اک سپر
چھپتی تھیں بھاگی جاتی تھیں، گرتے تھے خاک پر
قبضوں سے تیغیں جسم سے، روحیں تنوں سے سر
پے تھے قدم، گریز کے کوچے بھی بند تھے
شعلہ وہ تیغ تھی اسرا عدا سپند تھے

چھپتے تھے یوں وہ دیکھ کے اس تیغ کی چمک
بھاگے شعاع مہر سے جسطرح شپرک
اوج سما سے زلزلہ برپا تھا تا سمک
چمکی وہ جب تو کانپ گئے چرخ پر ملک
ہر شے تھی خوف جان سے خضوع و خشوع میں
سجدے میں تھی زمین تو فلک تھا رکوع میں

جوشن کو کاٹ جاتی تھی یوں آ کے اوج سے
پیراک جسطرح نکل آتا ہے موج سے
چمکی جو برق سی تو نکل آئی تنگ سے
رُکتی تھی نہ سپر سے نہ آہن نہ سنگ سے
خالق نے منہ دیا تھا عجب آب و تاب کا
خود اسکے سامنے تھا پھپھولا حباب کا

جم خم وہ تیغ کا وہ لگاوٹ وہ آب و تاب
آتش کسی جگہ کہیں بجلی کہیں سحاب
سیلی تھی اک پری کے شکم پر کہ اُسکی تاب
تیزی زبان میں وہ کہ فرشتوں کو دے جواب

جوہر سے اُس کا جسم جواہر نگار تھا
گویا گلے مین حور کے ہیرے کا ہار تھا

پیاسی بھی خون فوج کی اور آبدار بھی
بجلی بھی ابر بھی خزان بھی بہار بھی
غل تھا کہ ایک گھاٹ مین پانی بھی نار بھی
تلوار بھی چھری بھی سپر بھی کٹار بھی

پانی نے اُسکے آگ لگا دی زمانے مین
اک آفت جہان تھی لگانے بجھانے مین

نیزون کے بند بند قلم برچھیان دونیم
چار آئنہ کٹے ہوئے گرز گران دونیم
مثل قلم زبان دراز سنانِ دونیم
مغفر سے تا کمر جسدِ پہلوان دونیم

سالم تھا پیش آئنۂ تیغ جو نہ تھا
لشکر مین کونسا تھا وہ یکتا جو دو نہ تھا

وہ تیغ جب بڑھی صف کفار ہٹ گئی
دم میں ہزار یون صفون کو اُلٹ کر پلٹ گئی
چمکی جو برق ڈھالون کی بدلی سمٹ گئی
رن کی زمین لہو کے ڈر یڑون سے کٹ گئی

دریا بھی آب تیغ سے بے آبرو ہوا
غل تھا کہ نو فرات کا پانی لہو ہوا

اس موقع پر شاید تمھارے ذہن مین یہ خیال آئے کہ میر انیس کی رزمیہ مین گو الفاظ کی شکوہ و شان کی کچھ انتہا نہین لیکن اصلیت اور واقعیت سے یہ مراحل دور ہے، کربلا کا واقعہ نتایج کے لحاظ سے بے شبہہ ایک اہم واقعہ ہے لیکن معرکہ آرائی کے لحاظ سے اسکی صرف یہ حیثیت ہے کہ ایک طرف سو ہو سو ہو آدمی تشنہ لب اور بے سر و سامان تھے دوسری طرف تین چار ہزار کا مجمع تھا جو دفعۃً ٹوٹ پڑا، اور تین گھنٹے مین لڑائی کا فیصلہ ہو گیا، ایسے واقعہ کے متعلق یہ کہنا کہ زمین تھرا گئی، آسمان کانپنے لگے، پہاڑ جگہ سے ہٹ گئے،

دریا ابل پڑے، فرشتے آسمانون مین چھپتے پھرتے تھے وغیرہ وغیرہ، واقعیت سے کسقدر دور ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاعری مین اصلیت اور واقعیت کا لحاظ تاریخی حیثیت سے نہین کیا جاتا، بلکہ صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ شاعر کو ان واقعات کا یقین ہے یا نہین؟ اگر وہ ان باتون پر یقین رکھتا ہے، اُن کے اثر سے لبریز ہے، اور جس قدر اسکے دل پر اثر ہے اسی جوش کے ساتھ اُن کا اظہار بھی کرتا ہے تو اس کی شاعری بالکل اصلی ہے، فرض کرو کہ شاہنامہ کے تمام واقعات غلط ثابت ہوجائین تو اس سے فردوسی کی کمال شاعری مین کیا فرق آئے گا۔

شاعر کو قطعی یقین ہے کہ امام حسین علیہ السلام، تمام عالم کے کاروبار کے مالک ہین، جن و انس شجر حجر، سب ان کے محکوم ہین، اُن کا غیظ مین آنا کردگار عالم کا غیظ مین آنا ہے، اس صورت مین اگر ان کی حملہ آوری سے زمین و آسمان دہل جائین، اور دنیا متزلزل ہوجائے تو استعجاب کی کیا بات ہے، ہان ضرور ہے کہ اس حالت مین بھی وہی واقعات بیان کرنے چاہئین جن سے طبیعت پر واقعی اثر ہو، صرف موہوم خیال بندی اور لفاظی نہ ہو، جیسا مرزا دبیر صاحب کا انداز ہے۔

یہ بات بھی بظاہر کھٹکتی ہے کہ رزم کے بیان مین عشقیہ الفاظ، استعمال کرنا، بلاغت کے خلاف ہے، اور میر انیس اکثر تلوار کی تعریف مین اس قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہین، مثلاً ؎

کس تکلف سے وہ لیلائے ظفر، راہ چلی،	گہ بڑھی، گاہ رُکی، گاہ تھمی، گاہ چلی،
کاٹھی سے اسطرح ہوئی وہ شعلہ رو جدا	جیسے کنارِ شوق سے ہو خوبرو جدا
سچ اس کی ہے پسند جہان گو سبھی نہ ہو	معشوق پھر نہین کہ جو اتنی کجی نہ ہو،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض کی بات نہین، بلکہ میر انیس کے محاسن شاعری مین داخل ہے، علامہ ثعلبی نے یتیمۃ الدھر مین جہان متنبی کے محاسن گنائے ہین وہان لکھتے ہین، ؎

منها استعمال الفاظ الغزل والنسيب في اوصاف الحرب وهو ايضا مما لم يسبق اليه وتفرد به واظهر فيه الحذق	متنبی کے محاسن مین سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لڑائی کے بیان مین غزل کے الفاظ استعمال کرتا ہے اور یہ بھی اُس کی اُن خصوصیات مین سے ہے جن کی پہلی کوئی نظیر نہین ملتی، اور جنمین وہ منفرد ہے،

اس کے بعد متنبی کے بہت سے اشعار نقل کیے ہین جن مین سے ایک یہ ہے ؎

قد صبغت خدها الدماء كما يصبغ خد الخريدة الخجل	زمین کے چہرہ کو خون نے اسطرح رنگین کر دیا ہے جسطرح شرم کی حالت مین، معشوق کے چہرہ پر سرخی آجاتی ہے،

لیکن یہ بہت نازک موقع ہے رزم مین عشقیہ الفاظ اور تشبیہات کا استعمال وہین تک جایز ہے جہان تک کلام کا اثر نہ جانے پائے، اور کلام مین ابتذال نہ آجائے، مرزا دبیر صاحب نے بھی میر انیس کی تقلید کرنی چاہی لیکن کلام کا یہ رنگ ہو گیا ؎

تلوار کی تعریف	جب خون مین بھری، فوج کے انبوہ سے نکلی	غل یہ تھا کہ وہ لال پری کوہ سے نکلی،

سلام

اُردو شاعری کی اصلی بنیاد غزل کی زمین پر قایم ہوئی، اور اقسام سخن مین سے اسی کو سب سے زیادہ فروغ ہوا، عام مرثیہ گویون نے اپنے مضمون کی نوعیت کے لحاظ سے مسدس کا طریقہ اختیار کیا لیکن غزل کی لے اسقدر کانون مین رچ چکی تھی کہ ان لوگون کو بھی اُس انداز مین کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑتا تھا اس بنا پر انہون نے غزل کی طرز پر سلام ایجاد کیا، سلام کی بحرین وہی غزل کی ہوتی ہین، غزل کی طرح، مضمون کے لحاظ سے ہر شعر الگ الگ ہوتا ہے، سلام کی خوبی یہ ہے کہ طرز شگفتہ اور نئی بندش سادہ اور صاف، مضمون دردانگیز اور پُرتاثیر ہو، میر انیس کے سلامون مین یہ تمام باتین پائی جاتی ہین، نمونہ ملاحظہ ہو ؎

صبر کرتے تھے سلامی شہ والا کیا کیا
اہل کین دیتے تھے مظلوم کو ایذا کیا کیا

شاہ فرماتے تھے پانی نہین ملتا لیکن
سامنے آنکھون کے لہراتا ہے دریا کیا کیا

سر شبیر سے کہتے تھے یہ رو رو سجادؑ
رنج دیتے ہین مجھے راہ مین اعدا کیا کیا

ق

طوق و زنجیر سنبھالون کہ مہار اونٹون کی
کام اتنے ہین کرون مین تن تنہا کیا کیا

رو رو کہتی تھی صغراؑ کہ کہے جا قاصد
تو نے کیا کیا کہا اور شاہ نے پوچھا کیا کیا

دیکھ کر فوج حسینی کو عدو کہتے تھے
ساتھ لائے ہین جوان سید والا کیا کیا

خط لئے لاشۂ اکبرؑ پہ یہ کہتے تھے امام
دیکھو بیٹا! تمھین صغراؑ نے ہے لکھا کیا کیا

ایضاً

کچھ اور جز زبان نہین اہل سخن کے پاس
مجرائی کیا زبان کے سوا ہی؟ دہن کے پاس

سمجھے یہ سب کہ عونؑ و محمدؑ ہوئے شہید
روتے ہوئے حسینؑ جو آئے ہین کے پاس

چلائی بانوؑ دیکھ کے اصغرؑ کو قبر مین
مجھکو بھی کاڑ دے کوئی اس گلبدن کے پاس

صدمہ سے کانپنے لگے عابدؑ کے ہاتھ پانون
جس وقت بیڑیان نظر آئین رسن کے پاس

ایضاً

سلامی! آنکھ سے رہ رہ کے خونِ دل ٹپکتا ہے
غم سجادؑ بیکس دل مین کانٹا سا کھٹکتا ہے

دم تحریر گلریزی ہے یا سطرین ہین کاغذ پر
صریر کلک ہے یا باغ مین بلبل چہکتا ہے

پھرے تھے کربلا کی راہ سے کچھ سوچ کر حضرت
وگرنہ رہبر عالم کہین رستہ بھٹکتا ہے

حرم روئے کہا جب آسمان کو دیکھ کر شہؑ نے
علی اکبرؑ اذان دو صبح کا تارا چمکتا ہے

زمین کربلا پر فاطمہؑ کے پھول بکھرے ہین
شہیدون کی یہ خوشبو ہے کہ سب جنگل مہکتا ہے

تن رنجور پر ہاتھ اپنا زینبؑ رکھ نہین سکتی
تپ غم سے بدن سجادؑ کا ایسا دہکتا ہے

کھایا نوک نشہ سے تیر چلتے ہین کلیجہ پر / مرا منہ جب یہ بچہ نرگسی آنکھون سے تکتا ہے

یہ ننھے ننھے دونون ہاتھ بل کھاتے ہین سینہ پر / مسوڑے ہو گئے ہین نیلگون تالو لپکتا ہے

ق

ایضاً

مجرئی! جب کہ عیان ماہ عزا ہوتا ہے / یہ چرخ پر ماتم شاہ شہدا ہوتا ہے +

پھیر دین آنکھین جو اصغر نے پکاری بانو / دوڑو اے بی بیو! دیکھو تو یہ کیا ہوتا ہے

دیر بیٹیون کو لگی رن مین تو زینب نے کہا / لاشین آتی ہین اگر فضلِ خدا ہوتا ہے

کہتی تھی خلق خدا دیکھ کے عابد کو اسیر / کہین بیمار بھی رسی سے بندھا ہوتا ہے

ایضاً

سدا ہے فکر ترقی بلند بینون کو / ہم آسمان سے لائے ہین ان زمینون کو

یہ جھریان نہین ہاتون پہ ضعف پیری نے / چُنا ہے جامۂ اصلی کی آستینون کو

لگا رہا ہون، مضامین نو کے پھر انبار / خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینون کو

بھلا تردد بیجا سے اس مین کیا حاصل / اُٹھا چکے ہین، زمیندار جن زمینون کو

خیالِ خاطر احباب چاہئے ہر دم / انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینون کو

رباعیات

صوفیانہ اور اخلاقی مضامین کے اظہار کے لئے سب سے زیادہ موزون چیز رباعی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جن شعرا مثلاً خیام، سحابی، سلطان ابوسعید ابوالخیر نے ان مضامین کو اپنا موضوع شاعری قرار دیا تھا، اُنھون نے رباعی کے سوا، تمام عمر مین اور کچھ نہ لکھا،

اُردو شاعری مین چونکہ یہ مضامین بہت کم ادا کئے گئے، اس لئے رباعیان بہت کم پائی جاتی ہین،

سودا نے البتہ نہایت کثرت سے رباعیان لکھین لیکن اکثر عشقیہ یا خیال آفرینی کی غرض سے لکھی ہین، میر انیس کی رباعیون کا ایک بڑا دفتر ہے اور ہر رباعی مین کوئی نہ کوئی اخلاقی مضمون ادا کیا گیا ہے بعض ایسی بھی ہین جن مین صرف مضمون بندی، یا کوئی صنعت ہے، چنانچہ ہر قسم کے نمونے ذیل مین درج ہین۔ ؎

اب خواب سے چونک، وقت بیداری ہے مرمر کے پہنچتے ہین، مسافر وان تک	رباعی	بے زاد سفر کو کوچ کی طیاری ہے یہ قبر کی منزل بھی عجب بھاری ہے
ہموار ہے، گر تو تجکو کچھ باک نہین پاتا نہین تند خو، کدورت کے سوا	ایضاً	سرکش ہے اگر، تو عقل و ادراک نہین دامن مین ہوا کے کچھ بجز خاک نہین
راہی طرفِ عالمِ بالا ہون مین یارب ترا نام پاک جپنے کے لئے	ایضاً	دنیا سے عدم کو جانے والا ہون مین گویا اک ہڈیون کی مالا ہون مین
مرمر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے کیونکر نہ لپٹا کے تجھ سے سوؤن اے قبر	ایضاً	رخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے مین نے بھی تو جان دیکے پایا ہے تجھے
کٹ جاتے ہین، خود رنگ بدلنے والے اللہ رے سخن کی تیری تاثیر انیس	ایضاً	کب تھمتے ہین اشک جو ہین ڈھلنے والے رو دیتے ہین مثلِ شمع، سب جلنے والے
ہشیار کہ وقت ساز و برگ آیا ہے محتاج عصا ہوے تو پیری نے کہا	ایضاً	ہنگام یخ و برف و تگرگ آیا ہے چلیے اسپ چوبدار مرگ آیا ہے
نافہم سے کب داد سخن لیتا ہون چھپتی نہین بوے دوستان یکرنگ	ایضاً	دشمن ہو کہ دوست، سب کی سن لیتا ہون کانٹون کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہون

رتبہ جسے دیتا ہے خدا دیتا ہے	رباعی	وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی		جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے
کیا قدر زمین کی آسمان کے آگے	دیگر	جُھکتے ہین قوی بھی ناتوان کے آگے
نرمی سے مطیع سنگدل ہوتے ہین		دندان صدف بستہ ہین زبان کے آگے
جس شخص کو عقبےٰ کی طلبگاری ہے	دیگر	دنیا سے ہمیشہ اُسے بیزاری ہے
ایک آنکھ مین کسطرح سمائین دونون		غافل! یہ خواب ہے، وہ بیداری ہے
کس دن فرسِ خامہ تنگ و دو مین نہین	دیگر	مجھ سا بھی سیہ بخت کوئی سو مین نہین
ہر چند کہ ہون خسرو اقلیم سخن		پر غیر دوات، کچھ قلمرو مین نہین
جس جا ذکر حسینؑ ہوجاتا ہے	دیگر	رونے سے دلون کو چین ہوجاتا ہے
آکر بزم عزائے شہ مین رونا		ہر شخص پہ فرض عین ہوجاتا ہے
جو روضہ مین باریاب ہوجاتا ہے	دیگر	ہر کام مین، کامیاب ہوجاتا ہے
جاتا ہے جو شب کو قبر حیدرؑ پہ چراغ		وہ صبح کو آفتاب ہوجاتا ہے

اعتراضات

میر انیس کے کمال کا اگرچہ جس قدر مجھکو اعتراف ہے شاید ہی کسی اور کو ہوگا، تاہم میرا یہ دعویٰ نہین کہ اُنکا کلام فروگذاشتون اور غلطیون سے پاک ہے۔

ہمارے زمانہ مین جو سوانح عمریان لکھی گئی ہین، ان مین باوجود دعویِ آزادی کے تنقید اور جرح سے بالکل کام نہین لیا گیا، اور اس کا عذر یہ کیا جاتا ہے کہ ابھی قوم کی یہ حالت نہین کہ تصویر کے دونون رخ اسکو دکھائے جائین، لیکن عذر کرنے والے خود اپنی نسبت غلطی کر رہے ہین، جس چیز

نے ان کو اظہار حق سے روکا ہے وہ ایشیائی شخص پرستی ہے جس کا اثر رگ و پے مین سرایت کرگیا ہے۔ اور عذر کرنے والون کو خود اس کا احساس نہین ہوتا اس غلامانہ شخص پرستی سے ایک بڑا ضرر یہ ہے کہ جو لوگ، ان اکابر کی تقلید کرتے ہین ان مین ہزارون ایسے ہوتے ہین جن کو خود نیک و بد کی تمیز نہین ہوتی اس لئے وہ اچھی باتون کے ساتھ، اکابر کی غلطیون کی بھی تقلید کرنے لگتے ہین، اور سلسلہ در سلسلہ تمام قوم مین اسکا اثر پھیل جاتا ہے۔

بہرحال ہماری راے ہے کہ جس وسعت اور تفصیل کے ساتھ میر انیس کی خوبیان ظاہر کی گئی ہین، اسی طرح نہایت، آزادی اور بے باکی کے ساتھ ان کی ہر قسم کی فروگذاشتین اور غلطیان بھی ظاہر کی جائین۔

ایک زمانہ ہوا عبد الغفور خان نساخ نے میر انیس کی بہت سی غلطیان ایک رسالہ مین ظاہر کی تھین، چنانچہ شروع کتاب مین اسکا ذکر گذر چکا ہے۔ پہلے ہم ان اعتراضات کو اجمالاً مع جواب کے نقل کرتے ہین۔

۱- میر صاحب نے جا بجا۔ سینہ۔ مدینہ۔ کینہ۔ قرینہ۔ کو دانا اور بینا کا قافیہ باندھا ہے مثلاً

حق نما ہے تو جہان مین ہے یہی آئینہ	اسکا عاشق ہو تو ہون کور کی آنکھین بینا

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ قدما کا طریقہ تھا اور میر انیس کا ابتدائی کلام، قدما کے استعمال کے موافق ہے۔ اس جواب پر اسقدر اور اضافہ کرنا چاہیئے کہ گو متاخرین نے اسکو ترک کر دیا لیکن کلام کی وسعت کے لئے یہ سختیان اُٹھا دینی چاہئین، شاعری سے وصل اور ہجر کے سوا، اور بھی کام لینے ہین اور وہ بغیر اس کے نہین ہو سکتا کہ قافیہ مین وسعت پیدا کی جائے، ورنہ شاید یورپ کی طرح اسکو سرے سے قافیہ سے دست بردار ہونا پڑے گا۔

۲- جن الفاظ مین نون کا اعلان ضرور ہے میر صاحب اکثر جگہ، اعلان نہین کرتے۔ مثلاً ؎

عباس سے یہ کہنے لگے شاہ دو جہان	تم جا کے اس عرب کو بلا لاؤ بھائی جان

اس اعتراض کا بھی یہی جواب ہے

۳- جہان نون کا اعلان جایز نہین، وہان اعلان کرتے ہین، مثلاً ؎

لپٹون گلے سے مین پدر ناتوان کے	سینے سے تو سرک تو مرے باباجان کے

اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ شعر میر صاحب کا ہے ہی نہین، الحاقی ہے۔ لیکن میر صاحب کے ہان کثرت سے اس کی مثالین پائی جاتی ہین، اس لئے یا تو میر صاحب کی غلطی تسلیم کرنی چاہیے یا یہ کہنا چاہیئے کہ یہ بھی میر صاحب کی توسیعات شعری مین داخل ہے ؎

۴ گویا کہ تھا شبیہ الم سبز نشان	ڈوبا تھا خون سے پنجۂ پرنور اور نشان

اس شعر مین سبز کا قافیہ اور ہے اور یہ بالکل غلط ہے۔ اسکا جواب یہ دیا ہے کہ مصرع ثانی اصل مین یون ہے۔ "ڈوبا تھا خون مین پنجۂ پر نور زر نشان"۔

۵- اکثر جگہ شایگان قافیے ہین، چنانچہ نساخ نے بہت سے اس قسم کے شعر نقل کیے ہین، مجیب نے، ان تمام شعرون سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ یون نہین بلکہ یون ہین، مثلاً اس بند مین ؎

ناگاہ بڑھی فوج، ہوا جنگ کا سامان	اور گھٹنے لگی طاقت جسم شہ مردان
شہزادے پہ جب پڑنے لگا تیرون کا باران	تلوار علم کرکے کہا یا شہ مردان

شہ مردان مکرر آیا ہے، مجیب صاحب کہتے ہین کہ دوسرے مصرع مین شہ مردان کے بجاے شہ ذی شان تھا۔ غلط نویسون نے ذی شان کا شہ مردان بنا دیا، لیکن اس قسم کی تاویلات پر اعتبار کرنا مشکل ہے، اور اگر اسکو وسعت دی جاے تو جہان جس لفظ پر اعتراض ہو نہایت آسانی سے دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ یون نہین، یون تھا۔ اس شعر مین تو سرے سے اعتراض ہی غلط ہے کیونکہ شہ مردان سے ایک جگہ امام حسینؑ، اور دوسری جگہ حضرت علیؑ مراد ہین، اس لئے قافیہ مکرر نہین لیکن

جہان واقعی قافیہ شایگان ہے وہان بھی تاویل کی ضرورت نہین، جو اساتذہ کثیر الکلام ہین اور جنکو سیکڑون

قسم کے مضامین ادا کرنے پڑتے ہین، وہ اس قسم کی قیدون کی پابندی نہین کرتے -

۶ - اکثر جگہ حروف تقطیع مین گر جاتے ہین - مثلاً

ع رانڈ ہوتی ہے اک رات کی بیاہی ہوئی دختر،

ع یہ کہہ کے بس عورات نے عریان کئے سر،

ع باہین جو گلے مین تھین تو بند دیدۂ خونبار،

ان اعتراضات کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ سب کاتبون کی غلطی ہے، پہلا مصرع یون ہے

ع بیوہ ہوئی اک رات کی بیاہی ہوئی دختر، اسیطرح اور مصرعون کو بدلا ہے --

حرفون کا تقطیع مین گرانا، اگرچہ واقعی ناگوار معلوم ہوتا ہی لیکن اساتذہ کے ہان کثرت سے اس کی

مثالین پائی جاتی ہین ؎

عرفی شیرازی	مرا پند خرومندان بحال خود نمے آرد		باین افسانہا مجنون عشق عاقل نمیگردد	
عاقل		تاتوانی تختہ بند یک مقام عاقل مباش		
علی	اے رگ جان بہار این ہمہ بیرحمی چیست		خاک از مقدم تو خون شدن عادت دارد	
غنی	تن گل عارض گل، بدن گل چہرہ گل رخسار گل،			
	بدہ ساقی آن آب یاقوت را		کہ سازم علاج عقل فرتوت را	

ان کے سوا اور بہت سی مثالین ہین، جنکو تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کیا گیا -

۷ - ناگاہ بجا فوج عدو مین طبل جنگ -

ہو مغفرت خلیق کی یارب بہ ذوالکرام -

طبل متحرک الاوسط صحیح نہین، اور ذوالکرام مہمل لفظ ہے مجیب صاحب کہتے ہین کہ اصل مین

طبل کے بجائے ڈہل، اور ذوالکرام کے بجائے یاخالق الانام ہے۔

۸۔ تھا نہ زیر زرہ گاؤ سپر اسطرح کا بکتر،

اعتراض بکتر گاؤ سر نہین ہوتا۔

جواب۔ اصل مین یون تھا ع پہنے ہوے زیر زرہ اسطرح کا بکتر۔

۹۔ اُترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا عالی، "کونین کا عالی" غلط ہے۔

جواب۔ اصل مین عالی کے بجائے والی ہے۔

۱۰۔ رنگ رخ کفار عرب ہوگیا فق سے ۔۔ رنگ فق سے ہوگیا محاورہ نہین،

اسکا جواب یہ دیا ہے کہ میر انیس جو کچھ کہہ دین وہی محاورہ ہے۔

۱۱۔ شرمندہ زمانہ سے گئے وایل و سحبان، ۔۔ وایل کوئی فصیح نہین گذرا۔

جواب۔ اصل یون ہے۔ وعیل و سحبان۔

ان اعتراضات کے علاوہ، نسّاخ نے اور بھی بہت سے اعتراض کئے ہین لیکن چونکہ وہ صحیح نہ تھے قلم انداز کیے گئے، نسّاخ نے بہت سے صحیح اعتراضات چھوڑ بھی دیے، اُن کی تفصیل ذیل مین ہے۔

بت توڑ کے کعبہ کو صفا کر دیا کس نے،	"صاف کر دیا" چاہیے۔
برخاست کی چراغون کو پروانگی ہوئی،	پروانگی غلط ہے۔
جو حرف قُرآن کا ہے وہ ہے لائق تعظیم	قرآن بروزن فُعلان ہے۔
ایسا بھی کوئی بیکس و بے آس نہ ہوگا	بے آس کا عطف بیکس پر جایز نہین،
کرتے تھے طیوران ہوا کھولے ہوئے پر	طیور۔ خود جمع ہے، اسکی جمع الجمع نہ صحیح ہے نہ مستعمل
جو خوبیان کہ چاہین وہ سب حصول ہین	حصول کے بجائے حاصل چاہیے۔
کمتی نہین پانی کی سلامت رہین عباسؑ	کمتی انفار اور اراذل کی زبان ہے۔

واللہ اُس سے زور عیان لاتعد ہوا
قتل اسکے ہات سے عمر عبدود ہوا

عبدود، لاتعد کا قافیہ نہین ہوسکتا۔

کرار ہے وہ شخص نہ غیر فرار ہے	فرار بہ تشدید را چاہیئے۔
عالم کی تعزیری بہ بحالی کی ہے آمد،	تعزیری۔ صحیح نہین۔
مت روکنا ہے خاطر مہمان واجبات	واجبات سے، یا واجب چاہیئے۔
اس مژدہ کو سنتے ہی خوشی ہوگئی شیرین	خوش چاہیئے۔

اِس قسم کی اور بہت سی غلطیان ہین، اور غلط نویسی کا عذر ہر جگہ کام نہین آسکتا حقیقت یہ ہے کہ **میر انیس** کے کلام مین اس قسم کی غلطیان ضرور موجود ہین لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جس قدر قادر الکلام اور پُرگو شعرا گذرے ہین سب کی یہی حالت ہے **فردوسی** سے بڑھکر کون قادر الکلام ہوگا، متاخرین مین قاآنی کا جواب نہین، ان دونون کے کلام مین اس قسم کی بے اعتدالیان نہایت کثرت سے موجود ہین۔ لوگ، اُن شعرا کو نمونہ بناتے ہین جنکی شاعری کا دایرہ چند مخصوص خیالات تک محدود ہے۔ لیکن جو شخص سیکڑون قسم کے مختلف واقعات کو شعر مین ادا کرنا چاہتا ہے ان مسامحات سے کیونکر بچ سکتا ہے۔ اس لئے قادر الکلام شعرا کو اس جرم سے بری رکھنا چاہیئے۔

لفظی غلطیون کے سوا معنوی حیثیت سے بھی بہت سی باتین قابل اعتراض ہین جنکی تفصیل حسب ذیل ہے،

۱۔ اکثر جگہ مصرعون مین باہم ربط نہین ہوتا اور صاف نظر آتا ہے کہ دوسرا مصرعہ بیشتہ نکل آیا تھا، اسکے لئے زبردستی قافیہ اور ردیف کی رعایت سے اوپر کا مصرعہ پیوند کیا ہے مثلاً

آنکھ کی تعریف

سر کہین ہوسے ہین سنجی سے دنی کہین
سمجھو نہ دور آنکھ ملانے کی دیر ہے

بوڑی کہین تھی ڈانڈ کہین تھی انی کہین
پتلی ہے چشم مین کہ ترازی مین تیر ہے

تلوار کی تعریف

بے مثل تھی شرف مین اصالت مین نیک تھی
ملجا تھین دو زبانین جو اس کو تو ایک تھی

خواہان تھی زیب گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

ہاے تھے دو ملے ہوے گھوڑون کی گت سے
خاک آسمان پہ جاتی تھی اُڑ اُڑ کے دشت سے

بڑھاتے مین شکست ظفر نیک ہات مین
ہات اُڑ کے جا پڑا کسی ہات ایک ہات مین

اس قسم کے اور سیکڑون اشعار ہین -

(۳) اکثر جگہ لفظی رعایت کی پابندی کی وجہ سے کلام اوچھا اور بے اثر ہو جاتا ہے مثلاً حضرت امام حسین علیہ السلام کا تمہیدی فقرہ سُن کر تمام لشکر مین جب سناٹا چھا گیا ہے تو اس موقع پر لکھتے ہین ؎

یہ صدا سنتے ہی خود رک گیا قرنا کا خروش
تھم گیا طبل وغا کی بھی وہ آواز کا جوش

ہو گیا جوڑ کے ہاتون کو جلاجل خاموش
کیا بجاتے کہ بجاتے تھے نہ کسی شخص کے ہوش

چھیڑنا اُن کو سرودون کا بھی ناساز ہوا
رُعب فرزند نبی سرمۂ آواز ہوا

پہلے تین مصرعون مین رعب اور ہیبت کا جو اثر پیدا ہوا تھا، "سرمۂ آواز" "ناساز" کی ضلع جگت نے اسکو بالکل زائل کر دیا،

یا مثلاً اس دعا مین ؎

اس باغ مین چشمے ہین ترے فیض کے جاری
بلبل کی زبان پر ہے تری شکر گذاری

ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری
پھل ہمکو بھی مل جاے ریاضت کا ہماری

نخل، برومند، باری، پھل، ریاضت، کا التزام یہ اثر پیدا کرتا ہے کہ دعا مانگنے والے کا دل خضوع خشوع سے زیادہ لفظی رعایتون مین لگا ہوا ہے،

یا مثلاً ان اشعار مین نہایت مبتذل طریقہ سے لفظی رعایت کو صرف کیا ہے،

ع بوسے نہنگ، خوب نہین یہ اگر مگر

ع سایہ کنونین مین اُترا تھا پانی کی چاہ سے،

ع اب ہات دستیاب نہ تھے مُنہ چھپانے کو-

ع آری جو ہوگئی تھین وہ سب ذوالفقار سے-

ابن سعد حُر سے کہتا ہے

کونسا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے — کہین کوثر کے تو چھینٹون مین نہین آیا ہے

شجرِ قامت سرور پہ جو ڈالے گا نظر — سرخرو ہے گا ترا برچھی پہ یہ ہے اکثر

الفت زلف سے بھی پیچ مین پڑ جائے گا
خال رخ دیکھا تو تو خال پیسے لگ جائیگا

بدر پیشانی سرور کا جو ہے سر مین خیال — تو اسی ماہ مین نقصان ترا ہوئیگا کمال

سب مین ہو جائیگا انگشت نما شکل ہلال — تیر و شمشیر ہے ابرو کی محبت کا وبال

عشق رخسار مین رتبہ ترا گھٹ جائے گا
مُنہ پہ کہتا ہون کہ چہرہ تیرا کٹ جائیگا

پانون یہ وہ ہین کہ ان پانون کو جو ہات لگا لے — تو سر دست سرفرازی کونین کو پائے

اس قسم کی تکلف کی ہزارون مثالین ہین-

ان تکلفات کی وجہ سے اکثر جگہ بلاغت کا سررشتہ بالکل ہات سے جاتا رہتا ہے مثلاً صغرؔیٰ کو جب حضرت امام حسین علیہ السلام، سفر مین ساتھ نہین لے جانا چاہتے تھے اور اُن کی بیماری کا عذر کرتے ہین تو وہ کہتی ہین، کہ کیا گھر پہ تنہا رہنے اور رونے پیٹنے سے مین اچھی ہو جاؤن گی اس موقعہ پر لکھتے ہین

ع غم کھانے سے آجائیگی قوت مرے تن مین؟

ان تمام اعتراضات کا صرف یہ جواب ہے کہ لفظی رعایت کی پابندی کے سوا جو لکھنؤ کی خمیر بنگیا

تھا، باقی عیوب، لازمۂ انسانی ہین، اور کسی بشر کا کلام اِن سے پاک نہین ہو سکتا،

سرقات

اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ میر انیس (اور مرزا دبیر) کے بہت سے اشعار پر سرقہ کا گمان ہو سکتا ہے کیونکہ وہی مضامین بعینہٖ یا بہ خفیف تغیر قدیم اساتذہ کے ہان پائے جاتے ہین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان سب پر سرقہ کا اطلاق نہین ہو سکتا اساتذہ کا قاعدہ ہے جب وہ دیکھتے ہین کہ ایک مضمون کسی متقدم شاعر نے باندھا لیکن اچھی طرح نہ بندھ سکا یا اس پر ترقی ممکن ہے تو وہ دانستہ اسی مضمون کو لیکر اسطرح ادا کرتے ہین کہ جو کسر تھی نکل جاتی ہے، اور شعر بلند رتبہ ہو جاتا ہے، فردوسی نے خیمہ کی تعریف لکھی تھی ؎

یکے خیمہ داشت افراسیاب	ز مشرق بہ مغرب کشیدہ طناب

نظامی نے دیکھا کہ مبالغہ اچھا ہے لیکن کوئی ثبوت نہین، انھون نے ایک تشبیہ پیدا کر کے ثبوت دیدیا ؎

یکے خیمہ داشت چون آفتاب	ز مشرق بہ مغرب کشیدہ طناب

آفتاب کی تشبیہ نے مشرق سے مغرب تک طنابون کا کھنچا ہونا ثابت کر دیا کیونکہ آفتاب خیمہ سے اور اسکی کرنین طناب سے مشابہ ہین،

سعدی کا شعر تھا ؎

ترا ہر آئینہ باید بہ شہر دیگر رفت	کہ دل نماند درین شہر تا ربائی باز

شہر کے شہر کا دل چھین لینا معشوق کا کمال ہے لیکن معشوق کو یہ صلاح دینی کہ وہ کسی اور شہر کو چلا جائے لغویات ہے۔ اس لئے امیر خسرو نے اسکا چارہ کار یہ بتایا ؎

کسی نہ ماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی + — مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

سلمان ساوجی کا شعر تھا ؎

شاہد آن نیست کہ دارد خط سبز و لب لعل — شاہد آن است کہ این دارد و آنے دارد

خواجہ حافظ نے اسکو مطلع کر کے بلند کر دیا ؎

شاہد آن نیست کہ موئے و میانے دارد — بندۂ طلعت آن باش کہ آنے دارد

سلمان کے شعر میں این و آن کا جو لطف تھا، وہ اچھی طرح ادا نہ ہو سکا تھا کیونکہ آن میں نون بہ اعلان ہے اسلئے آن (جو این کا مقابل ہے) کا ایہام نہین ہوتا - خواجہ حافظ نے اس نقص کو یون پورا کیا ؎

این کہ می گویند آن بہتر ز حسن — یار ما این دارد و آن نیز ہم

صاف نظر آتا ہے کہ ان لوگون نے دیکھا کہ ایک عمدہ بات پیدا ہوئی تھی لیکن ناقص رہ گئی ایک چیز کو ناقص چھوڑ دینا اچھا نہ تھا، اسکو پورا کر دیا، اگر اسکا نام سرقہ ہے اور یہ معیوب ہے تو دنیا مین ہر قسم کی صنعتین جو ایجاد ہوئین وہ اُسی پہلی حالت پر قایم رہنی چاہئے تھین چھکڑے کے بجائے فٹن اور بروم طیار کرنا بھی سرقہ قرار پاتا -

میر انیس صاحب کے ہان جو سرقے پائے جاتے ہین اکثر اسی قسم کے ہین -

مثلاً حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب یزید کی فوج کے سامنے اتمام حجت کے طور پر جناب رسالتپناہ سے اپنا تعلق ثابت کیا ہے تو یہ بھی بیان کیا ہے کہ اسوقت میرے بدن پر جو اسلحہ اور ملبوسات ہین وہ آنحضرت صلعم کے ملبوسات ہین - اس مضمون کو میر ضمیر نے اس طرح ادا کیا تھا ؎

پہچانتے ہو کس کی ہے یہ سر پہ [illegible] دستار — دیکھو تو عمامہ کس کا ہے یہ نمودار
یہ کس کی زرہ - کس کی سپر کس کی ہے تلوار — مین جس پہ سوار آیا ہون کسکا ہے یہ رہوار

باندھا ہے کمر مین جسے یہ کسکی ردا ہے
کیا فاطمہ زہرا نے نہین اس کو سیا ہے؟

یہ واقعہ مرثیہ کا ایک ضروری جزو تھا اس لئے میر انیس صاحب اسکو بالکل چھوڑ نہین سکتے تھے لیکن دیکھو، اسی بات کو کیونکر ادا کیا ہے

یہ قبا کس کی ہے بتلاؤ یہ کسکی دستار	یہ زرہ کس کی ہے پہنے ہون جو مین سینۂ فگار
بر مین کس کا ہے یہ چار آئینہ جوہر دار	کس کا رہوار یہ ہے آج مین جسپر ہون سوار

کس کا یہ خود ہے یہ تیغ دو سر کسکی ہے
کس جری کی یہ کمان ہے یہ سپر کسکی ہے

میر ضمیر	جب تک کہ ذو الفقار نے کاٹے نہ تن پر	ہرگز نہ دم لیا پر روح الامین پر
میر انیس	خیبر مین کیا گذر گئی روح الامین پر	کاٹے ہین کس کی تیغ دو پیکر نے تن پر
میر ضمیر	اس نیزہ سیاہ سے تھا سب کو بیم جان	تھا اژدہا سے موسی عمران کی زبان
میر انیس	ع گویا زبان نکالے ہوئے اژدہا چلا۔	
میر ضمیر	اک نیزہ ہوا پار وہ سو سو کے جگر سے	رشتہ کا گذر ہوتا ہے جون سلک گہر سے
میر انیس	ہوتا تھا پار آکے وہ ہنگام دار و گیر	سو دل سے مثل رشتۂ تسبیح ایک تیر
میر ضمیر	کونین مین پکار ہوئی الامان کی	انسان تو کیا جنون کو پڑی اپنی جان کی
میر انیس	ع چلاتی تھین پریان کہ خدا جان بچائے۔	

لیکن بعض اشعار ایسے بھی ہین جن مین کسی قسم کی ترقی نہین ہے بلکہ کسی فارسی شعر کو بعینہ لے لیا ہے، اس قسم کے مضامین کو حسن ظن ہو تو توارد، ورنہ سرقہ کہنا چاہیے۔ چند مثالین نمونہ کے طور پر ذیل مین لکھی جاتی ہین

شاعر	مصرع		مصرع
میر انیس	پیچھے کبھی قافلہ سے رہتا نہ انیس		اے عمر دراز تیری کوتاہی ہے
لاحد			کوتاہیئے کہ بود ز عمر دراز بود
میر انیس	عقدے سب حل ہوئے مگر آہ انیس		یہ بند اجل کسی سے کھولا نہ گیا
بو علی سینا	کردم ہمہ مشکلات عالم را حل		ہر بند کشودہ شد مگر بند اجل
میر انیس	نافہ کی طرح عمر خطا مین گذری		بالون پہ سفیدی ہے سیاہی دل مین
کاتبی	بودیم ہمچو نافہ ہمہ عمر در خطا		موے سفید مین، و درون سیاہ ما
میر انیس	ہر سمت تھی سنان پہ سنان مثل خار زار		ہر صف مین تھی سپر پہ سپر مثل لالہ زار
نظامی	سنان بر سنان رستہ چون نوک خار		سپر بر سپر بستہ چون لالہ زار
میر انیس	خود پیام زندگی لائی قضا میرے لئے		شمع کشتہ ہون فنا مین ہے بقا میرے لئے
لاحد	چو ملی نفی اثبات است از مردن نمی ترسم		بقاے من چو شمع کشتہ باشد در فناے من

میر انیس اور مرزا دبیر کا موازنہ

اُردو علم ادب کی جو تاریخ لکھی جائیگی، اس کا سب سے عجیب تر واقعہ یہ ہوگا کہ مرزا دبیر کو ملک نے میر انیس کا مقابل بنایا، اور اس کا فیصلہ نہ ہوسکا کہ اِن دونون حریفون مین ترجیح کا تاج کس کے سر پہ رکھا جائے،

شاعری کس چیز کا نام ہے؟ کسی چیز کا، کسی واقعہ کا، کسی حالت کا، کسی کیفیت کا، اس طرح بیان کیا جائے کہ اسکی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جائے،

دریا کی روانی، جنگل کی ویرانی، باغ کی شادابی، سبزہ کی لہک، پھولون کی مہک، خوشبو کی لپٹ، نسیم کے جھونکے، دہوپ کی سختی، گرمی کی طپش، جاڑون کی ٹھنڈ، صبح کی شگفتگی، شام کی دلآویزی یا

رنج وغم، غیظ وغضب، جوش ومحبت، افسوس وحسرت، عیش وطرب، استعجاب وحیرت، ان چیزون کا اسطرح بیان کرناکہ وہی کیفیت دلون پرچھا جائے اسی کا نام شاعری ہے۔

اسکے ساتھ الفاظ مین فصاحت، سلاست، روانی، بندش مین چستی اور چستی کے ساتھ بے تکلفی دلاویزی اور بے ہستگی، لطیف اور نازک تشبیہات اور استعارات، اصول بلاغت کے مراعات ان تمام اوصاف مین سے کون سی چیز مرزا دبیر مین پائی جاتی ہے۔ فصاحت، ان کے کلام کو چھو بھی نہین گئی، بندش مین تعقید اور اغلاق، تشبیہات اور استعارات، اکثر دور از کار، بلاغت نام کو نہین، کسی چیز یا کسی کیفیت یا حالت، کی تصویر کھینچنے سے وہ بالکل عاجز ہین، خیال آفرینی اور مضمون بندی البتہ ہی لیکن اکثر جگہ اسکو سنبھال نہین سکتے،

ہماری یہ غرض نہین کہ ان کے کلام مین سرے سے یہ باتین پائی ہی نہین جاتین وہ نہایت پرگو تھے ان کے اشعار کا شمار ہزارون کیا لاکھون تک ہے، اخیر اخیر مین وہ میر انیس کی تقلید بھی کرنے لگے تھے اس بنا پر ان کے کلام مین جا بجا شاعری کے لوازم اور خاصے پائے جاتے ہین، لیکن گفتگو قلت اور کثرت مین ہے، میر انیس کے بہت سے اشعار مین فصاحت و بلاغت کا حصہ بہت کم ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دونون مین سے نسبتہً کس کا کلام، شاعری کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ میر انیس کا عیب وہنر تم دیکھ چکے، اب مرزا صاحب کے متعلق ہم ایک ایک چیز پر تفصیل لکھتے ہین۔

فصاحت ۔ یہ امر بدیہی ہے کہ مرزا دبیر کے کلام مین وہ فصاحت، اور شستگی نہین جو میر انیس کے کلام مین ہے، اور اس کے مختلف اسباب ہین،۔

(۱) مرزا صاحب اکثر ثقیل اور غریب الفاظ استعمال کرتے ہین مثلاً

ع مستدعیِ شق القمر اکر ہوئے گمراہ۔

ع ھسر کوہ کی آواز انا الطور انا الطور۔

ع الفشر کا ہنگامہ ہے اس وقت حشر مین۔

لبیک و سعدیک تھا وردِ ملک دہو۔

المنتہی الیہ ربط یہ ضبط اس وغا مین تھے۔

خاص الخلاصۂ بنی آدم، کمال مین۔

یارو اُسنا مدایح نوشاہ کا بیان

رُخ بیّنۂ صدقِ کراماتِ پیمبر

مستجمع جمیعِ فضایل، ملک سیر

مُستغرقِ روح اُسنے کیا تب غسل و شیر

لیکر رُطب دلو دِ دوم کہنے لگے شاہ

میدانی و نقیب و عصا دار و چوبدار

عرشی فلکی رتبہ کے نقیبانہ پکارے

اس قسم کے سیکڑون الفاظ ہین، ہم نے صرف دو تین مرثیون سے سرسری انتخاب کیا ہے، ورنہ سیکڑون ہزارون تک نوبت پہونچتی، یہ الفاظ اگرچہ صحیح ہین، عربی اور فارسی مین مستعمل ہین، لیکن اُردو نظم کی سلاست اور روانی انکی متحمل نہین ہوسکتی۔

(۲) بعض الفاظ بجاے خود ایسے ثقیل اور گران نہین لیکن مرزا صاحب جن ترکیبون کے ساتھ ان کو استعمال کرتے ہین، ان سے نہایت ثقل اور بعد اپن پیدا ہوجاتا ہے، یہ امر ان مثالون مین صاف واضح ہوجاتا ہے جہان ایک ہی لفظ یا الفاظ کو میر و میرزا دونون نے استعمال کیا ہے۔

ھل اتیٰ۔ انّما۔ قل کفیٰ۔ یہ چارون لفظ حضرت علیؑ کے فضایل کی تلمیحات (الیوژن) ہین ان تلمیحات کو ایک ایک بند مین دونون نے باندھا ہے، مرزا صاحب فرماتے ہین ؎

اہل عطا مین تاج سر ہل اتی ہین یہ — اغیار لاف زن ہین، شہ لافتا ہین یہ
خورشید انور فلک اِنّما ہین یہ — کافی ہے یہ شرف کہ شہ قل کفی ہین یہ

ممتاز گو خلیل رسولان دین مین ہین
کاشف ہے لو کشف یہ زیادہ یقین مین ہین

میر انیس کہتے ہین ؎

حق نے کیا عطا پہ عطا ہل اتی کے — حاصل ہوا ہے مرتبہ لافتا کے
کونین مین ملا شرف انّما کے — کہتی ہے خلق، بادشہ قل کفا کے

دنیا مین کون منتظم کائنات ہے
کس کو کہا خدا نے کہ یہ میرا ہات ہے

مرزا صاحب کے کلام مین اس قسم کی ناموزونی نہایت کثرت سے ہے، ہم صرف چند مثالون پر اکتفا کرتے ہین ؎

ع اک شخص کمر شہ کی لگا باندہنے خورسند
ع اک دلو بھرا پانی سے اور ایک طبق لو
ع نوبت زنِ شہ بام عروج فلک پیر
ع ملبوس قلمکار نہ دون ہے نہ پرانا ؎

سر کو عوض پارۂ مدحت مین دہرون گا — شرح کہن ناطقہ منسوخ کرون گا

ع یہ صورت پیغمبر قوسین مکان ہے ؎

ہے طاعت جلد و نفس سینہ محسوس — وہ برق شفق مین تو یہ پروانہ بہ فانوس
ناگاہ کہلا دشت مین بازار زدہ کشت — تیغین کھچین یکدست تلے گرز بھی تیست

ع نہ چشم جراحت نہ رہ فوت کو دیکھا

کہتے ہین جسے عاشق شیدا ملک و ناس

خیاط عہد طفلی شاہ انام تھے

اسکی ثنا مشقت بالایطاق ہے

نانا نے تو قلم کیئے جبریلؑ کے سر پر ~

کفار بڑھے طیش سے ہونٹون کو دبا کے	دانتون کے تلے بال محاسن کے دبا کے

آمد ہے امام سوم ہر دوسرا کی ~

اس سر پہ دہرے ہات پہ قسمیہ اجل ہے	بس ہدیۂ اللہ کے قابل ہی پھل ہے

بندش کی سستی اور ناہمواری میر انیس اور مرزا دبیر مین اصلی جو چیز مابہ الامتیاز ہے وہ الفاظ کی ترکیب، نشست اور بندش، کا فرق ہے، میر انیس کا کلام تم پڑہ چکے ہو، ان کا اصلی جوہر بندش کی چستی - ترکیب کی دلآویزی - الفاظ کا تناسب، اور برجستگی و سلاست ہے، یہ چیزین مرزا صاحب کے ہان بہت کم ہین، ایک ہی مصرع مین ایک لفظ نہایت بلند اور شاندار ہے دوسرا مبتذل اور پست ہے، بند کا ایک شعر اس زور شور کا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ بادل گرجتا آرہا ہے، دوسرا بالکل پھیکا اور کم وزن ہے، دو تین بند صاف اور سلیس نکل جاتے ہین پھر تعقید اور بے ربطی شروع ہوتی ہے، اکثر جگہ، الفاظ بڑے دہوم دہام کے ہین لیکن حاصل کچھہ نہین، یہ باتین اگرچہ عام طور پر اُن کے تمام مرثیون مین پائی جاتی ہین لیکن نمونہ کے طور پر ہم چند بند اُن مرثیون کے نقل کرتے ہین جو بڑے زور کے مرثیے خیال کئے جاتے ہین اور جن مین بعض میر انیس کے جواب مین لکھے گئے ہین ~

اے دبدبۂ نظم دو عالم کو ہلا دے	اے طنطنۂ طبع جزو کل کو ملا دے

اے معجزۂ فکر فصاحت کو جلا دے — اے زمزمۂ نطق بلاغت کا صلہ دے

اے بائے بیان معنی تسخیر کو حل کر
اے سین سخن، قاف سے تا قاف عمل کر

یہ مرثیہ میر انیس کے جواب میں ہے، کس زور شور کی اٹھان ہے، کیسے پُر رعب الفاظ ہیں لیکن معانی میں بہت کم ربط ہے، طنطنہ کو جزو کل کے ملا دینے سے کیا نسبت ہے؟۔ زمزمۂ نطق سے بلاغت کا صلہ مانگنے کے کیا معنی؟ بیان کی بے کو تسخیر سے کیا خاص تعلق ہے؟ اسی طرح سخن کے سین کو قاف سے قاف تک عمل کرنے کے لئے کیا خصوصیت ہے؟

بولا قلم خامہ فلک پر میں گڑوں گا — سکہ نے ندا دی زر انجم پہ پڑوں گا
معنی نے کہا بیت میں آئینہ جڑوں گا — مضمون پکارا میں کسی سے نہ لڑوں گا

بندش یہ کھلی دم میں فصاحت کا بھروں گی
چلائی طبیعت کہ میں اصلاح کروں گی

پہلے دو مصرعے کس قدر دھوم دھام کے ہیں، تیسرے میں تنزل شروع ہوا، چوتھا بالکل گر گیا کیونکہ اوپر کے مصرعوں کی مناسبت کے لحاظ سے موقع یہ تھا کہ اس میں بھی کوئی ایجابی دعویٰ کیا جاتا۔ مضمون کا نہ لڑنا اگرچہ معنیً تعریف کی بات ہے، لیکن یہاں لڑائی سے گریز کرنے کا موقع نہیں، اخیر کا شعر اور خصوصاً اسکا دوسرا مصرع کس قدر پھس پھسا اور مبتذل ہے طبیعت کے چلّانے کا یہ کیا موقع ہے اور طبیعت کے لئے چلانا کتنا ناموزون لفظ ہے

میں کون ہوں صاحب علم کلک جہانگیر — نوبت زن نہ بام عروج فلک پیر
تاج سر لفظ و سخن و معنی و تحریر — خاک قدم محتشم و مقبل شبیر

سُن کر نہ کرے ہاں تو شکایت بھی نہیں ہے

انصاف تو کہتا ہے خداوند یون ہی ہے

پہلے تین مصرعون کا جو انداز ہے، چوتھا مصرع اس سے کسقدر بیگانہ ہے، ع

مضمون مین نئی کرتا ہون ایجاد ہمیشہ
کہنے مین ہے تاثیر خداداد ہمیشہ
کہتا ہے سخن حضرت استاد ہمیشہ
بھولے سے بتا دون تو ہے یاد ہمیشہ

بے لطف خدا یہ ہمہ دانی نہین آتی
پر شمع صفت چرب زبانی نہین آتی

جو چیز خداداد ہے اُسکے لئے ہمیشہ کی قید حشو محض ہے، چوتھا مصرع، تیسرے مصرع سے بالکل بے تعلق ہے، استادی کا ذکر دوسرے مصرع مین ہے، اور اُس کے ساتھ اس مصرع کو ربط ہو سکتا ہے، ٹیپ کے دو مصرع بھی باہم بالکل بے تعلق ہین۔

تین چار بند کے بعد فرماتے ہین ع

مضمون تر و تازہ ہے چستی مین یگانا
اس دھیان کے آنے سے کرم شاہ کا جانا
ملبوس قلم کا نہ دون ہے نیا زانا
خدام ولا بولے کہ ان ہاتھ بڑھانا

لے ہدیۂ تائید قدیر ازلی سے
لے خلعت تحسین حسین ابن علی سے

پہلے اور دوسرے شعر کی ترکیب اور انداز مین باہم کسقدر تفاوت ہے، دوسرا شعر پہلے شعر سے بالکل الگ ہو گیا ہے، دوسرے شعر کی بندش ایسی ہے کہ مطلب بھی آسانی سے سمجھ مین نہین آتا۔

اس دھیان کا مشار الیہ کون ہے ع

حامی جو سلیمان دو عالم نظر آئے
طاؤس تصور کی طرح دل مین در آئے
مضمون جو عنقا تھے وہ پر جوڑ کر آئے
شیشہ مین پری زاد معانی اُتر آئے

یاقوت بدخشان سے، دُر آتے ہین عدن سے
لعل اُگلون گا مین طائر سدرہ کے دہن سے

حضرت سلیمان کو عنقا سے کیا تعلق ہے، تصور کی تشبیہ طاؤس سے کس بنا پر ہے؟ اور پھر اس کے کیا معنی کہ عنقا سے مضمون دل مین اسطرح اُترا سے جسطرح طاؤسِ تصور دل مین اُترآتا ہے، طاؤس دل مین نہین اُترتا، اور اگر تصور کے طاؤس ہونے کی بنا پر ہے تو مضمون کا عنقا خود دل مین اُتر سکتا ہے طاؤس کی مشابہت کی کیا ضرورت ہے، ٹیپ مین عجب بے ربطی ہے شاعر لعل اُگلے گا لیکن طائر سدرہ کے دہن سے اُگلے گا اسکے کیا معنی؟ شاید اُگلنے کو اُگلوانے کے معنی مین لیا ہے، یا اپنے آپ کو طائر سدرہ قرار دیا ہے ٥

کب شعلۂ خس نور کی قندیل کو پہونچے
پشہ کا نہ غل صور سرافیل کو پہونچے

اُڑ کر نہ مگس طنطنۂ فیل کو پہونچے
بلبل نہ لب ولہجہ جبریل کو پہونچے

ارباب سخن پر جو سخن ور ہے ہمارا
القاب سخن سنج سخن ور ہے ہمارا

کسقدر بھدّے الفاظ اور بھدّی ترکیبین ہین۔ اسکے علاوہ بے ربطی کو دیکھو، شعلہ کا مقابلہ قندیل سے نہین بلکہ قندیل کی روشنی سے ہوسکتا ہے، پرواز کو طنطنہ سے کیا نسبت ہے؟ بلبل کو جبریل سے کیا مناسبت ہے، لقب کے بجائے القاب باندھا ہے ٥

سرکار ہے ہر مجلس شبّیر ہماری
آئینہ سکندر پہ ہے تسخیر ہماری

مضمون کی طرح بیت ہے جاگیر ہماری
ہے مہر سلیمان کی تحریر ہماری

تنہا مہ و ماہی پہ نہین سکّہ پڑا ہے
سورج کا نگینہ بھی انگوٹھی پہ جڑا ہے

بیت کا درجہ مضمون سے کم ہے، کیونکہ بیت کی جو خوبی ہے مضمون ہی کی وجہ سے ہے اس بنا پر یہ تشبیہ کہ مضمون کی طرح بیت ہماری جاگیر ہے، بے معنی ہے، جب مضمون جاگیر ہو چکا تو بیت خود ہی جاگیر ہو گئی، ٹیپ کا اخیر مصرع بالکل بے معنی ہے، پہلے انگوٹھی سے کسی چیز کا استعارہ کرنا تھا، پھر سورج کا نگینہ جڑتا تھا ورنہ ظاہر ہے کہ ہات مین پہننے کی انگوٹھی پر سورج کا نگینہ جڑنا کس قدر لغویات ہے ۵

قابل مین سخن کے ہون سخن ہے مرے قابل
رضوان کو جنت یہ چمن ہے مرے قابل

لیکن سخن شہرہ فگن ہے مرے قابل
موتی کو صدف اور یہ عدن ہے مرے قابل

شہرہ ہے یہ تائیدِ شہِ جن و ملک سے
مضمون مرا گھر پوچھتے آتے ہین فلک سے

سخنِ شہرہ فگن نئی ترکیب ہے، ع رضوان کو جنت، یہ چمن ہے مرے قابل، ناموزون ترکیب ہے، یا تو یون ہونا چاہیے تھا کہ رضوان کو جنت چاہیے، اور مجھکو یہ چمن، یا یون کہنا تھا کہ رضوان کے قابل جنت ہے، اور میرے قابل یہ چمن، چوتھے مصرع کی ترکیب کا بھی یہی حال ہے، ٹیپ کے دونون مصرع قریباً باہم متناقض ہین، شہرہ بھی انتہا کا ہے اور مضمون کو گھر پوچھنے کی بھی ضرورت ہے، شاید یہ مراد ہو کہ صرف نام مشہور ہو چکا ہے لیکن چونکہ مضامین کو کبھی مرزا صاحب سے روشناسی نہین ہوئی، اور آستانۂ مبارک تک پہونچنے کی نوبت نہین آئی، اس لئے گھر کا پتہ پوچھنا پڑا ۵

ہین وقف ہمیشہ میرے الفاظ و معانی
ہر بحر مین ہے بحرِ طبیعت کی روانی

ہان قلزمِ شیرین کا سبھی پیتے ہین پانی
ہے زورِ سخن شور یہ موجون کی زبانی

قطرہ سے مگر بحث مین مین صرف نہین ہون
دریا ہون سخن کا مین تنک ظرف نہین ہون

تیسرے مصرع کا مطلب مشکل سے سمجھ مین آسکتا ہے، مقصد یہ ہے کہ زور سخن شور پر ہے لیکن اس بات کو مین نہین کہتا بلکہ موج کی زبان کہتی ہے، بحث مین صرف ہونا، کونسا محاورہ ہے، ٹیپ کے دوسرے مصرع مین "مین" کا لفظ محض فضول ہے، پہلے مصرع مین "مین" کا لفظ آچکا ہے

خامہ ہے فروتن مرا افراط ادب سے نخوت کے معانی ہین الگ لفظون کے لب سے	جھک کر شرفا اور بجا ملتے ہین سب سے جس طرح سے بدا صل جدا نیک نسب سے

دشمن سے بھی ہم قطع نہین کرتے حیا کو
مانند غبار اُٹھتے ہین تعظیم ہوا کو

پہلے مصرع مین انکساری اور خاکساری کے بجاے ادب کہا ہے، حالانکہ دونون مین بہت فرق ہے، تیسرے مصرع کی ترکیب اور لفظ کے لب کا استعارہ سابق ولاحق کی سادگی وصفائی سے نہایت بیگانہ ہے،

شیرین سخنی کا ہنر اکبر سے لیا ہے	اس ذرہ مین سب مہر حسینؑ کی ضیا ہے

بہتر ہی افلاک سے گو خاک بسر ہون
ہان عیب بڑا یہ ہے کہ مین اہل ہنر ہون

گو خاک بسر ہون کا جواب، ہان عیب بڑا یہ ہے کسقدر بے جوڑ ہے "مین" کا لفظ بالکل حشو ہے،

مرزا صاحب کا ایک اور نہایت مشہور مرثیہ ہے

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے رستم کا جگر زیر کفن کانپ رہا ہے	رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے خود عرش خداوند زمن کانپ رہا ہے

شمشیر بکف دیکھ کے حیدرؑ کے پسر کو
جبریلؑ لرزتے ہین سمیٹے ہوے پر کو

ہیبت سے ہین نہ قلعۂ افلاک کے در بند
جلاد فلک بھی نظر آتا ہے نظر بند
وا ہے کمر چرخ سے جوزا کا کمر بند
سیارے ہین غلطان صفت طائر پر بند

انگشت عطارد سے قلم چھوٹ پڑا ہے
خورشید کے پنجہ سے علم چھوٹ پڑا ہے

یہ دونون بند اپنے انداز مین پورے ہین، اب تیسرا بند ملاحظہ ہو ؎

خود فتنہ و شر پڑھ رہے ہین فاتحۂ خیر
کہتے ہین انا العبد لرز کر صنم دیر
جان غیر۔ بدن غیر۔ مکین غیر۔ مکان غیر
سنے چرخ کا ہے چرخ نہ سیارون کی ہی سیر

سکتہ مین فلک خوف سے مانند زمین ہے
جز بخت یزید اب کوئی گردش مین نہین ہے

انا العبد کسقدر سلاست کے خلاف ہے، یہ مصرع ع جان غیر۔ بدن غیر۔ مکین غیر۔ مکان غیر
اس بند مین کسقدر بیگانہ واقع ہوا ہے ؎

بیہوش ہے بجلی پہ سمند انکا ہے ہشیار
خوابیدہ ہین سب طالع عباس ہے بیدار
پوشیدہ ہے خورشید علم انکا نمودار
بے نور ہے مُنہ چاند کا رخ انکا ضیا بار

سب جزو ہین۔ کل رتبہ مین کہلاتے ہین عباسؑ
کونین پیادہ ہے سوار آتے ہین عباسؑ

یہ بند اوپر کے بند سے دفعتہً اس قدر بے تعلق ہو گیا ہے کہ مطلب سمجھنا مشکل ہے، اُنؑ کا مشار الیہ حضرت عباسؑ ہین، لیکن چونکہ حضرت عباسؑ کا ذکر صرف پہلے بندون مین آیا تھا جس سے تین بندون کا فاصلہ ہے، اس لئے ذہن اسطرف جلدی منتقل نہین ہوتا، مضمون کی بے ربطی کی یہ کیفیت ہے کہ ایک طرف تو ہل چل کی وجہ سے بجلی کو بیہوش قرار دیا ہے، دوسری طرف فرماتے ہین

کہ سب خوابیدہ ہین، ٹیپ کی بندش کی سستی خود ظاہر ہے ؎

چمکاکے مہ و خور زر و نقرہ کے عصا کو
سرکاتے ہین پیر فلک پشت دوتا کو
عدل آگے بڑھا۔ حکم یہ دیتا ہے قضا کو
ہان باندھ لے ظلم و ستم و جور و جفا کو
گھر لوٹ لے بغض و حسد و کذب و ریا کا
سرکاٹ لے حرص و طمع و مکر و دغا کا

ان استعارات مین جو لطافت ہے وہ ظاہر ہے۔

ہم مناسب سمجھتے ہین کہ ایک مشہور اور معرکہ کے مرثیہ کے متعدد بند اس موقع پر نقل کرین جس سے مرزا صاحب کی طرز بندش کے تمام محاسن و معائب کا پورا اندازہ ہو سکے۔ یہ مرثیہ وہ ہے جس کو مرزا صاحب کے تمام معتقدین، اکثر مجالس مین بڑے فخر کے ساتھ پڑھتے ہین ؎

پرچم ہے کس علم کا شعاع آفتاب کی
پانی ہے کس پھریرے سے ہمت سحاب کی
یہ شان ہے نشانِ رسالت مآب کی
چوب علم کلید ہے جنت کے باب کی
نقشہ علم کے پنجہ مین اللہ کا ملا
بندون کو اس نشان سے نشانِ خدا ملا

صبحِ جہادِ شاہِ ثریا جناب ہے
فوجِ حسینؑ برج کے ظفر ہمرکاب ہے
مشرق سے وان علم۔ علم آفتاب ہے
یان نور کا نشان علم بوترابؑ ہے
روشن علم سے آئینہ مشرقین ہے
مشرق مین شمس عکسِ نشانِ حسین ہے

طوبیٰ کی شاخ تیشۂ قدرت نے کی قلم
اور نور نخل طور بھرا اسمین یک قلم

کی صادقون کی راستی قول امین ضم
بے پردہ ہو کے عفو بنی، پوشش علم

جب باندہ کر پھریرے کو سید ا علم کیا
صانع نے پردہ مین ید طولی علم کیا

دامن ہے کبریا کا سر پردۂ جلال
ماہی مراتب اس سے ہے شاہون کا پائمال

بپھرا ہوا ہے شیر پھریرے کا بے جدال
شیر فلک کو دیکھ کے ہوتا ہی لال لال

تسخیر غرب و شرق اسے کیا محال ہے
پنجہ ہے آفتاب تو ناخن ہلال ہے

نور خدا سے قالب خیر الامم بنا
سایہ نبیؐ کا ہو کے مجسم علم بنا

وان ابر چتر فرق نبیؐ بر قدم بنا
یان پوشش علم وہ سحاب کرم بنا

سب کام بند ہون، جو پھریرا نہ دار ہے
سچ ہے خدا کے فیض کا چشمہ کھلا رہے

اب رایت زبان سے علم کرون
اور معنی بلند کا لشکر بہم کرون

مجلس مین ذکر شقۂ رحال علم کرون
رایت مین سلک نظم کے پرچم کو ضم کرون

مشتاقون کو زیارت رایت ضرور ہے
اس رایت نبیؐ کی درایت ضرور ہے

جب شاہ انبیا کو ہوئی خواہش علم
آئی ندا فلک سے ابھی بھیجتے ہین ہم

جاری ہوا یہ حکم خداوند محترم
ہان قدسیو! علم کی درستی کرو بہم

تیار میرے دوست کی خاطر نشان کرو
یعنی علم کی فکر سے خاطر نشان کرو

تعقید مرزا صاحب، کے کلام کی ایک خصوصیت تعقید ہی ہے، وہ جہان معنی آفرینی اور دقت پسندی پر زیادہ توجہ کرتے ہین کلام مین پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے وہ نہایت دقیق اور بلند مضامین پیدا کرتے ہین لیکن مناسب الفاظ ہات نہین آتے اس لئے مضمون ایک گورکھ دھندا ہو کر رہ جاتا ہے۔

تلوار کی تعریف۔

مدنگہ چشم نیام اوج پر آیا + | اور صاف ہر اک فرد بشر کو نظر آیا
خط کھینچنے کو کلک دوات ظفر آیا | یا دوڑ کے ظلمت کی گلی سے خضر آیا

وان شور تھا پیدا مہ نو سے مہ نو ہے
یان غل تھا جا اثنین سے یہ شمع کی لو ہے

آمد کی دہوم۔

خود ابر فلک گرد سواری مین گہرے ہین | دریا مین عدو ڈوب کے دوزخ مین ترے ہین
یون کانپ کے سرداروں کے منہ رنگ پہرے ہین | بت حرص کے طاق دل عدا سے گرے ہین

رعشہ ہے فقط ہات نہین پانون نہین ہے
دہشت کے سبب دہوپ نہین چھانون نہین ہے

سراپا۔

معراج پیمبر کی تو روشن ہے حقیقت | ہان دیکھو تو عرش جبین چشم کی زینت
اسرا ہے نبی کے لئے یہ کاسۂ نعمت | ہم صحبت وہم کاسہ ہین معبود سے حضرت

اس کاسہ مین رتبہ ہے یہ پلکون کی ثنا کا
اک ہات نبی کا ہے اور اک ہات خدا کا

اب مومنون کو عالم بالا کی خبر دون | حل عقدۂ صبح سر اقدس کو بھی کر دون

گردون کو مین نسبت سپر نور سے گردون
یہ عرش ہوا اور عرش بنے رشک سے گردون

اک قامت احمد ہے اسی فوق جہان پر
خورشید سے اک نیزہ سوا ہو گا سنان پر

گو غنچہ ہے گوش پسر سید خوشخو
قرب ختن زلف سے پاتا ہے کی سنبو
اور حلقہ گیسو کہ ہے اک نافہ آہو
ہے کان کی نکہت سے رگ غنچہ ہر اک مو

نافہ کا شرف غنچہ کو کاکل نے دیا ہے
اور گوش کے نافہ کو یہان غنچہ کیا ہے

خط حسن کی خاطر ہے خزان کا خط فرمان
یان حلقہ خط حسن کو ہے چشم نگہبان
صرصر سے ہے ایمن یہ چراغ رخ تابان
عارض کو کیا خط نے چراغ تہ دامان

گلشن ہے غلط اور غلط ابر بہاری
رخ باغ بہاری ہے یہ خط ابر بہاری

ایک اور مرثیہ مین فرماتے ہین ؎

نام جبین ہے مشرق خورشید ہر امید
یان پھول سرو کو ملین پھل ہو نصیب بید
ہے صبح صادق اسکی گواہی سے روسپید
مہر قبول کے اثر سجدہ سے نوید

اکبر نشان سجدہ جبین پر دکھاتے ہین
یا سر نوشت نیر اکبر دکھاتے ہین

کیا شاہ بیت ابروے اکبر کی ہو ثنا
یکتا مطالعہ مین ہے یہ مطلع رسا
بیت القصیدہ خم ابروے مصطفٰے
کیا بیت سجتی ان سے کرسے ماہ نو بھلا

پیش نگہ یہ بیت ہے اٹھارہ سال سے

آتی ہے، بوے شیر دہانِ ہلال سے

تشبیہات واستعارات

مرزا صاحب کے کلام کا خاص جوہر تشبیہات اور استعارات ہین، اس مین شبہ نہین کہ وہ اپنی دقت آفرینی سے ایسے عجیب اور نادر تشبیہات اور استعارات پیدا کرتے ہین جنکی طرف کبھی کسی کا خیال منتقل نہین ہوا ہوگا، لیکن اس زور مین وہ اکثر اس قدر بلند اُڑتے ہین کہ بالکل غایب ہوجاتے ہین مثلاً

شمشیر نے جل تھل جو بھرے قاف سے تا قاف — پریان ہوئین مرغابیان، گرداب بنا قاف
چھپنے کیلیے خوف سے اس درجہ گھٹا قاف — جو بیچ مین سیمرغ کی منقار کے تھا قاف

کیا جانے کہ ہر لے کے خزانہ وہ بہا تھا
قارون کو عذابِ ابدی ڈھونڈ رہا تھا

تیغ عباس جو دامان زرہ مین تھی نہان — یا شبستان مین وہ خوابیدہ تھا ماردوزبان
چمکا وہ ہلال ابروے یوسف کا کنوین سے — یا برق جدا ہوگئی بادل کے دھوین سے
مدِ نگہ چشم نیام اوج پر آیا — اور صاف ہر اک فرد بشر کو نظر آیا
خط کھینچنے کو کلک دوات ظفر آیا — یا دوڑ کے ظلمت کی گلی سے خضر آیا
گرمی پہ شرر تیغ شرر دم کے جو آئے — جو ہر نے کنوین قعر جہنم کے جھکائے
تھی مرغ نگہ پر دو جہان پر اس نے جلائے — عنقا سے تصور کے کباب اسنے لگائے
ظلمات مین یہ فتح پہ قبضہ کیے پھری — یونس کو جیسے بطن مین مچھلی لیے پھری
چہرہ سے بنی صفِ لشکر بھی دور کی — بت خانہ سے شباہت مسجد بھی دور کی
کاف شگاف بنکے دروں جب گڑ گئی — مانند سیم مرگ میان کم گئی

لفظ شکم مین و سینے کو زیر و زبر گئی
انسند پیش ہر جوڑ و گل سے گذر گئی

رن کی صفون کا خوف سے ستھراؤ ہو گیا
پانی ہوسے یہ زہر سے کہ جگر کا ڈھو گیا

بینی جبین و لب سے حسینؑ و خلیل ہے
سر پر ہے عرش زیر قدم سلسبیل ہے

بنضین چھٹین شرر کی، سقر کانپنے لگے
شعلے زبان نکال کے خود ہانپنے لگے

نہیب تیغ سے خالی سبھون کے قالب تھے
پیالہ اسے فلک روحون سے لبالب تھے

گیا جو فرق سے تحت الثریٰ کو آب حسام
سبب خزانۂ قارون خرابہ تمام

فلک نے تختۂ یونان رکھا زمین کا نام
ہوا رطوبت اطراف سے زمین کو زکام

دماغ خاک پہ نزلہ بہ صد وفور گرا
گیا جو غلطہ تو قارون نکل کے دور گرا

جوہر مین طرفہ ہیبت تیغ دلیر ہے
چھل کے جال مین یہ مگر کوئی شیر ہے

بادل کی طرح جوہر شمشیر جو چھا سے
سایہ سے آب پہ گرد بس رعد بجا سے

چار آئینہ نے اور ہی صورت دکھائی ہے
ہر آئینہ مین سب نے منہ پہ بہت پالی ہے

زایل زرہ کی آنکھون سے جو روشنائی ہے
آنکھون سے اپنے چشم کی عینک گنوائی ہے

ڈر ڈر کے آب تیغ سے سب کچھ کر گئے
غصے سے ہو کے چین جبین کچھ جھک گئے

پل بن گئے وہ چین جبین سر اتر گئے
اک وار مین تو تیغ پہ پانی سر گئے

پر ذوالجناح صاف وہین سے نکل گیا
بارود تھا کہ اڑ کے کنوئین سے نکل گیا

تھا طوطی خط پشت لب لعل پر گویا
دیکھو کہ وہان آتش یاقوت سے نکلا

تھا چاہ ذقن مین چہ نخشب کا تجلا
بس چاہ کی کشتی نے تو پانی ہی نہ نکالا

جلوے سے لب و دندان کے عجب پیش نظر تھے

در وازہ پہ یاقوت تھے اور گھر میں گہر تھے

حاشا نہیں تجلی ماہ آسمان پر	مچھلی اُچھالتی ہے کلاہ آسمان پر
چشم ضیا فشان سے نمود چراغ ہے	پلکیں نہ سمجھو ہالہ دود چراغ ہے
پیدا کمر سے کنہ جناب الہ ہے	یہ بال چشم ناف کا تار نگاہ ہے
پستلی ہے کوہ طور تجلی کبریا	سنتے تھے تل کی اوٹ پہاڑ اب نظر پڑا
جب تک یہ پلکیں دست نگر میں نہ دیں عصا	موسیٰ کی بھی نگہ نہ ہوا اس چشم تک رسا

اک جلوہ دکھا یہ چشم جسے اپنے نور کا
وہ خاک کے بھی مول نہ لے سرمہ طور کا

سجنے لگا سلاح وغا بہرہ پر دغا	کی خود نے خود نمائی سے زیب سر جفا
یا ماہ آفتاب کو گویا گہن لگا *	یا دار قد پہ کفر کا بخت سیہ چڑھا

اسلام میں جو ڈالے ہیں رخنے یزید نے
ان رخنوں کو کیا ہے زرہ تن پلید نے

پاؤں میں پہنے موزہ گمراہی جہان	کج فہمی معاویہ کی اُس نے لی کمان
اور تیغ ہند جگر خوارہ کی زبان	فردسپر تھی نامہ اعمال شامیان

چار آئینہ وہ زنگ بھرا اس پلید کا
دل شمر و شیث و ابن زیاد و یزید کا

مضمون بندی وخیال آفرینی	میر انیس اور مرزا دبیر میں اصل مابہ الامتیاز جو چیز ہے وہ خیال بندی اور دقت پسندی ہے اور یہی چیز مرزا صاحب کے تاج کمال کا طرہ ہے اس میں

کچھ شبہ نہیں کہ مرزا صاحب کی قوت متخیلہ نہایت زبردست ہے۔ وہ اس قدر دور کے استعارات اور

تشبیہات ڈھونڈھ کر پیدا کرتے ہین کہ وہان تک اُن کے حریفون کا طایرِ وہم پرواز نہین کر سکتا۔ راست نما اور دلفریب (لیکن غلط) استدلال جو شاعری کا ایک جزو اعظم ہے انکے ہان نہایت کثرت سے پایا جاتا ہے۔ وہ قوت متخیلہ کے زور سے نئے نئے اور عجیب دعوے کرتے ہین، اور خیالی استدلال سے ثابت کرتے ہین۔ مبالغہ کے مضامین جو پہلے شعرا باندھ چکے تھے اور بظاہر نظر آتا تھا کہ اب اس کی حد ہو چکی، ان کو وہ اس قدر ترقی دیتے ہین کہ پہلے مبالغے ان کے مقابلہ مین ہیچ ہوجاتے ہین، مختصر یہ کہ خیال آفرینی، دقت پسندی۔ جدت استعارات۔ اختراع تشبیہات۔ شاعرانہ استدلال شدت مبالغہ مین ان کا جواب نہین، لیکن اس زور کو وہ سنبھال نہین سکتے، اس وجہ سے کہین خامی پیدا ہوجاتی ہے، کہین تعقید اور اغلاق ہوجاتا ہے، تشبیہات کہین پہیلیان بن جاتی ہین اور کہین محض فرضی خیال رہ جاتی ہین۔ تاہم اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ جہان ان کا کلام فصاحت و بلاغت کے معیار پر بھی پورا اُتر جاتا ہے نہایت بلند رتبہ ہوجاتا ہے۔ اس موقع پر ہم انکے ہر قسم کے عمدہ مضمون آفرینی کی متعدد مثالین نقل کرتے ہین ؎

(صبح)

جب[1] سرنگون ہوا علم کہکشان شب — خورشید کے نشان نے مٹایا نشان شب
تیرِ شہاب سے ہوئی خالی کمانِ شب — تانی نہ پھر شعاع قمر نے سنانِ شب

آئی جو صبح زیورِ جنگی سنوار کے
شب نے زرہ ستارون کی رکھ دی اُتار کے

شمشیر مشرقی جو چڑھی چرخ پر شتاب — پھر تیغ مغربی نے دکھائی نہ آب و تاب
تھا لب کہ گرم خنجر بیضا سے آفتاب — باقی نہ تھا چشمۂ نیلوفری مین آب

محتاج ماہتاب ہوا آب و تاب کا

---

[1] اس کے مقابلہ مین میر انیس کی صبح دیکھو۔

باغ جہان مین پھول کھلا آفتاب کا

تھی جوش خون سے عارضہ مین مبتلا شفق — قضا و صبح آیا لئے نشتر و طبق

کھولی شفق کی صبح تو رنگِ اُفق تھا فق — گلرنگ تھا صحیفۂ گردون ورق ورق

خون شفق مین سرخ قضا نے قلم کیا

اور خط و خال روز شہادت رقم کیا

ایضاً

پیدا اشعاع مہر کی مقراض جب ہوئی — پنہان و رازہی پر طاؤس شب ہوئی

اور قطع زلف لیلی زہرہ لقب ہوئی — مجنون صفت قبائے سحر چاک شب ہوئی

فکر رفو تھی چرخ ہنرمند کے لئے

دن چار ٹکڑے ہو گیا پیوند کے لئے

یوسف غریق چاہ سیہ ناگہان ہوا — یعنی غروب ماہ تجلی نشان ہوا

یونس دہان ماہی شب سے عیان ہوا — یعنی طلوع نیر مشرق ستان ہوا

فرعون شب سے معرکہ آرا تھا آفتاب

دن تھا کلیم اور ید بیضا تھا آفتاب

تھی صبح یا کہ چرخ کا جیب دریدہ تھا — یا چہرہ مسیح کا رنگ پریدہ تھا

خورشید تھا کہ عرش کا اشک چکیدہ تھا — یا فاطمہؑ کا نالہ گردون رسیدہ تھا

کہئے نہ مہر صبح کے سینہ پہ داغ تھا

امید اہل بیت کا گھر بے چراغ تھا

نکلا اُفق سے عابد روشن ضمیر صبح — محراب آسمان ہوئی جلوہ پذیر صبح

کھولا سپیدی نے جو مصلائے پیر صبح	ہر سجدہ گاہ بن گیا مہر منیر صبح

کرتی تھی شب غروب کا سجدہ ودود کو
سیارے ہفت عضو بنے تھے سجود کو

ظلمت جہان جہان تھی وہان نور ہو گیا	پھر مشک شب جہان سے کافور ہو گیا
گویا کہ زنگ آئنہ سے دور ہو گیا	باطل رسالہ شب دیجور ہو گیا

کیا پختہ روشنائی تھی قدرت کے خامے مین
مضمون تھا آفتاب کا ذرون کے نامے مین

ایضاً

صبح

گلگونۂ شفق جو ملا حور صبح نے	اسپند مشک شب کو کیا نور صبح نے
گرمی دکھائی روشنی طور صبح نے	ٹھنڈے چراغ کر دیے کافور صبح نے

لیلائے شب کی رات کو دولت جو لُٹ گئی
افشان جبین سے مہر درخشان کی چھٹ گئی

پیدا ہوا سپیدۂ طلعت نشان صبح	سلطان صبح نے کیا قصد اذان صبح
باندھا عمامہ نور کا بیناکتان صبح	چرخ چہارمین پہ گیا خطبہ خوان صبح

مُنہ سب کے سوئے قبلۂ اُمید ہو گئے
سرگرم سجدہ - عیسی و خورشید ہو گئے

آیا جو تیغ روز لیے شاہ نیمروز	ماہی شکار - شیر سوار و جہان فروز
باندھے کمر مین خنجر بیضائے کینہ سوز	پھر دیو ہفت سر ہوا صید عقاب روز

مہتاب - لشکر شہ خاور مین گھس گیا

اترہ شعاع کا سر انجم پہ پھر گیا

بڑھ کر نقیب نور پکارا سحر سحر — ذرون مین نور مہر در آیا قمر قمر
فرمان نور بدر کو پہونچا بدر بدر — لوٹا سحر نے معدن شبنم گہر گہر
برقع جو اٹھ گیا تھا رخ آفتاب کا
پردہ تھا فاش صبح ملمع نقاب کا

تلوار

شاخ نیام سے ہوا اس طرح پہل جدا — پیرون کے قد سے جیسے جوانی کا پل جدا
ہستی جدا زمین پہ تڑپی اجل جدا — خنجر جدا فلک پہ گرا اور زحل جدا
غل تھا کہ اب مصالحہ جسم وجان نہین
لو تیغ برق دم کا قدم درمیان نہین

ڈوبی سپر مین گر کے نئی چال ڈھال سے — پاگھر کے بیچ مین یہ بڑی سیدھی چال سے
اٹھ کر زرہ مین آئی شکوہ وجلال سے — اک جال مین تڑپ کے گئی ایک جال سے
گذری جو چار آئینہ سے منہ کو موڑ کے
غل تھا پری نکل گئی شیشہ کو توڑ کے

کاٹا پلک مین آنکھ کو پتلی مین نور کو — پاؤن مین کجروی کو سرون مین غرور کو
سینہ مین بغض وکینہ کو دل مین فتور کو — نیت مین معصیت کو طبیعت مین زور کو
ذات اک طرف مٹا دیا بالکل صفات کو
کیسی زبان — زبان مین یہ کاٹ آئی بات کو

سب کے گلون سے ملتی تھی لیکن بڑی ہوئی — جوہر یہ تھا کہ بوجھ سے خود تھی جھکی ہوئی
ظرف تنک مین تھی نہ جگہ اسکی آب کی — ولہ — بندھتی تھی اور کھلتی تھی مٹھی حباب کی

دریای خون تھا تیغ سبک رو کی ناؤ پر | پریون روان تھی جیسے کہ کشتی بہاؤ پر

ولہ

اللہ ری شناوری شمشیر آبدار | دکھلا دئے صفائی کے سب ہات ایک بار
تیرا وہ جو ہے زخم مین گہ وار۔ گاہ پار | جوہر کا ایک بال بھی ڈوبا نہ زینہار
اک دجلہ خون کو بھی یہ صفا دیکھ کر ہوا
ہات اک طرف نہ تیغ کا ناخن بھی تر ہوا

جس مورچہ مین لیلی تیغ دو سر گئی | چمکی پہلون کو سایہ سے دیوانہ کر گئی
ہر صف نے خاک اڑائی۔ ادہر سے ادہر گئی | پھر یہ نہا نہا کے لہو مین۔ نکھر گئی
عالم نہ پوچھو قطرہ فشانی کے حسن کا
جوبن ٹپک رہا تھا جوانی کے حسن کا

آگے کبھی بڑھی۔ کبھی پیچھے کو پھر پڑی | سر پر جو لڑکھڑائی تو شانے پہ گر پڑی

ولہ

اٹھی۔ گری۔ بلند ہوی۔ پست ہو گئی | پی پی کے پیکشون کا لہو مست ہو گئی

ولہ

نیزے تنے تو اس نے کہا دیکھے بھالے ہین | بجھتی نہ خنجرون سے کہ گودی کے پالے ہین
برسے جو تیر سمجھی کہ کانون کے بالے ہین | چمکے جو گرز۔ بولی یہ منہ کے نوالے ہین
ننگ اپنا جان کر نہ کسی سے بگڑتی تھی
ہر پھر کے آپ اپنی طبیعت سے لڑتی تھی

بیجرم معرکہ مین وہ خارا شگاف تھی | لشکر کا خون کیا تھا مگر پاک و صاف تھی

ولہ

قبضہ تو رہا دست جناب شہ دین مین | پھل جا کے لگا شاخ سر گاو زمین مین

ولہ

اس قہر مجسم پہ اجل نے جو نظر کی | مجرا تو فقط کر لیا اور پیچھے کو سرکی
غصہ سے چڑھی بھون جو ادہر تیغ دو سر کی | پھرنے لگی پتلی سپہ فوج عمر کی

باقی تھا نہ دم، خوف سے تیغین یہ گھٹی تھین
تیغین نہ کہو، تبضین نیاموں کی چھٹی تھین

خود رفتہ تھا ہر تیر یہ رفتار بنی تھی
وله
انگڑائی کا لینا بھی کمان بھول گئی تھی

تھی راست گو وہ تیغ - یہ روشن جہان پہ تھا
وله
جتنا لہو پیا تھا وہ جاری زبان پہ تھا

کٹتے تھے سر نہ تیغ امام عراق سے
وله
بت گر رہے تھے خاک پہ کعبہ کے طاق سے

سر کو نہ وصل تیغ سے اصلا دریغ تھا
وله
کیا سب کی سرنوشت مین مصراع تیغ تھا

رک رک کے قدم رکھتی تھی ہر سر پہ ادب سے
وله
جھک جھک کے مثال شرفا ملتی تھی سب سے

جوہر کے نگہبانوں کو بیدار ہو پایا
وله
زخموں نے بھی اس تیغ کا پانی نہ چرایا

ہوتی تھین صفین آب دم تیغ سے بیدم
حل کرتی تھی ہر مسئلہ تیغ ستمگر عالم
وله
پانی جو کھڑے ہو کے پیو ہوتا ہے سن کم
سے خون نجس، اسمین یہ آلودہ تھی ہر دم

پر اس پہ نجاست کا گمان ہو نہین سکتا
یعنی کہ نجس آب روان ہو نہین سکتا

اللہ رہی دماغ اسکا کسی سر پہ نہ بیٹھی
سر ایک طرف گنبد مغفر پہ نہ بیٹھی
بالائے سپر پھولوں کے بستر پہ نہ بیٹھی

یہ بیٹھنا کب تھا، اِدھر آئی اُدھر آئی
جس سر پہ رکھا پانوں زمین پر اُتر آئی

اسی طرح گھوڑے کی سرعت، فوج کی ہل چل، آمد کی دہوم، وغیرہ وغیرہ مضامین مین سیکڑون ہزارون نئی تشبیہین، استعارات، اور باریکیان پیدا کی ہین - ہمنے اس خیال سے صرف نمونہ پر اکتفا کیا کہ جو شخص ایک تلوار کے متعلق اسقدر بے شمار مضامین کا منہ برسا سکتا ہے، اسکی قوت متخیلہ کی کیا حد ہو سکتی ہے -

بلاغت

یہ وہ چیز ہے جہان انیس، اور دبیر کی شاعری کی سرحدین، بالکل الگ ہو جاتی ہین، مرزا صاحب کی شاعری مین، بالفرض گو اور تمام اوصاف پائے جاتے ہون، لیکن بلاغت کا تو شایبہ نہین پایا جاتا۔ تم اوپر پڑھ آئے ہو کہ ہر چیز کی بلاغت الگ ہے۔ مضمون کی الگ، قصّہ کی الگ، قصیدہ کی الگ، شعر کی الگ، لیکن مرزا صاحب کے کسی قسم کے کلام مین یہ وصف پایا نہین جاتا۔ وہ اگر کسی واقعہ کا خاکہ تیار کرتے ہین تو اس قسم کی باتین بیان کرتے ہین جو خود شہادت دیتی ہین کہ واقعہ وجود مین نہین آسکتا تھا نوحہ وغم۔ فخر و ادعا۔ طنز و تشنیع۔ ہجو و بدگوئی۔ سوال و جواب، گلہ و شکایت، غرض کسی مضمون کو وہ مقتضائے حال کے موافق نہین لکھہ سکتے۔

ہم چند مثالین، نمونہ کے طور پر لکھتے ہین۔

مثال ۱۔ ایک مرثیہ مین حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر، حضرت شہر بانو کا جو نوحہ لکھا ہے اسین لکھتے ہین ؎

تم جا نو جہان سے شہ عالی کو سے آؤ
اکبر سے مین گذری مرے والی کو لے آؤ

"تم جانو جہان سے" اس محاورہ کے ابتذال سے قطع نظر کر کے یہ امر کسقدر خلاف مقتضائے حال ہے کہ کوئی شریف عورت یہ کہے کہ مین اپنے بیٹے سے درگذری، میرے شوہر کو جہان سے ممکن ہو پیدا کرو۔

مثال ۲۔
ناگہان بالی سکینہ نے مچلکر یہ کہا
میرے کرتے کا گریبان بھی کرو چاک چچا
خوب ملبوس یہ ہے پہنین گے ہم بھی ایسا
روٹھہ جاؤنگی نہ مانوگے جو میرا کہنا
آپ جب خیمہ مین آئینگے تو چھپ جاؤنگی

پھر تُجھے گود مین لو گے تو نہ مین آؤن گی

روے ناوان کی تقریر پہ عباسؑ کمال
اور کہا دل سے کہ اسکا بھی کرو رو نہ سوال
بے پدر ہوگی کوئی آن مین یہ نیک خصال
چاک اسکا بھی گریبان کیا با حزن و ملال

پیار جو آگیا بنت شہ دین کے اوپر
بوسے دیدے کے مل خاک جبین کے اوپر

واقعہ یہ باندھا ہے کہ حضرت عباسؑ جب میدان مین جانے لگے تو اپنے بیٹے کا گریبان چاک کردیا کہ تیمی کی علامت ہے، یہ دیکھکر سکینہؑ (حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی) نے کہا کہ میرے کرتہ کا گریبان بھی چاک کردو، مجھکو بھی یہ وضع اچھی معلوم ہوتی ہے، حضرت عباسؑ نے اس خیال سے کہ آخر حضرت امام حسینؑ بھی کچھ دیر مین شہید ہونگے، اور حضرت سکینہؑ بھی یتیم ہو جائینگی، اس لیے انکا گریبان بھی چاک کردیا۔ حضرت عباسؑ کو، امام علیہ السلام سے جو شفقیہ محبت تھی اور جسکا اظہار ہر جگہ مرزا صاحب نے بھی کیا ہے اسکے لحاظ سے یہ امر نہایت خلاف عقل اور خلاف عادت ہے کہ وہ حضرت امام حسینؑ کو قبل از وقت شہید فرض کرلین، اور اس بنا پر انکے بچہ کو یتیم فرض کرکے اسکا گریبان چاک کردین۔ ۵

مثال ۳ یہ کہتی تھی کہ آئی زین بنت مرتضےٰ
تسلیم کرکے بانو نے سر کو جھکا لیا
زینبؑ پکاری بیٹھو ادب مےسلام ہو چکا
جسکی نہ بات پوچھیے تعظیم اُس کی کیا

سب جانتے ہین بنت جناب امیرؑ ہون
گھر مین تمہارے رہتی ہون اس سے حقیر ہون

حضرت زینبؑ کو اس بات کی شکایت ہے کہ علی اکبرؑ کو شہر بانو نے میری بغیر اطلاع کے لڑائی مین جانے کی کیون اجازت دی۔ اس بنا پر وہ حضرت شہر بانو سے کہتی ہین کہ جب میری بات نہین پوچھی جاتی تو تعظیم سے کیا فائدہ۔

لیکن اس مقصد کے اظہار کے لئے مرزا صاحب نے جو طریقہ اختیار کیا، وہ کسقدر سفیہانہ اور عامیانہ ہے، یہ خیال کہ چونکہ مین اپنا گھر چھوڑکر تمہارے گھر مین رہتی ہون اسلئے تم لوگ مجھکو حقیر سمجھتے ہو، نہایت پست اور مبتذل خیال ہے جو ہرگز حضرت زینبؑ کی متانت اور وقار کے شایان نہین۔

مثال ۴۔ محبوب ہون خدا سے ذوی الاحترام کا ۔۔۔ نانا ہون مین حسین علیہ السلام کا

یہ شعر جناب رسولؐ خدا کی زبان سے ادا کیا ہے، لیکن مرزا صاحب کو یہ خیال نہین رہا کہ آنحضرتؐ بھی امام حسین علیہ السلام کا نام علیہ السلام کہہ کر لیتے تھے۔

مثال ۵۔
یہ بات سُنکے بنتِ علی نے گھونگٹ اُلٹ لیا ۔۔۔ عباسؑ کو حسینؑ کو، اکبرؑ کو دی صدا
صدقہ مین تم یہان سے سرک جاؤ اک ذرا ۔۔۔ تم سب کے آگے روتے ہوئے آنے کی حیا

ماتم کا ہے ہجوم دلِ پاش پاش پر
جی بھر کے روئے یہ بہنے قاسمؑ کی لاش پر

سرکے وہان سے اکبرؑ و عباسؑ و شاہِ دین ۔۔۔ لاشے کے گرد پھرنے لگی وہ ذوات تزئینا
زینبؑ سے پوچھنے یہ لگی پھر وہ مہ جبین ۔۔۔ اب اختیار دل پہ مرے مطلقاً نہین

نوشاہ ایک رات کے جو قتل ہوتے ہین
بتلاؤ اے پھوپھی! انہین کیا کہکے روتے ہین

یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ مرزا صاحب، اور دیگر تمام مرثیہ گویون نے اہلِ حرم کی عادات اور مراسم ہندوستان کے شرفا کی مستورات کے مطابق فرض کئے ہین، چنانچہ عروسی، شادی، اور میت کے متعلق جس قسم کے مراسم و عادات یہان ہین وہی تمام مرثیون مین مذکور ہین۔ اس بنا پر حضرت کبرٰیؑ کا اپنے باپ، چچا اور بھائی سے یہ کہنا کہ تم لوگ یہان سے سرک جاؤ۔ مین اپنے شوہر پر نوحہ کرنا چاہتی ہون کسقدر بے حجابی اور بے شرمی ہے۔ طرہ یہ کہ یہ بھی کہتی ہین کہ تم سب کے آگے روتے ہوئے شرم آئیگی

لیکن یہ کہتے ہوئے شرم نہ آئی - مرزا صاحب نے اسی واقعہ کو ایک اور مرثیہ مین لکھا ہے اور وہان تو حد کر دی ہے، فرماتے ہین ؎

ناگاہ شہ نے لاش اُٹھائی یہ صدا بکا
کبریٰ نے بات باندھ کے تب شاہ سے کہا

ہم کچھ کہین جو مانئے اے شاہ کربلا
احسان ہو گا لاش کو رکھ دیجئے ذرا

بالین پہ بیٹھین سر پہ ذرا خاک ڈال لین
ہم بھی کچھ اپنے دل کی تمنا نکال لین

میرانیس نے اسی واقعہ کو کس خوبی سے ادا کیا ہے ؎

رو کر بہن سے کہنے لگے شاہ بحر و بر
اس بے نصیب رانڈ کو لے آؤ لاش پر

بیٹی لٹے گی یون، ہمین اسکی نہ تھی خبر
اب شرم کیا ہے دیکھ لے دولہ کو اک نظر

زخمی بھی ہے شہید بھی ہے بے پدر بھی ہے
دولہا ہے نام کو بھی، چچا کا پسر بھی ہے

اس بلاغت کو دیکھو کہ چونکہ حضرت امام حسینؑ کا یہ کہنا کہ اب شرم کیا ہے، دولہ کو دیکھ لے ایک گونہ رسمی حیا کے خلاف تھا اس لئے ان کی زبان سے یہ الفاظ ادا کئے کہ وہ برائے نام دولہا ہے ورنہ چچا کا بیٹا اور بھائی ہے ؎

حضرت یہ کہہ کے ہٹ گئے باچشم اشکبار
پیٹی یہ سر کہ غش ہوئی بانوے دلفگار

چادر سپید اوڑھا کے دلہن کو بحال زار
گودی مین لائی زینبؑ غمگین و سوگوار

چلائی مان یہ گر کے تن پاش پاش پر
قاسم بنے اُٹھو - دلہن آئی ہے لاش پر

ہے ہے بنے قاسم کا ہوا عقد جود پر
بانو نے کہا لٹ گئی لوگو! میری دختر

فرزند کے لاشہ سے لپٹنے لگی مادر — سر پیٹتی دوڑی شہ مظلوم کی خواہر

پھر کون ہے بنت علیؑ جب نکل آئے
خیمہ میں دولھن رہ گئی، اور سب نکل آئے

مثال ۶ کہا سجادؑ سے کبریٰؑ نے یہ اس دم رورو — بھائی صاحب میرے دولہ کو بھی دفن کرو
تا مجاور ہیں بنون کھول کے اپنے سر کو — کہا کبریٰؑ سے یہ سجاد حزین نے کہ چلو

ٹکڑے لاشون کے ہم بادل غمناک کرین
قاسم ابن حسنؑ کو بھی تہ خاک کرین

ایک رات کی بیاہی ہوئی عورت کا، اپنے بھائی سے یہ کہنا کہ میرے دولہ کو بھی دفن کرو کسقدر خلاف عادت ہے۔

مثال ۷ حضرت سکینہؑ کو قید خانہ میں غش آگیا ہے، ان کی ماں حضرت شہر بانوؑ کو خیال ہوا کہ مر گئین انہون نے نوحہ شروع کیا۔ حضرت زینبؑ انکو سمجھاتی ہین اس واقعہ کو مرزا صاحب اسطرح ادا کرتے ہین

زینبؑ نے رو کے، بانوے مغموم سے کہا — بے آس ہو نہ بھابھی، یہ غش ہین یہ لقا
اور مر گئی تو خیر جو اللہ کی رضا — اب اسکے رفع غش کی یہ اسوقت ہے دوا

ہے عاشق حسینؑ یہ پیاری حسینؑ کی
اب غل کرو کہ آئی سواری حسینؑ کی

تسکین اور تسلی دینے مین یہ کہنا کہ "خیر مر گئی تو کیا کرو گی، جو اللہ کی رضا" کس قدر ناموزون ہے اور خلاف آدمیت ہے۔

یہان ہم نے اجمالاً صرف چند مثالین لکھدین اسکے بعد متحد المضمون مرثیون کا جو عنوان ہے اس سے تفصیلاً معلوم ہوگا کہ مرزا صاحب بلاغت کی راہون سے کس قدر ناآشنا ہین۔

میر انیس اور مرزا دبیر کے متحد المضمون مرثیے

میر انیس اور مرزا دبیر کے موازنہ کا صحیح تر اور آسان طریقہ یہ ہے کہ دونون صاحبون کے ہم مضمون مرثیون کا مقابلہ کیا جاے، چونکہ مرثیہ کا موضوع، صرف چند معین واقعات ہین اسلئے اگرچہ دونون صاحبون کا انداز شاعری بالکل الگ الگ ہے، تاہم واقعات، اور مضامین، مین ہرجگہ اشتراک پیدا ہو جاتا ہے، اسکے ساتھ یہ بھی نظر آتا ہے کہ دونون حریفون نے اکثر مرثیے، اور بند، اور متفرق اشعار، ایک دوسرے کے مقابلہ مین لکھے ہین، یہان تک کہ بعض بعض بندون مین مضمون، ردیف، اور قافیے تک مشترک ہین، افسوس ہے کہ ان موقعون پر یہ پتہ نہین ملتا کہ ابتدا کس نے کی، اور جواب کس نے لکھا، تاہم بعض بعض قراین سے (جیسا کہ ہم دیباچہ مین لکھ آئے ہین) ثابت ہوتا ہے کہ مرزا دبیر صاحب زیادہ تر مقابلہ کا قصد کرتے تھے، مثلاً ایک مرثیہ مین میر انیس نے فخریہ کے ساتھ زمانہ کی ناقدری کی شکایت کی تھی، اس کے ایک بند کی ٹیپ یہ ہے ؎

عالم ہے مکدر، کوئی دل صاف نہین ہے
اس عہد مین سب کچھ ہے، پر انصاف نہین ہے

اسی بحر مین مرزا دبیر صاحب کا بھی مرثیہ ہے، اس مین بھی فخریہ ہے، اور ایک بند کی ٹیپ یہ ہے ؎

دل صاف ہو کس طرح کہ انصاف نہین ہے
انصاف ہو کسطرح کہ دل صاف نہین ہے

دونون شعرون کو دیکھ کر ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس نے کسکا جواب لکھا ہے،

میر انیس اکثر شعرون مین مرزا دبیر پر سرقہ اور خوشہ چینی کی چوٹ کرتے ہین مثلاً ؎

لگا رہا ہون مضامینِ نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینون کو

ع پیاسا جو پیو سبیل سے نذر حسین کی ؎

ممکن نہین دزدانِ معانی سے نجات
سچ ہے کہ مگس سے کب شکر بچتی ہے

بھلا تردد بیجا سے اس مین کیا حاصل
اُٹھا چکے ہین زمیندار جن زمینون کو

نواسنجیون نے تری اے انیس
ہر اک زاغ کو خوش بیان کر دیا

ع مضمونِ انیس کا نہ چربا اُترا

لیکن مرزا دبیر نے میر انیس پر کہین سرقہ کی تعریض نہین کی ہے بلکہ صرف اپنی برات ظاہر کی ہے مثلاً

واللہ بری ہون سرقہ مضمون غیر سے
ہے استفادہ مجھکو احادیث و سیر سے

شکر خدا کہ سرقہ کی حد سے بعید ہون
ہر مرثیہ مین موجد طرز جدید ہون

بہرحال کم سے کم ہمکو یہ فرض کر کے کہ دونون مین سے کوئی سرقہ کا مجرم نہین، صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ اس مضمون کو کس نے خوبی سے ادا کیا ہے، چنانچہ ہم دونون کے متحد المضمون مرثیے اور اشعار ذیل مین درج کرتے ہین

انیس

بیت الشرف خاص سے نکلے شہ ابرار
روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترت اطہار

فراشون کو عباسؑ پکارے یہ بہ تکرار
پردہ کی قناتون سے خبردار خبردار

باہر حرم آتے ہین رسولؐ دوسرا کے
شقہ کوئی جھک جائے نہ جھونکون سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو وہ اُتر جائے
آتا ہو ادھر جو وہ اُسی جا پہ ٹھہر جائے

ناقہ پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے
دیتے رہو آواز جہانتک کہ نظر جائے

مریمؑ سے سوا حق نے شرف انکو دیے ہین
افلاک پہ آنکھون کو ملک بند کیے ہین

دبیر

دربان عصا اُٹھا کے بڑھے جانب یسار
دہنی طرف نقیب گئے باندھ کر قطار

آ آ کے در پہ لونڈیان چلائین بار بار
آئے ادھر اب نہ کوئی جائے ہوشیار

آواز غیر سُن کے وہ اندیشہ کرتی ہے
آہستہ بولو دختر زہرا اُترتی ہے

عفت کے جتنے مرتبے خیر النسا نے پائے
ہاں ہاں مسافرو نہ کوئی غل مچانے پائے

وہ ماں کے بعد دختر مشکل کشا نے پائے
ناقہ پہ بیٹھ کر نہ اِدھر کوئی آنے پائے

حسن ادب یہی ہے کہ حق کو پسند ہو
وہ بیٹھ جائے جس کا کہ قامت بلند ہو

دونوں بزرگوں نے عورتوں کے پردہ کے اہتمام کا سماں باندھا ہے لیکن میر صاحب نے اس مضمون کو اس فصاحت و بلاغت سے ادا کیا ہے اور اس طرح واقعہ کی تصویر کھینچدی ہے کہ اسکے سامنے مرزا صاحب کے اشعار کا پیش کرنا بھی، میر صاحب کی ناقدردانی ہے، روانی، شستگی - خوبی محاورہ - چستی بندش، کے علاوہ بلاغت کے نکتوں پر لحاظ کرو، میر صاحب نے پردہ کے اہتمام اور لوگوں کے ہٹانے اور روکنے کو حضرت عباسؑ کی طرف منسوب کیا ہے جس سے حضرت زینبؑ کی عظمت و شان کے اظہار کے علاوہ، اصلی واقعہ کی مطابقت ہوتی ہے، کیونکہ تمام معزز خاندانوں میں پردہ کا اہتمام خود خاندان کے ممبر کیا کرتے ہیں بخلاف اسکے مرزا صاحب نے یہ کام بالکل دربانوں، نقیبوں، اور لونڈیوں کے سپرد کردیا ہے، جس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ یا تو گھر میں کوئی مرد تھا ہی نہیں، یا تھا تو اسکو عورتوں کی چنداں پروانہ تھی، پردہ کے اہتمام میں نقیبوں کا کیا کام ہے، لونڈیوں کے غل مچانے سے ثابت ہوتا ہے کہ ادب و شائستگی نہیں پائی جاتی،

ذیل کے یہ دونوں مصرعے بالکل ہم مضمون ہیں لیکن دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے

انیس ناقہ پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے۔
دبیر ناقہ پہ بیٹھ کر نہ اِدھر کوئی آنے پائے،

صغریٰ کی آزردگی

دبیر

صغرا نے کہا صاحبو کیا کرتے ہو گفتار — اک بات پکڑ لی کہ یہ بیمار ہے بیمار
شاید کہ سفر ہی مین شفا دے مجھے غفار — یان کون خبر لے گا مری یہ در و دیوار

اتنی بھی تو طاقت نہین جو اُٹھ کے کھڑی ہون
اے لوگو! مین کیا آپ سے بیمار پڑی ہون

واقعہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام، تمام اہل حرم کو ساتھ لیے جاتے ہین لیکن حضرت صغرا کو بیمار ہونے کی وجہ سے چھوڑے جاتے ہین، اس پر وہ گریہ و زاری کرتی ہین حضرت امام حسینؑ، اور گھر کی عورتین سمجھاتی ہین کہ تم بیمار ہو، سفر کے مصائب برداشت نہین کر سکتی ہو، صغرا جواب دیتی ہین

اسی مضمون کو میر انیس صاحب ادا کرتے ہین ؎

کیا خلق مین لوگو! کوئی ہوتا نہین بیمار — ہے کونسی تقصیر کہ سب ہو گئے بیزار
زندہ ہون یہ مردہ کی طرح ہو گئی دشوار — کیون جاتے ہین سب مجھکو اکیلا کر

حیرت مین ہون باعث مجھے کھلتا نہین اسکا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے مُنہ تکتی ہون جس کا

مرزا صاحب نے بھی عمدگی سے اس واقعہ کو ادا کیا ہے لیکن میر صاحب کے طرز بیان مین جو حسرت رنج اور بیکسی ہے وہ مرزا صاحب کے ہان نہین، "اک بات پکڑ لی"، عامیانہ اور سوقیانہ طرز گفتگو ہے، ٹیپ کے دونون مصرعون مین کوئی ربط نہین، اور یہ کہنا کہ مجھکو اُٹھنے کی بھی طاقت نہین، صغرا کی خواہش پر ناکامی کا اثر پیدا کرتا ہے، کیونکہ جب اُٹھنے کی طاقت نہین تو وہ سفر کیونکر کر سکتی ہین،

اسی بنا پر میر انیس نے جہان یہ واقعہ باندھا ہے صغریٰؑ کی زبان سے یہ کہا ہے ؎

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت — تپ کی بھی ہے شدت مین کمی، درد سے خفت

بستر سے مین خود اُٹھ کے ٹہلتی بھی ہون شب | پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت

حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہے
اب تو مرے مُنہ کا بھی مزا تلخ نہین ہے

دیکھو حضرت صغرا کس کس طرح سے بیماری کی تخفیف اور قریب الصحۃ ہونے کو ثابت کرتی ہین ۔

اصغرؑ سے خطاب

دبیر
پردہ کو اُٹھا کر یہ کہا بانوؑ نے رو رو | صدقے گئی، فال ایسی تو مُنہ سے نہ نکالو
سب جیتے ہین بیکس نہ ابھی آپ کو سمجھو | شبیرؑ ہو ۔ دنیا ہو ۔ ترا کنبہ ہو ۔ تو ہو

کب مین نے کہا یہ نہین اصغرؑ ہے تمہارا
لو شوق سے دیکھو، یہ برادر ہے تمھارا

پھر ہاتون پہ اصغرؑ کو رکھا کر کے یہ زاری | لٹکا دیے ہات اُس نے ہمک کر کئی باری
مان نے کہا لو گود مین یہ آتے ہین واری | اصغرؑ کی طرف ہات اُٹھا کر وہ پکاری

پھر جیتی ملون یا نہ ملون تجھ سے بلا لون
آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگا لون

صغراؑ کا رخصت کے وقت علی اصغرؑ کو حسرت اور پیار سے دیکھنا نہایت درد انگیز سمان ہے، اور اکثر مرثیون مین یہ سمان نہایت موثر طریقہ سے دکھایا جاتا ہے، لیکن مرزا صاحب ایسے درد انگیز واقعہ کو بھی تاثیر کا رنگ نہ دیسکے، دیکھو میر صاحب، اسی بات کو کس لہجہ سے ادا کرتے ہین ؎

مان بولی یہ کیا کہتی ہے صغراؑ ترے قربان | گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جان
بیکس مری بچی ترا اللہ نگہبان | صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن

کیا بھائی جدا بہنون سے ہوتے نہین بیٹا

کنبہ کے لیئے جان کو کھوتے نہین بیٹا

مین صدقے گئی بس نہ کرو گریہ و زاری
وہ کانپتی ہاتون کو اٹھا کر یہ پکاری

اصغرؑ مرا روتا ہے صدا سُنکے تمھاری
آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری

چھٹتی ہے یہ ہیار بہن جان سے گئے تم
اصغرؑ مری آواز کو پہچان گئے تم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہین سکتی
جو دل مین ہے لب پر وہ سخن لا نہین سکتی

تپ سے تمھین چھاتی سے بھی لپٹا نہین سکتی
رکھ لون تمھین اماں کو بھی سمجھا نہین سکتی

بیکس ہون مرا کوئی مددگار نہین ہے
تم ہو سو تمھین طاقتِ گفتار نہین ہے

اس واقعہ کا نہایت دردانگیز پہلو صغرؑا کا خود اصغرؑ سے مخاطب ہونا، اور جوش محبت مین چھ مہینے کے بچے سے اپنا دردِ دل کہنا تھا، مرزا صاحب صرف یہ کہکر رہ گئے ع آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگاؤن، میر صاحب نے پورا دردِ دل کہا اور کس موثر طریقہ سے کہا۔ مرزا صاحب کا یہ مصرع ع صغریٰ کی طرف ہاتھ اٹھا کر وہ پکاری، میر صاحب کے اس مصرع کے جواب مین ہے ع وہ کانپتی ہاتھون کو اٹھا کر یہ پکاری،

لیکن دونون مین کوئی نسبت نہین، میر صاحب کے ہان ہات کے ساتھ کانپنے کی قید نے کسقدر بلاغت پیدا کر دی ہے، - ذیل کے ان دونون مصرعون مین بھی زمین آسمان کا فرق ہے۔

ع آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری،

ع آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگا دون، " چھوٹا مسافر" مرزا صاحب کا ایجاد ہے

اعلیٰ و ادنیٰ کا مقابلہ

کچھ خارِ مغیلان گلِ تر ہو نہین جاتا
قلعی سے کبھی آئینہ قسم ہو نہین جاتا

ہر قطرۂ ناچیز گہر ہو نہین جاتا ۔ مس پر جو ملمع ہو تو زر ہو نہین جاتا

جس پاس عصا ہو اُسے موسیٰؑ نہین کہتے
ہر بات کو عاقل ید بیضا نہین کہتے

میر انیس کا یہ مشہور بند ہے، مرزا صاحب نے اسکے جواب مین بڑی کوشش کی، مختلف بحرین اختیار کین، بہت سی نئی نئی تشبیہین ڈہونڈہین لیکن وہ بات پیدا نہوئی مرزا صاحب فرماتے ہین ع

احکام یزید اور ہین اور اپنے امور اور ۔ باطل کی نمود اور ہے اور حق کا ظہور اور
نمرود کی آگ اور ہے، اور آتش طور اور ۔ زنبور کا غل اور ہے، الحان زبور اور

سمجھو تو سہی تم کہ بشر کیا ہے ملک کیا
بت کیا ہے، خدا کیا ہے زمین کیا ہے، فلک کیا

سامان سے کوئی صاحب ایمان نہین ہوتا ۔ ہر اہل عصا موسیِ عمران نہین ہوتا
پہنے جو انگوٹھی وہ سلیمانؑ نہین ہوتا ۔ آئینہ گر اسکندر دوران نہین ہوتا

لاکھ اوج ہو پشہ کا ہما ہو نہین جاتا
بت سجدۂ کافر سے خدا ہو نہین جاتا

یہ تشبیہات کافی نہ ہوئین تو ایک اور مرثیہ مین بہت سی تشبیہین جمع کین ع

ہر سبز پوش خضر نہین عز و جاہ مین ۔ سر سبز حیدری ہین جناب الٰہ مین
یوسف نہ ہوگا لاکھ گرے کوئی چاہ مین ۔ دن رات کا ہے فرق سفید و سیاہ مین

کوئی یتیم فاطمہؑ سا خوش گہر نہین +
ہر اک یتیم در یتیم اسے ثمر نہین +

حباب ہے زرہ بنا کے جو داؤد کا وقار ۔ واللہ حیل ساز ہے کیا اسکا اعتبار

ہر نجیبہ گر نہ ہو کبھی ادریسؑ نامدار ‏— ہر ناخدا کو نوحؑ کہے گا نہ ہوشیار

کیا جاہلون کے عیش کا سامان ہوگیا
بیٹھا جو تخت پر وہ سلیمانؑ ہوگیا

حُر کا واقعہ۔ حُر پہلے یزید کی طرف تھا، لیکن خدا نے ہدایت دی، اور معرکۂ جنگ شروع ہونے سے پہلے، وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی فوج مین چلا آیا، اُسکا آنا، معافی کا خواستگار ہونا، لڑنے کی اجازت طلب کرنا، زخمی ہوکر گرنا، امام علیہ السلام کا اُسکے پاس جانا، اُسکا انتقال کرنا، یہ واقعات اکثر مرثیون مین دونون نے لکھے ہین، لیکن ایک مرثیہ مین بحر اور اکثر قافیے تک مشترک ہین، ان دونون مرثیون کے مقابلہ کرنے سے، دونون حریفون کے مدارج کا پورا اندازہ ہوجاتا ہے ؎

مرزا دبیر

لگتے یہ گھوڑون پہ غازی ہوئے دونون اسوار ‏— پہونچے نزدیک شہ دین تو پکارا جرار
اور چلے شاہ کی جانب کو بڑھا کر رہوار ‏— بخشدے جرم شہنشاہ نجفؑ کے دلدار

روئے الطاف کو ہم سے نہ پھرانا آقا
نہین اس در کے سوا کوئی ٹھکانا آقا

میر انیس

ذکر یہ تھا کہ صدا دور سے آئی اک بار ‏— مجرم ایسا ہون کہ عصیان کا نہین جسکے شمار
الغیاث اے جگر و جان رسول مختار ‏— عفو کر عفو کر اے چشمۂ فیض غفار

پار دریائے خطا سے مری کشتی ہوجائے
دوزخی بھی ترے صدقے سے بہشتی ہوجائے

مرزا دبیر

واسطہ احمدؐ و زہراؑ و حسنؑ کا اے شاہ ‏— بخشدو عفو کرو بندۂ عاصی کا گناہ
نذر سر لایا ہون مقبول ہو اے عرش پناہ ‏— اور بتادو مرے بیٹے کو بھی فردوس کی راہ

حُر عوض آپ کے مقتول جفا ہووے گا

اور اکبرؑ پہ مرا لال فدا ہووے گا

میر انیس

کئی روزون سے تو عالم مین ہون اے شاہنشاہ
دست و پا گم ہین کچھ ایسے کہ نہین سوجھتی راہ

مدد اے نوحِ غریبان مرا بیڑا ہے تباہ
شور کرتا ہون کہ تبلائے کوئی جائے پناہ

ابر رحمت کی طرف جائیے صدا دیتے ہین
سب ترے دامن دولت کا پتہ دیتے ہین

دبیر

پیشوائی کو چلے حُر کے شہنشاہِ زمن
کانپ کر پائے مبارک پہ جھکا سر افگن

ہات کھولے پسر عقدہ کشا نے فوراً
سر اُٹھا کر کیا سرور نے یہ بھائی سے سخن

گو سر حُر پہ ہے خالق کے کرم کا سایا
آن کر تم بھی کرو اسپہ علم کا سایا

انیس

استغاثہ یہ کیا حُر نے جو با دیدۂ نم
خود بڑھے ہاتون کو پھیلا کے شہنشاہِ امم

جوش مین آگیا اللہ کا دریائے کرم
حُر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اُس دم

شکر کر سبط رسول الثقلین آتے ہین
اے برادر ترے لینے کو حسینؑ آتے ہین

حُر نے دیکھا کہ چلے آتے ہین بیدل شبیرؑ
شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے با توقیر

دوڑ کر چوم لئے پائے شہ عرش سریر
مین نے بخشی مرے اللہ نے بخشی تقصیر

مین رضا مند ہون کس واسطے مضطر ہے تو
مجھکو عباسؑ دلاور کے برابر ہے تو

دبیر

حُر نے فرزند پیمبر سے یہ اسوقت کہا
آپ کی بندہ نوازی پہ فدا اے آقا

سایہ دامن رایت تو ہے ظل طوبیٰ
رخ کیا جب سے ادہر کا یہ ہے الطافِ خدا

مرحبا فاطمۂ زہرا مجھے فرماتی ہین
سایۂ چادر کا مرے سر پہ کیے آتی ہین

انیس

حُر پکارا "بابی انت وامی" یاشاہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن مین مل جائے یہ راہ

قابلِ عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ
سب کے صدقے انھین قدمون کا خدا ہے آگاہ

مہر ذرّہ پہ جو ہو نیرِ تابان ہو جائے
آپ جس مور کو چاہین وہ سلیمان ہو جائے

دبیر

عرض کی پیر شہ والا سے بجوشِ رقّت
عفو تقصیر ہوئی - اب ہو عنایت رخصت

کرتے ہین دشمنِ دین جنگ پہ اس دم سبقت
دیکھنے کی نہین بندے مین ذرا اب طاقت

گر رضا پائے تو سر اپنا کٹائے فدوی
زخم شمشیر و سنان سینہ پہ کھائے فدوی

انیس

لائے اس عزت و حرمت سے جو مہمان کو امامؑ
شہ نے فرمایا سنا ہے کہ کوئی دم آرام

بولے عباسؑ کہ کھول اب لئے نیک انجام
عرض کی حُر نے کہ ناشدین کہو لے گا غلام

فاتحہ پڑھ کے یہ شمشیر و سپر باندھی ہے
آج اس عزم پہ فیادم سے کمر باندھی ہے

ہے بہت شمر و عمر سے مجھے لڑنے کی اُمنگ
لشکرِ شام سے پیہم چلے آتے ہین خدنگ

ایک ہی وار مین دونون کو کرو نگا یک رنگ
شاہزادون کی سپہ ہون کہ عبادت سے ہے تنگ

کہین ایسا نہو بچہ کوئی بیجان ہو جائے
پہلے یہ خانہ غلام آپ پہ قربان ہو جائے

دبیر

پسر حُر کے معرف علی اکبرؑ تھے کہ واہ
حُر کو دیتے تھے صدا شاہ کہ سبحٰن اللہ

دونون تسلیم کنان صرف وغا تھے ذی جاہ
مژدہ گلشنِ جنت انہین پہونچا ناگاہ

دونون یک مرتبہ بیزار ہوے جینے سے
نیزۂ ظلم وستم پار ہوئے سینے سے

انیس
بڑہ کے فرماتے تھے عباسؑ نہے عزت وجاہ
بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دلبر شاہ
کہتے تھے ابن حسن واہ حُرِ غازی واہ
شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے سبحان اللہ

اپنی جانبازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مُسکراتا ہوا تسلیم کو جُھک جاتا تھا

دبیر
اس گھڑی فاطمہؑ کے لال سے حُر نے یہ کہا
آپ کے صدقہ سے یہ رتبہ ہوا خادم کا
شیرِ حق میرے سرہانے ہین کھڑے ای مولا
جام کوثر لئے کہتے ہین بصد لطف وعطا

لے اسے پی کہ بہت تشنہ دہن ہے اے حُر
جلد آ دیکھہ یہ جنت کا چمن ہے اے حُر

ان سے مین عرض یہ کرتا ہون کہ ای شاہ زمان
پسر فاطمہ پیاسا ہے مجھے پیاس کہان
صبح سے جھولے مین بیہوش ہے تشنہ نادان
تشنہ لب ہے کئی دن سے علی اکبرؑ سا جوان

پیاسا ہون اسپہ بھی پانی نہ پیون گا مولا
جام کوثر نہ بن آقا کے پیون گا مولا

انیس
نیم وا چشم سے حر نے رُخِ مولا دیکھا
زیرِ سر زانوے شبیر کا تکیا دیکھا
مسکرا کر طرفِ عالمِ بالا دیکھا
شہ نے فرمایا کہ اے حُر بری کیا دیکھا

عرض کی حسن رُخِ حور نظر آتا ہے
فرش سے عرش تلک نور نظر آتا ہے

مجھکو لینے چلے آتے ہین فرشتے یا شاہ
خلد سے شیر خدا نکلے ہین اللہ اللہ
ملک الموت بھی کرتا ہے محبت کی نگاہ
لو برآمد ہوئے شبّر بھی پدر کے ہمراہ
ننگے سر احمد مختار کی پیاری آئی
دیکھیئے آپ کے نانا کی سواری آئی

دبیر

مڑکے عباسؑ دلاور کو پکارے سرور
گئے عباسؑ اُدھر یان ہُوا برپا محشر
روک لو تم کہ سکینہ چلی آتی ہے ادہر
حُر بھی فرزند بھی حُر کا ہوا گویا رو کر
غش پہ غش تشنہ دہانی کے سبب آتے ہین
الفراق اب تمہین خلد کو ہم جاتے ہین

انیس

قبلہ رو کیجیے لاشہ مرا اے قبلۂ دین
کوچ نزدیک ہے اے بادشہ عرش نشین
پڑھیے یٰسین کہ اب ہے یہ دم باز پسین
لیجیے تن سے نکلتی ہے مری جان حزین
بات بھی اب تو زبان سے نہین کیجاتی ہے
کچھہ اُڑھا دیجیے مولا مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ گود مین شبیر کے لی انگڑائی
شہ نے فرمایا ہمین چھوڑ چلے کیون بھائی
آیا ماتھے پہ عرق - چہرہ پہ زردی چھائی
چل بسے حُر تری پھر نہ کچھہ آواز آئی
طائر روح نے پرواز کی طوبا کی طرف
تپلیان رہ گئین پھر کے شہ والا کی طرف

میر انیس کے اشعار مین بلاغت کی جو باریکیان اور دقائق ہین، ان سے ہم اس موقع پر بحث نہین کرتے، یہان صرف یہ دکھانا ہے کہ حُسنِ بندش سے کلام مین کس قدر صفائی - برجستگی اور زور پیدا ہوجاتا ہے -

قیدخانہ کے واقعات | قیدخانہ کا حال، اور ہند کے آنے کا واقعہ دونون نے لکھا ہے۔ اور ایک بحر مین لکھا ہے۔ میر انیس کا مطلع ہے **مصرع** جب قیدیون کو خانہ زندان مین شب ہوئی۔

اور مرزا صاحب کا مطلع ہے **مصرع** جب قیدیون کو راہ مین ماہ صفر ہوا۔

میر انیس نے تفصیلی حالات نہایت موثر پیرایہ مین لکھے ہین۔ مرزا صاحب کے ہان صرف ۳۶ بند ہین۔ لیکن بعض مضامین مشترک ہین۔ وہ ملاحظہ ہون

دبیر	راوی نے حال خانہ زندان ہے یون لکھا آئی جو شب اسیرون کو صدمہ بڑا ہوا		وحشت مین مثل قبر اور آفت مین کربلا نہ فرش تھا نہ سایہ تھا۔ نہ پانی نہ غذا
		شمعون کی روشنی نہ چراغون کی روشنی بس ماتم حسینؑ کے داغون کی روشنی	
انیس	کیجیے شکستگی خرابہ کا کیا بیان وحشت کا گھر ہراس کی جا خوف کا مکان		ثابت نہ جسمین سقف نہ در اور نہ سائبان وہ شب کہ الحذر وہ اندھیرا کہ الامان
		ظلمت سرا سے گور تھی۔ زندان کا گھر نہ تھا حجرے یہ تنگ تھے کہ ہوا کا گذر نہ تھا	
دبیر	ناگاہ مشعلون کی ہوئی روشنی نمود زینبؑ کے دل پہ صدمہ ہون ہے ہوا فزود		اور غل ہوا کہ ہند کا زندان مین ہے ورود غربت سے کانپنے لگی وہ خاصۂ درود
		سر زانوون کے بیچ مین شرما کے دھر لیا اور بیڑیون کو خاک مین پوشیدہ کر لیا	
	بچون سے پھر یہ بولی وہ آفت کی مبتلا ناگاہ آئی قیدیون مین ہند باوفا		اب نام لیجیو نہ مراتم یہ مین فدا زنجیر پہنے دیکھ کے عابد کو دی ندا

بیداد اہل ظلم سے یارب دہائی ہے
اس ناتوان کو آہ یہ بیڑی پنہائی ہے

انیس

نکلی محل سرا سے یہ کہکر وہ خوش سیر
پہنچی جناب حضرت زینبؑ کو یہ خبر
تھین ساتھ ساتھ چند خواصین بھی نوحہ گر
رنگ اُڑ گیا یہ کہنے لگی سر کو پیٹ کر
اپنا نہین خیال، بزرگون کا پاس ہے
ہے ہے، کہان چھپون وہ مری روشناس ہے

ہے شرم کی جگہ کہ مین ہون خواہر امام
ہم ہین فقیر، ہم مین امیرون کا کیا ہے کام
غمگین و سوگوار و پریشان و تشنہ کام
لوگو بتا نہ دیجیو کہین اسکو میرا نام
پوچھے جو وہ کسی سے کہ زینب کدہر گئی
کہدیجیو کہ بھائی کے ہمراہ مر گئی

دبیر

زینبؑ کو بھی سکوت کا یارا نہ پھر رہا
کیا جانیے کہ بعد حسین اسپہ کیا ہوا
بولے نہ ان سے پوچھ سے زینبؑ کا ماجرا
قدمون پہ ہند گر پڑی پہچان کر صدا
رو کر کہا قسم مجھے رب قدیر کی
زینبؑ تمہین ہو بیٹی جناب امیرؑ کی

انیس

یہ سُن کے ہند رونے لگی تب بہ اشک و آہ
مُنہ سے ہٹائے بال تو حالت ہوئی تباہ
پھر مڑ کے روئے حضرت زینبؑ پہ کی نگاہ
بیساختہ کہا کہ زہے قدرت اله
ہرگز غلط نہین جو مجھے اشتباہ ہے
زینبؑ تمہین ہو خالق اکبر گواہ ہے

میر انیس اور مرزا دبیر کے موازنہ مین عموماً میر انیس کی ترجیح ثابت ہوگی لیکن ہر کلیہ مین مستثنیٰ ہوتا ہے

بعض موقعون پر مرزا دبیر صاحب نے جس بلاغت سے مضمون کو ادا کیا ہے میر انیس سے نہین ہوسکا چنانچہ ذیل کی مثال سے اسکی تصدیق ہوگی۔

حضرت علی اصغرؑ کے لیے پانی مانگنا

واقعات کربلا مین یہ واقعہ نہایت دردانگیز ہے کہ تمام اعزہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ علیہ السلام، اپنے ششماہہ بچے (علی اصغرؑ) کو دشمنون کے سامنے لیجاکر اس بات کے ملتجی ہوے کہ یہ بچہ پیاس سے مرتا ہے، اس کے گلے مین پانی کی ایک بوند ٹپکا دو، اس واقعہ کو میر ضمیر سے لیکر آج تک نئے نئے موثر پیرایون مین ادا کیا جاتا ہے، میر انیس صاحب نے مختلف مرثیون مین یہ واقعہ لکھا ہے، اور ہر جگہ نیا پہلو اختیار کیا ہے، ایک مرثیہ مین جو سب سے بہتر ہے فرماتے ہین ؎

بولے دکھا کے بچے کو شاہ فلک سریر
پانی ملا ہے کل سے نہ ممکن ہوا ہے شیر
مرتا ہے پیاس سے یہ مرا کودک صغیر
للہ اس غریب پہ کر رحم اے امیر

مہمان ہے کوئی آن کا ہونٹون پہ جان ہے
اسکا قصور کیا ہے کہ یہ بے زبان ہے

برپا ہے اہل بیت محمدؐ مین شور و شین
آنکھین پھرا کے دیتا ہے اب تو یہ نور عین
در پر پھوپھی بلکتی ہے ماں کر رہی ہے بین
لایا ہے اس عطش مین ترے پاس اب حسینؑ

تجکو قسم ہے روح رسالت مآب کی
ٹپکا دے اسکے حلق مین اک بوند آب کی

لیکن مرزا دبیر صاحب نے اس واقعہ کے بیان مین جو بلاغت صرف کی ہے اور جو دردانگیز سمان دکھایا ہے کسی سے آج تک نہ ہوسکا، فرماتے ہین ؎

دبیر

ہر اک قدم پہ سوچتے تھے سبط مصطفےٰ
لے تو چلا ہون فوج عمر سے کہون گا کیا

نہ مانگنا ہی آتا ہے مجھکو نہ التجا
منت بھی کر کرونگا تو کیا دینگے وہ بھلا

پانی کے واسطے نہ سنیں گے عدو مری
پیاسے کی جان جاسے گی اور آبرو مری

پہونچے قریب فوج تو گھبرا کے رہ گئے
غیرت سے رنگ فق ہوا تھرا کے رہ گئے
چاہا کریں سوال پہ شرما کے رہ گئے
چادر پسر کے چہرے سے سرکا کے رہ گئے

آنکھیں جھکا کے بولے کہ یہ ہمکو لائے ہیں
اصغرؑ تمھارے پاس غرض لیکے آئے ہیں

گر ہیں یہ قول عمرو شمر ہوں گناہ گار
ششش ماہہ بے زبان نبی زادہ شیرخوار
یہ تو نہیں کسیکے بھی آسکے قصور وار
ہفتم سے سب کے ساتھ یہ پیاسا ہے بیقرار

سن ہے جو کم تو پیاس کا صدمہ زیادہ ہے
مظلوم خود ہے اور مظلوم زادہ ہے

یہ کون بے زبان ہے تمہیں کچھ خیال ہے
لو ہاں لو تمہیں قسم ذوالجلال ہے
دُرِّ نجف ہے بانوئے بیکس کا لال ہے
پیر کے شاہزادے کا پہلا سوال ہے

پوتا علیؑ کا تم سے طلبگار آب ہے
دیدو کہ اسمیں ناموری ہے ثواب ہے

پھر ہونٹ بے زبان کے چومے جھکا کے سر
باقی رہی نہ بات کوئی اے مرے پسر
رو کر کہا جو کہنا تھا وہ کہہ چکا پدر
سوکھی زبان تم بھی دکھادو نکال کر

پھیری زبان لبوں پہ جو اس نور عین نے
تھرا کے آسمان کو دیکھا حسینؑ نے

اسلوب بیان کی بلاغت کو دیکھو، امام علیہ السلام اصغرؑ کو لیکر پانی مانگنے کو نکلے تو سہی لیکن غیرت کے اقتضا سے ہر قدم پر ٹھہر جاتے ہین کہ سوال کیونکر کرون، اور کرون بھی تو نتیجہ کیا ہوگا، پھر فوج کے قریب پہونچکر سوال کرتے ہوئے شرمانا، تھرا کے رہ جانا، اور سب سے بڑھ کر بچہ کے چہرہ سے چادر سرکا کے رہ جانا، کسقدر قیامت انگیز سمان ہے، پھر سوال بھی کرتے ہین تو علی اصغر پر یہ کہکر ع اصغرؑ تمہارے پاس غرض لیکے آئے ہین واجب الرحم ہونے کی وجہین کسقدر لاجواب ہین، اور سب ایک ہی مصرع مین ادا ہوگئی ہین یعنی شش ماہہ ہے، بے زبان ہے، نبی زادہ ہے، شیرخوار ہے، ان سب پر قیامت یہ کہ جب سب کچھ کہہ چکے تو بچہ کی زبان حال سے بھی کہلوایا اور بچہ نے کہہ ہی دیا، کیونکہ بچہ پیاس کی شدت سے لبون پر زبان پھیرا کرتا تھا، اب بھی اُس نے ایسا ہی کیا تو یہ زبان حال سے کہنا تھا۔

متحد المضمون اشعار

اس قسم کے اشعار بعض تو بالکل ہم مضمون ہین، بعض اس قسم کے ہین کہ ایک نے ایک خیال کو ادا کیا تھا، دوسرے نے اسکو ترقی دینا چاہا۔ بعض ایسے ہین کہ صرف اصل واقعہ مشترک ہے اور دونون کی طرز ادا الگ الگ ہے، چنانچہ ہم ہر قسم کی متعدد مثالین نقل کرتے ہین ؎

دبیر	مثل تنور گرم تھا پانی مین ہر حباب		ہوتی تھین سیخ موج پہ مرغابیان کباب	
انیس	پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی		ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی	

یہ مضمون دونون کے ہان مشترک ہے کہ گرمی کی شدت یہ تھی کہ موج سیخ بن گئی تھی اور جب کوئی جانور اُس کے پاس جاتا تھا تو جلکر کباب ہوجاتا تھا، بندش اور الفاظ کی نشست مین جو فرق ہے وہ خود ظاہر ہے لیکن معنوی حیثیت سے بھی میر انیس کا شعر بڑھا ہوا ہے۔

میر انیس صاحب کے ہان گرمی کا مبالغہ جو شعر کی جان ہے، زیادہ پایا جاتا ہے، یعنی یہ کہ مچھلی سیخ موج تک آنے کے ساتھ فوراً کباب ہوجاتی تھی، مرزا صاحب کے ہان یہ بات نہین پائی جاتی وہ کہتے ہین

کہ موج کی سیخ پر مرغابیون کا کباب لگایا جاتا تھا، اس سے فوراً کباب ہو جانے کا خیال نہین پیدا ہوتا ہے

دبیر	چاہون تو بیٹھے بیٹھے اک انگلی سے دین تہ		گردون کی ڈھال چھیر کے رکھدون زمین پر	
انیس	طاقت اگر دکھاون رسالتماب کی		رکھدون زمین پہ چھیر کے ڈھال آفتاب کی	

مرزا صاحب کے شعر کا پہلا مصرع نہایت بد ترکیب ہے، اس کے علاوہ ایک انگلی سے چیرا نہین جاتا بلکہ کھونچا دینا ہوتا ہے - ڈھال کی تشبیہ آفتاب سے بہ نسبت آسمان کے زیادہ موزون ہے

دبیر	دہشت سے جوان بھاگتے تھے تیر کی مانند		تھا نیزون کو رعشہ قدم پیر کی مانند	

انیس چلنے مین نیزے کانپتے تھے مثل پائے پیر -

میر صاحب کا مصرع زیادہ فصیح اور صاف ہے، ان الفاظ سے "کانپتے تھے" جو تصویر خیال مین کھیچ جاتی ہے وہ رعشہ کے لفظ سے پیدا نہین ہوتی، سب سے بڑھ کر یہ کہ جب تک چلنے کی قید نہ مذکور ہو پوری تشبیہ نہین ہوتی - کیونکہ بوڑھے آدمی کے پانون چلنے ہی کی حالت مین کانپتے ہین، اس کے ساتھ چونکہ چلنے کا اطلاق پانون اور نیزہ دونون پر ہوتا ہے اس لئے یہ لفظ اس موقع پر نہایت موزون ہے سب سے بڑھ کر یہ کہ نیزہ چلانے کی حالت مین نیزہ کو لچک ہوتی ہے اس لئے اسکو کانپنے سے تعبیر کر سکتے ہین، اور اس لحاظ سے یہ کہنا کہ نیزہ چلنے کی حالت مین خوف سے کانپتا تھا نہایت لطیف حسن التعلیل ہے، بخلاف اسکے مرزا صاحب نے چونکہ نیزہ کی جنبش اور حرکت کا ذکر نہین کیا اس لئے رعشہ کا کوئی ثبوت نہین ہوتا -

دبیر چلا سے ہات مل کے جلاجل کہ الامان -

انیس ہو گیا جوڑ کے ہاتون کو جلاجل خاموش -

جلاجل کے دونون حصے جو بجانے مین مل جاتے ہین، اسکی تعبیر دونون بزرگون نے دو طرح پر کی ہے مرزا صاحب کہتے ہین کہ جلاجل چلا کر الامان کہتا تھا اور ہاتھ ملتا تھا لیکن چلانے کو ہات ملنے

سے کوئی تعلق نہین، اس لئے گو تشبیہ صحیح ہے لیکن ہات ملنے کی کوئی توجیہ نہین ہوسکتی، میر صاحب کہتے ہین کہ حضرت امام حسینؑ کا رعب اسقدر غالب ہوا کہ جلاجل ہات جوڑ کے چپ ہو گیا، رعب اور خوف کی حالت مین ہات جوڑنا اکثر ہوتا ہے، اور چونکہ جلاجل کے دونون حصے جب مل جاتے ہین تو پھر جب تک جدا نہ ہون، آواز نہین دے سکتے، اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ وہ ہات جوڑ کر چپ ہو گیا ۔

دبیر	یون جسم رعشہ دار سے جانین ہوئین روان		جیسے مکان سے زلزلہ مین صاحب مکان	
انیس	یون روح کے طائر تن و سر چھوڑ کے بھاگے		جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے	

اصل مضمون یہ ہے کہ روحین جسم سے اس طرح بھاگ گئین جسطرح بھونچال مین کوئی گھر چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے لیکن بندش کی صفائی اور برجستگی نے میر انیس صاحب کے مضمون کو کہان سے کہان پہونچا دیا ہے اس کے علاوہ، صاحب مکان کی تخصیص بالکل بیکار ہے، زلزلہ جب آتا ہے تو صاحب مکان کی کوئی تخصیص نہین، ہر شخص مکان چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے، جسم رعشہ دار کی ترکیب نامانوس ہے اور اس قید سے یہ مفہوم ہوتا ہے، کہ صرف ان لوگون کی روحین نکلین جنکے جسم رعشہ دار تھے - میر صاحب کا پہلا مصرع بھی کچھ اچھا نہین، سر کا لفظ بالکل حشو بلکہ موقع کے لحاظ سے غلط ہے، روح سر مین نہین رہتی اور نہ سر سے اسکو کوئی خصوصیت ہے ۔

دبیر	وہ رخش پہ یا دیو تھا اسوار پری پر		غل رن مین اٹھا کوہ چڑھا کبک دری پر	

کسقدر بیہودہ تشبیہ ہے، دشمن کو کوہ اور گھوڑے کو کبک دری کہنا مضائقہ نہین لیکن کوہ کا کبک دری پر چڑھنا کسقدر مہمل ہے، میر انیس صاحب نے بھی یہی مضمون یعنی دشمن کا گھوڑے پر سوار ہونا متعدد موقعون پہ باندھا ہے اور کس خوبی سے باندھا ہے ۔

ع گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا۔

ع گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا۔

دبیر	رن مین جو گھرا ابر غلیظ اہل سقر کا		بجلی سا کڑ کنے لگا کڑکیت عمر کا
ایضاً	گرد عباس کے کثرت تھی ستمگارونکی		مینہ تو تیرون کا تھا اور برق تھی تلوارونکی

پہلے شعر کا یہ مطلب ہے کہ دشمن جو اہل سقر تھے اُن کے صفون کا دل ابر غلیظ تھا اور اس ابر مین کڑکیت کا کڑکنا بجلی کا کام دیتا تھا۔ دوسرے شعر کا مطلب ظاہر ہے۔ اسی مضمون کو میر انیس صاحب نے باندہا ہے ؎

اک گھٹا چھاگئی ڈہالون سے ستمگارونکی		برق ہر صف مین چمکنے لگی تلوارون کی

مرزا صاحب کا پہلا شعر تو بالکل بھدا اور بدترکیب ہے، دوسرا اُدراصان ستے لیکن میر انیس صاحب کے شعر سے اسکوبھی کچھہ نسبت نہین ہے، صفائی اور برجستگی کے سلاوہ "چمکنے لگی" کے جملہ فعلیہ نے جو حالت پیدا کی وہ "برق" تھی سے کہان پیدا ہوسکتی ہے ؎

انیس	عالم ہے مکدر کوئی دل صاف نہین ہے		اس عہد مین سب کچھہ ہے پر انصاف نہین ہے
دبیر	دل صاف ہو کسطرح کہ انصاف نہین ہے		انصاف ہو کسطرح کہ دل صاف نہین ہے

انصاف سے دیکھو مرزا صاحب نے میر صاحب ہی کے لفظون کو الٹ پلٹ کیا ہے لیکن کس بُری طرح سے کہ محض لفظی گورکھہ دہندا رہ گیا ہے۔

دبیر کس نے نہ دی انگوٹھی رکوع و سجود مین۔

انیس سایل کو کس نے دی ہے انگوٹھی نماز مین۔

دونون مصرعون کی شستگی برجستگی اور صفائی مین جو فرق ہے، وہ ایک بچہ بھی سمجھہ سکتا ہے ؎

دبیر	کس آب و تاب سے یہ سر فوج پر گری		پانی کا گھونٹ بنکے گلے سے اُترگئی
انیس	سب نشۂ غرور جوانی اُترگیا		تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُترگیا

ان دونون شعرون کا فرق بھی ظاہر ہے۔

دبیر — یون متصل رسن سے بندھے تھے وہ دل فگار ‖ رشتہ مین جیسے دانۂ تسبیح آبدار

اہل حرم جو ایک ہی رسّی مین قید کئے گئے انکو تسبیح کے دانہ اور رشتۂ تسبیح سے تشبیہ دی ہے اور یہ تشبیہ بجاے خود بُری نہین، لیکن میر صاحب کی تشبیہ دیکھو ؎

گردنین بارہ اسیرون کی ہین اور ایک رسن ‖ جس طرح رشتۂ گلدستہ مین گلہاے چمن

تشبیہ کی لطافت اور نزاکت کے علاوہ، اصل تشبیہ مین کسقدر فرق ہے، تسبیح کے دانے رشتہ مین بندھے نہین ہوتے بلکہ پروے ہوتے ہین، بخلاف اسکے گلدستہ مین پھول رشتہ سے بندھے ہوتے ہین، بندش کی صفائی کا جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، اسکے علاوہ مرزا صاحب کے ہان آبدار کا لفظ محض فضول اور بیکار ہے ؎

دبیر — سب بے جرم معرکہ مین وہ خار انشگاف تھی ‖ لشکر کا خون کیا تھا مگر پاک صاف تھی

مرزا صاحب نے اس مضمون کو نہایت خوبی اور صفائی سے ادا کیا ہے، میر انیس صاحب نے اس مضمون کو کئی کئی طرح سے پلٹا لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ بات نصیب نہ ہوئی، میر صاحب کہتے ہین ؎

انیس — ان سب کے بعد مُنہ کو جو دیکھا تو صاف تھا۔

ایضاً — جو چاہے دیکھ لے مرا مُنہ پاک صاف ہے ؎

〃 — دم مین نہ وہ غرور رہا نہ وہ خود سری رہی ‖ مجرم وہی رہا، یہ خطا سے بری رہی،

مرزا دبیر — رو کش، خدا کی فوج سے چھوٹے بڑے ہوئے ‖ سجادہ سے امام زمن اُٹھ کھڑے ہوئے

میر انیس — طیار جان دینے پہ چھوٹے بڑے ہوئے ‖ تلوارین ٹیک ٹیک کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے

دبیر — روشن پدر کا زور ہے دنیا و دین پر ‖ ششدر رہے جبرئیل، کٹے جبکہ تین پر

انیس — خیبر مین کیا گذر گئی روح الامین پر، ‖ کاٹے ہین کسکی تیغ دو پیکر نے تین پر

دبیر — بندھتی تھی، اور کھلتی تھی مُٹھی حباب کی، ‖ انیس — کُھلتی تھین، اور جھپکتی تھین آنکھین حباب کی،

تمت

تصانیف شبلی نعمانی

نام کتاب	مضمون	قیمت	کہاں سے مل سکتی ہے
موازنہ انیس و دبیر	میر انیس کی شاعری پر ریویو اور مرزا دبیر سے اِن کا موازنہ " " "		
سوانح مولانا روم	مولانا روم کی سوانح عمری اور مثنوی شریف پر مفصل تقریظ " " "	ہے روپیہ عہ و ۱۲ر و ۱۰ر باختلاف مدارج	دفتر ندوۃ العلما لکھنؤ
الکلام	عقاید اسلام کا ثبوت " " "	۱۲ر	″
سفرنامہ روم	ٹرکی و مصر و شام کا سفرنامہ " "		″
رسایل شبلی	۱۲ تاریخی مضامین کا مجموعہ " " "	عہ	″
سیرۃ النعمان	امام ابوحنیفہؒ کی سوانح عمری اور فقہ حنفی پر ریویو " " " "	عہ	″
المامون	مامون الرشید کی سوانح عمری "	عہ ر	ڈپوٹی نشاپ علی گڈھ کالج
الغزالی	امام غزالی کی سوانح عمری " "		دوبارہ زیر طبع ہے، دوسرا اڈیشن کتب خانہ صفیہ حیدرآباد
علم الکلام	علم کلام کی مفصل تاریخ " "		دوبارہ زیر طبع ہے،
الفاروق	حضرت عمرؓ کی سوانح عمری " "		دوبارہ زیر طبع ہے،

شبلی ندوہ - لکھنؤ